

فَسَالْ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثَنَا  
اس قوم کو کیا ہو گیا ہے جو بات سمجھنا نہیں چاہتی

www.KitaboSunnat.com

# کتاب السنن

عَنْ  
أَصُولِ فَيْتَةٍ وَحَدِيثِ

از امام محمد بن الحسین شافعی رحمہ اللہ

اصول فقہ و حدیث میں امام شافعی کی معرکہ الآراء کتاب  
"کتاب الرسالہ" کا سلیس عام فہم اردو ترجمہ جسید امام شافعی  
نے کتاب سنت کی اتباع کو فرض ثابت کرتے ہوئے ان دونوں  
سے استدلال احتجاج کے اصول انتہائی وضاحت کی گئی ہیں  
ہیں اور استدلال کے طریقوں کو واضح کرنے کیلئے بطور منظر مثالیں  
پیش فرمائی ہیں

تج  
مؤلفنا مفتی محمد امجد علی صاحب  
سابق استاذ الحدیث مطبع العلوم رامپور

محمد سعید سنن تاجران کتب قرآن محل مولوی مسافر خانہ کراچی مقابل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

### ☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

ماہر اعلیٰ علمی

قِمًّا لَهُوَ لَإِغْوَاءِ الْقَوْمِ إِلَيْكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا  
اِس قوم کو کیا ہو گیا ہے جو بات سمجھنا نہیں چاہتی ؟

# کتابُ الرِّسَالِہ

بَعْنِی

## اصولِ فقہ و حدیث

از امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ

اصولِ فقہ و حدیث میں امام شافعی رحمہ اللہ کی معرکہ الآراء کتابُ الرِّسَالِہ کا سلیس عام فہم اردو ترجمہ، جس میں امام شافعیؒ نے کتابِ سنت کی اتباع کو فرض ثابت کرتے ہوئے ان دونوں سے استدلال و احتجاج کے اصول انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، اور استدلال کے طریقوں کو واضح کرنے کے لئے بطرز مناظرہ مثالیں پیش فرمائی ہیں،

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ

مولانا مفتی امجد علی صاحبِ اُستاد الحدیث مَطْلَعُ الْعُلُومِ رامپور

بِکَافِہ اشاعت

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی بکریپتی حکومتِ پاکستان

ناشر

سعید سترز ناشرانِ تاجرانِ کتبِ قرآن محلِ مقابل مولوی مسیح خانہ کراچی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز



04297

جملہ حقوق اشاعت مع ترتیب و ترجمہ  
منجانب ادارہ تحقیقات اسلامی بسرپرستی حکومت پاکستان راولپنڈی  
بجق ناشر محفوظ و مخصوص ہیں

بہارنامہ

محمد سعید اینڈ سنز

ناشر

قرآن مجمل، مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

طابع

مطبع سعیدی

سن طباعت

۱۹۶۸ ع

قیمت جلد مع گروہ پوش

~~۱۰ روپے~~

45/



# فہرست مضامین

## ترجمہ کتاب الرسالہ للشافعیؒ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۴	باب خصوص بذریعہ سنت	۵	عرض ناشر
۷۹	باب ہنت کی پیرہی فرض ہے	۶	پیش لفظ
۸۳	باب رسول اللہؐ کی اطاعت فرض ہے	۹	مقدمہ
۸۶	باب رسول اللہؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے	۲۵	حمد و ستائش
۹۰	باب رسول اللہؐ کا اقتباع وحی	۳۷	باب اول بیان کی صفت
۹۷	باب ابتداء ناسخ و منسوخ	۴۲	باب دوم، بیان ، ۱
۱۰۲	اظہار نسخ بکتاب اللہ و سنت	۴۵	باب سوم، بیان ، ۲
۱۰۵	باب، فرضیت نماز	۴۸	باب چہارم، بیان ، ۳
۱۱۵	اظہار نسخ بسنت و اجماع	۴۹	باب پنجم، بیان ، ۴
۱۱۹	باب، نص کتاب اللہ	۵۱	باب ششم، بیان ، ۵
۱۲۷	منصوص خاص بسنت	۶۴	باب الفاظ عام مراد عام
۱۳۲	فسر انص مجملہ	۶۶	باب عموم اور خصوص
۱۳۷	زکوٰۃ	۶۸	باب
۱۴۱	حج	۷۱	باب، سیاق کلام
۱۴۲	عدت	۷۳	باب کلام کا ظاہر و باطن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۹	حکم بالمشابہت	۱۴۳	حرام عورتیں
۲۰۵	ایک اور باب	۱۴۶	عدتِ دفات پر استدلالات
۲۰۶	مشابہت کی علت	۱۴۸	احادیث کی علتوں کا بیان
۲۰۸	ممانعت کی کیفیت	۱۶۵	ناسخ و منسوخ کا دوسرا طریقہ
۲۱۵	بابِ لعلم	۱۶۷	ناسخ و منسوخ کا تیسرا طریقہ
۲۲۳	بابِ خبر واحد کا بیان	۱۷۰	ناسخ و منسوخ کا چوتھا طریقہ
۲۳۷	خبر واحد کا ثبوت	۱۷۷	اختلافِ حدیث کا دیگر طریقہ
۲۷۳	بابِ الاحتماع	۱۸۱	اختلافِ حدیث کا ایک اور طریقہ
۲۷۶	بابِ القیاس	۱۸۳	اختلافِ حدیث کا تیسرا طریقہ
۲۸۴	بابِ الاجتهاد	۱۸۷	اختلافِ حدیث کا ایک اور نقشہ
۲۹۴	باب، آخسان کا بیان	۱۹۰	اختلافِ حدیث کی ایک صورت
۳۳۶	باب، فقہاء کا اختلاف	۱۹۳	احادیثِ جمع کا اختلاف
۳۴۵	اقوالِ صحابہؓ	۱۹۴	تفسیرِ حدیث بالحدیث
۳۴۷	قیاس و اجماع کا درجہ	۱۹۷	ممانعتِ حکم بحکم سابق

—————

# عرض ناشر

امام شافعیؒ کی مشہور کتاب الرسالہ فی اصول الفقہ والحديث کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے، امام شافعیؒ کی یہ کتاب اصول فقہ و اصول حدیث کے فن پر سب سے پہلی تصنیف ہو جس کو امام موصوف نے عبدالرحمن بن ہمدی کی استدعا پر تصنیف فرمایا، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کے اصول پر مشتمل امام صاحبؒ کی یہ کتاب چونکہ عربی زبان میں تھی، اور اصول حدیث و فقہ میں بنیادی حیثیت رکھتی تھی، اور امام موصوف کے بعد تمام فقہاء و علماء کی تصانیف فن اصول فقہ و حدیث میں اسی کی رہن منت تحقیق، اس لئے جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ڈاکٹر کٹر ادوار تحقیقات اسلامی کراچی و ڈاؤن لنڈی نے اس کا ترجمہ اردو میں اپنے ادارہ کے شعبہ تالیف تراجم کے محقق حضرت مولانا مولوی امجد علی صاحب سابق استاذ الحدیث مدرسہ عربیہ مطبع العلوم راجپور دیوبند کے سپرد فرمایا، مولانا موصوف نے حتی المقدور سلیس اردو میں اس کا ترجمہ فرمایا ہے،

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کا طرز متاخرین فضلاء کی تصانیف بالکل مختلف ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے اپنے شاگرد ربیع بن سلیمانؒ کو مختلف نشستوں میں اپنی تقریر نوٹ کرائی ہے جو عموماً مناظرانہ رنگ میں ہے، ہر شخص کے لئے عبارت کے تسلسل کا پالینا دشوار نظر آتا ہے، لیکن مولانا موصوف نے اپنے ترجمہ میں اس دشواری کو محسوس نہیں ہونے دیا ہے، اور ساتھ ساتھ قابل تشریح مقامات پر نوٹ بھی درج فرمائے ہیں،

ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیحد شکر گزار ہیں کہ موصوف نے اس ترجمہ کی نشر و اشاعت کے حقوق کو ہمارے حق میں محفوظ فرماتے ہوئے ہم کو اس خدمت کا موقع مرحمت فرمایا، اور ہم اس امر پر مسرت کا اظہار کرتے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس کتاب کے ترجمہ کی خدمت حقیقی معنی میں ایک عالم دین کے سپرد فرمائی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کی اس خدمت کو قبول فرمائے، اور ہم سب کو اور اس ترجمہ کے مطالعہ کنندگان کو عمل صالح کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین،

احقر محمد سعید اینڈ سنز

تشران محل مقابل مولوی مسافر خانہ

کراچی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

از تَنْزِیْلِ الرَّحْمٰنِ اِیْم، اے، ایل، ایل، بی ایڈوکیٹ  
واعزازی مشیر قانون ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان

اردو زبان میں اصول فقہ اسلام پر اب تک متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں، جن میں جسٹس سر عبد الرحیم (رحم) جج ہائی کورٹ مدراس کی انگریزی تصنیف پرنسپلز آف محمدن جوری سرڈنس کا اردو ترجمہ بھی ہے، یہ ترجمہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی جانب سے ایل، ایل، بی کے امتحان کی نصیباتی ضرورت کے تحت ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا تھا، حقیقت یہ کہ اصول فقہ اسلام پر اردو زبان میں کوئی مبسوط تصنیف موجود نہیں ہے، اس لئے ادارہ تحقیقات اسلامی کے پروگرام میں اسلامی فقہ و اصول فقہ کی اہم کتب کے ترجمہ کرانا شامل ہے، اس سلسلہ کی پہلی کڑی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب الرمالہ فی اصول الفقہ والحدیث ہے، جس کا اردو ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے،

امام شافعیؒ کی یہ تصنیف تاریخی اعتبار سے اصول فقہ و حدیث میں پہلی ردون اور مرتب کتاب ہے، اگرچہ اس سے قبل اصول فقہ پر امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد الشیبانی، واصل بن عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصنیفات کا ذکر ملتا ہے، مگر ان کا نام و نشان دنیا میں موجود نہیں، اس لئے بجا طور پر امام شافعیؒ کو اس حیثیت سے اس فن کا پیش رو کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اس کو سب سے پہلے مدون و مرتب شکل میں پیش کیا،

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی کتاب مناقب الہمام الشافعیؒ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کی حیثیت اصول فقہ میں ایسی ہی ہے جیسی منطق میں ارسطو کی، اور عروض میں خلیل بن احمد کی۔ امام شافعیؒ اس اعتبار سے ائمہ ثلاثہ سے ممتاز نظر آتے ہیں، امام شافعیؒ کی اس کتاب کی اہمیت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ امام شافعیؒ نے اس کتاب کے ذریعہ ایک مخصوص طرز فکر کی بنیاد رکھی، جس نے آنے والے زمانہ میں فقہ اسلام کے ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کیا،

اسلامی فقہ کے ارتقار میں امام شافعیؒ کی حیثیت محض ایک شریک کار کی نہیں، بلکہ ایک ایسے ناظر کی ہے جو تنقیدی زاویہ نگاہ کے ساتھ اپنے ارد گرد کی چیزوں کو دیکھ رہا ہے، اور اس کے نتیجہ میں شکست درجیت اور تعبیر و تشکیل کے عمل سیم میں مصروف ہے، انھوں نے مدینہ عراق اور شام کے فقہی مکاتب کا عمیق اور تنقیدی مطالعہ کیا، اور بالآخر اپنا ایک منفرد فقہی مذہب قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، اسی درجہ سے فقہ شافعی میں علاقائی تصورات کا پرتو نہیں ہوا۔ امام شافعیؒ دیگر مذاہب فکر کی طرح ”قرآن و سنت“ کو اسلامی قانون کا مأخذ قرار دیتے ہیں۔ اُن کے فقہی نظریہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت شارع ایک محور کی حیثیت حاصل ہے، وہ رسول اکرمؐ کے قانونی فیصلوں کو واضح طور پر الہامی کہتے ہیں، اور فی الحقیقت احادیث، رسولؐ کو منشاء ربانی کہہ کر فتران پاک کے محکمہ کی حیثیت سے پیش کرنا امام شافعیؒ کا زبردست کارنامہ ہے، جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ اگر صحت روایت سے انکار مجال ہو تو متن حدیث کو معروضی تنقید کے ذریعہ رد نہیں کیا جاسکتا، امام شافعیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی سنت کو حدیث ہی کے ذریعہ صحیح طور پر متعین کیا جاسکتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اگرچہ سنت رسولؐ اسلامی قانون کا دوسرا مأخذ ہے، لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو سنت رسولؐ کو فتران کی تفسیر و بیان ہونے اور اس کے الہامی ہونے کے سبب ایک حیثیت سے قرآن کے برابر درجہ حاصل ہوا چنانچہ نسخ کے بابے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ فتران نہ سنت کو منسوخ کر سکتا ہے اور نہ سنت قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے، بلکہ قرآن صرف قرآن سے اور سنت صرف سنت منسوخ ہو سکتی ہو، اسلامی قانون کا تیسرا مأخذ ”اجماع“ ہے، اجماع کے بابے میں امام شافعیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ کا اجماع تنفیذ کی قوت رکھتا ہے نہ کہ کسی خطہ یا علاقے کے علماء کا اجماع، اسلامی قانون کا چوتھا اور آخری اصول ”قیاس“ ہے، جو دراصل اجتہاد کی ایک خاص شکل ہے، کہ قرآن و سنت اور اجماع کے مسئلہ اصولوں کی روشنی میں پیش آمد مسئلہ میں استنباط کیا جائے، بالفاظ دیگر اجتہاد کا طریقہ اور قانونی استدلال احکام وحی کے تابع ہے، لیکن ساتھ ہی امام شافعیؒ نے قیاس کے اصولوں کے ذریعہ الہامی احکام اور انسانی فکر کے درمیان رشتہ قائم کر کے ایک مربوط قانونی نظام پیش کرنے کی جو سعی کی ہے تاریخ فقہ میں رہتی دنیا تک یادگار رہے گی، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج اسلامی علوم کو چند خانوں میں مقید کر دیا گیا ہے، ہمارے مدارس

عرب میں صرف حنفی (یا شیعہ) فقہ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، نتیجہ کے طور پر ہمارے فارغ التحصیل طلبہ (اور مدرسین) حنفی (یا شیعہ) فقہ کے ایک مختصر سے جزو کو پڑھ پڑھا کر خود کو اسلامی فقہ کا ماہر اور عالم سمجھ بیٹھتے ہیں، جب کہ ماہر اور عالم کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مطالعہ اس موضوع سے متعلق جملہ قدیم و جدید مکاتیب فکر اور نقطہ ہائے نظر پر حاوی ہو۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے علماء محض روزہ ترہ پیش آنے والے مسائل میں سطحی اور غیر تحقیقی مطالعہ کی بنیاد پر سرسری انداز میں حنفی نقطہ نظر کے سوائے دیگر فقہی مکاتیب کے اصول و قواعد اور تفصیلات سے یکسر بیگانہ اور نا آشنا ہیں، اس طرز فکر میں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے، اسلامی موضوع پر کوئی علمی کارنامہ کسی بھی فرقے یا مکتب فکر کی داعی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہو، ہماری مشترکہ میراث ہے، اور یہی اس سے پورا استفادہ کرنا چاہئے، تعصب اور تنگ نظری سے علم کا پورا نا بھر ہے، جو حقیقی عالم ہو گا وہ متعصب اور تنگ نظر نہیں ہو سکتا،

امام شافعیؒ کی کتاب الرسالہ فی اصول الفقہ والحدیث ایک شیش بہا علمی خزانہ ہے، جو ادارہ تحقیقات اسلامی کی نیک پر خلوس مساعی سے پہلی بار اردو زبان میں منتقل ہو کر منظر عام پر آیا ہے، اس کے بغیر فقہ کی کوئی لا تبریری مکمل نہیں کہی جاسکتی، ادارہ تحقیقات اسلامی کے رکن جناب مولانا مفتی امجد علی صاحب سابق استاد الحدیث مدرسہ مطہر العلوم رامپور (یوپی) نے اس کتاب کا ترجمہ بڑی محنت اور جاں سوزی کے ساتھ کیا ہے، ترجمہ میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے کہ جو ترتیب بیان عربی متن میں ہے وہ بجنسہ قائم رہے، یہ ترجمہ پاکستان میں کئے جانے والے فقہی کتب کے اُن عام تراجم سے مختلف ہو جن میں صرف عربی عبارت کے مفہوم کو ذہن میں رکھ کر اردو میں منتقل کر دیا گیا ہو، مفتی صاحب نے کوشش کی ہے کہ اصل عبارت کا حسن بیان اور طرزِ ادا بھی باقی رہے، اگرچہ کہیں کہیں مطلب واضح نہ ہو سکے کے سبب وہ اس طریقہ سے ہٹنے پر مجبور ہوئے ہیں لیکن اس سے اصل مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے، کتاب کی افادیت اس بات سے بڑھ گئی ہے کہ بعض مقامات پر مفتی صاحب نے توضیحی نوٹ بھی لکھے ہیں تاکہ عام قاری کو مطلب سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو،

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب پاکستان میں اصول فقہ اور فن حدیث سے دلچسپی رکھنے والے تمام اصحاب علم کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوگی، اور پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے لئے صحیح فکری قضا قائم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگی،

تنزیل الرحمن

حبیب سکواٹر کراچی

یوم نومبر ۱۹۶۷ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تَعْسِرْ وَتَقِیْمْ بِالْخَیْرِ

## مقدمہ

**مقصدِ تالیف** موجودہ دور میں علی لحاظ سے دو طبقے موجود ہیں، اولادہ جن کو علماء دین کہتے ہیں جن کی تعلیم کی غرض و غایت بالاستیعاب علوم و دینیہ کا حصول ہوتا ہے، اور وہ کتاب اللہ و سنت رسول اور اس کے متعلقہ علوم و فنون ہی کے حصول میں اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کر کے علوم دینیہ کی تکمیل کر لیتے ہیں، اس بناء پر ان حضرات کو دین سے متعلق ہر علم و فن پر بصیرت حاصل ہو جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں اُس اُلجھاؤ سے جو دینی سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے اپنی حفاظت بذاتِ خود کر لیتے ہیں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی اس دینی بصیرت کی بناء پر اس کے جواز یا عدم جواز، کراہت یا اباحت کا فیصلہ اُن کے لئے آسان ہوتا ہے، پھر جو نئے واقعات و حوادث پیش آتے ہیں اسی بصیرت کی بناء پر ان واقعات پر کسی حکم کا ترتیب ان حضرات کے لئے کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوتا، کیونکہ کتاب اللہ و سنت رسول کے حصول کے ساتھ ساتھ جب اُن دونوں سے متعلقہ تمام علوم کی اسی زبان میں جن میں کہ کتاب اللہ نازل ہوئی اور سنت نے اس کی تشریح کی حصول کی تکمیل کی جاتی ہے تو انسان میں دینی سلسلہ کے متعلق ایک مخصوص قسم کی پختگی، اور اس پختگی کے ساتھ دینی اُنس اور ان دونوں کے نتیجہ میں دینی ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جو ان کو اس پر مجبور کرتا ہے، کہ کسی موقع پر بھی دینی نظریات کی حمایت اور نصرت سے غلطگی یا کوتاہی گوارہ نہیں کر سکتے، اور ہر معاملہ کو اسی روشنی میں دیکھنا گوارہ کر سکتے ہیں جو ان کو علوم مذکورہ کی تحصیل کے ذریعہ حاصل ہو چکی ہے، ان کے مقابلہ میں دوسرا وہ طبقہ ہے جو تعلیم و تعلم کے لحاظ سے تعلیم یافتہ تو ہوتا ہے لیکن اس پر عالم کے لفظ کا اطلاق نہیں کیا جاتا، اس لئے کہ اس کی تعلیم کا سرمایہ ایسے علوم و فنون ہوتے ہیں جن کا تعلق دین سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ دنیاوی معاش

کے جہاں اور ذرائع ہیں یہ فنون اور ان کا حصول بھی ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ فرق بھی ہوتا ہے کہ معاش کے دیگر ذرائع (مثلاً بڑھی کا پیشہ، زر و وزی، معاشی) کے حصول سے دینی معلومات کے حصول کی طرف کوئی رغبت پیدا نہیں ہوتی، اور دنیوی علوم و فنون کے حصول کے بعد جہاں معاش کا ایک ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہاں دین کی معلومات کے حصول کی فی الجملہ رغبت ہی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے، اور قدرتی طور پر انسان میں دینی معلومات حاصل کرنے کا جذبہ کبھی خف اور کبھی شدت کے ساتھ پسیدہ ہونا شروع ہو جاتا ہے، چونکہ ان علوم و فنون کے حصول کی تکمیل کے بعد عمر کا زیادہ حصہ صرف ہو جاتا ہے، جس کے بعد انسان کو حصول معاش کی طرف خاص طور پر بلکہ فوری طور پر متوجہ ہونا پڑتا ہے، اس لئے پھر اس کے پاس اتنا وقت نہیں نکل سکتا، کہ وہ علوم دینیہ کو اس طرز پر حاصل کر سکے جس طرز پر کہ طالبانِ علوم دین نے حاصل کیا تھا، اور اس کے حصول کے بعد دینی معلومات پر اس کو اس طرح بصیرت حاصل ہو جس طرح اُن کو حاصل ہوئی، لیکن بحیثیت ایک مسلمان کے ان علوم و فنون کی تحصیل کے لئے اس کا ضمیر مسلسل اس کو معلومات حاصل کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے، پھر بعض اوقات وہ ایسے ماحول میں پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اُنی جدید فنون کے ساتھ ہی اس کو دینی بصیرت حاصل کرنا لازمی قرار پا جاتا ہے، اب اُن کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ باقی نہیں رہتا کہ وہ دینی معلومات کو اُن کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کرے جو اس کی اپنی زبان میں ہیں، یا عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان کی کتب کے مطالعہ سے اور تھوڑے وقت میں بھی، تاکہ اس کی معاشی مصروفیات (بغیر خود حقیقی مصروفیات) میں ان معلومات کا حصول رکاوٹ نہ بنے، اس نظریے کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا گیا کہ ایک ایسی تالیف اس ثانوی طبقہ کے لئے ہو جو کسی حد تک اس نقصان کو پورا کرے، اس مختصر گزارش کے بعد ہم یہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ اصلی مضمون کو شروع کرنے سے قبل بطور تمہید ابتدائیہ پیش کر دیا جائے،

## ابتدائیہ

شریعتِ اسلامیہ ہم کو خاتم المرسلین سیدنا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچ جس کی بنیاد قرآن کریم ہے، قرآن کریم کی وضاحت قرآن و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اور آپ کے اس قول و فعل کا نام سنت رسول قرار پایا، شریعتِ اسلامیہ کی کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

بنیاد کتاب و سنت رسول دونوں ہیں، دین کے احکام ان دونوں سے ماخوذ ہیں، اور مجتہدین نے احکام کے استنباط و استخراج میں ان ہی دونوں کی طرف رجوع کیا، اور اس استنباط و استخراج کا سلسلہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کرام کی ذات ہی سے شروع ہو گیا تھا، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر فرما کر روانہ فرمایا ہے تو آپ نے اس موقع پر ان سے ارشاد فرمایا:

یا معاذ بما تقضی؟ قال  
بکتاب اللہ، قال  
فان لم تجد، قال  
فبسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال فان لم تجد؟ قال  
اجتهد بجرائی،

یعنی معاذ تم کس طرح لوگوں کے مقدمات و معاملات میں فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ کے ذریعہ فرمایا اگر تم کو کتاب اللہ میں نہ ملا، اس کا حکم نہ پاسکے؟ عرض کیا تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، فرمایا اگر تم کو وہاں بھی نہ ملا تو پھر عرض کیا کہ پھر اپنی رائے سے استخراج (اجتہاد) کر دوں گا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کی تصویب فرماتے ہوئے ان کے سینہ پر دست مبارک مارتے ہوئے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے رسول کے قاصد کو اس کی ہدایت فرمائی،

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ احکامات شریعت اسلامیہ کی بنیاد دو چیزیں ہیں، اول کتاب اللہ، دوم سنت رسول اللہ، دوسری یہ بات کہ تیسرا درجہ اجتہاد کا کہ جس کے لوازمات سے استنباط و استخراج ہیں،

اسی طرح حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعرنیؓ کو عہدہ قضا سپرد فرمایا تو منسرمایا جو معاملہ تمھارے سینہ میں خلش پیدا کرے اس کو خوب سمجھنے کی کوشش کرنا، خوب سمجھنا جب کہ وہ تم کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ملے تو اس معاملہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے اس کے مشابہ معاملات اور نظائر پر نظر ڈالنا، پھر اس کے بعد قیاس کرنا اور یہ خیال بھی رکھنا کہ جو خدا کی منشاء کے قریب تر اور حق سے زیادہ مشابہ ہو اس کو اپنے ارادے میں شامل کرنا (بیہقی جلد ۱، ص ۱۱۰)۔

لیکن صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات کسی حادثہ میں اجتہاد کی ضرورت بہت کم پیش آتی، کیونکہ حضور اکرم کا وجود اور نزول وحی کے سلسلہ کے جاری رہنے



کی بنا پر ہر واقعہ کا حل صحابہ حضور انورؐ سے فرمایا کرتے، زیادہ ضرورت اجتہاد کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آئی، اور جتنا جتنا اسلام آفاق میں پھیلتا چلا گیا، عجمی اقوام اسلام میں داخل ہونے لگیں اتنا ہی نئے نئے واقعات ظہور میں آنے لگے، خلیفہ اول کے عہد کی بہ نسبت خلیفہ ثانی کے ابتداء عہد میں زیادہ، پھر اس کے بعد عہد وسطیٰ اور آخر زمانہ خلافت میں اتنی کثرت سے مسائل مجتہد فیہ خود حضرت عمرؓ کے اور دیگر صحابہؓ کے درمیان وجود میں آئے جو ابجد کے متعدد قرون کے لئے مشعل راہ ہو گئے، بلکہ میرے نزدیک یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اب تک ہمارے لئے راہ سنائی کا ذریعہ ثابت ہو رہے ہیں،

چونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، اور اس کی تشریح بھی سنت نے اسی زبان میں کی، اور صحابہ رسولؐ میں جو حضرات مفتی تھے وہ سب اہل زبان تھے، اپنی زبان کے الفاظ کے معانی اور ان کے خواص کے بہت زیادہ جاننے والے تھے، ان کی زبان کے نظم و نسق اور سہولت کو سمجھنا ان کے حصہ میں تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی صحبت اور احکام شریعت کے اسباب کا اس ذریعہ سے علم ان حضرات کے لئے مہر شریعت کی معرفت کا سبب تھا، اس کے ساتھ ہی صفائی خاطر اور جدت ذہن قدرت کی طرف سے اُن کو مرحمت فرمائی گئی جس کی بنا پر وہ استنباط احکام کے لئے کسی قسم کے اصول و قواعد کے محتاج نہ تھے، ان میں استنباط احکام کے لئے ایک ایسی قوتِ راسخہ (ملکہ) پیدا ہو گیا تھا کہ جب بھی کوئی نیا واقعہ پیش آتا بغیر کسی تکلف کے کتاب اللہ، اس کے بعد سنت صحیحہ سے اس کے احکام کا استخراج فرمایا کرتے تھے، یہی صورت صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کی بھی رہی کہ مسائل اجتہادیہ کے لئے اُس وقت تک کسی قسم کے اصول منضبط و مدقون نہ ہوئے تھے حتیٰ کہ ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد و امام مالک رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے استنباطی مسائل کی بھی وہی شان تھی، یہاں تک کہ اُمتِ عربیہ کے ساتھ دیگر اقوام کا اختلاط شروع ہوا، اور ان کے اختلاط سے مختلف فرقوں کی بنیاد پڑنا شروع ہوئی، البتہ اس دور میں جن علوم کی تدوین ہوئی تھی وہ احادیث و آثار صحابہ یا فقہی مسائل تھے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک ایسے چند فرقوں کا جو دیگر تمام فرقوں کی اساس کہلاتے ہیں بڑا زور تھا:-

۱، مشیعہ، جو اسلام کے قدیم فرقوں میں سے ایک ہے، پھر یہ فرقہ بھی کسی ایک درجہ پر نہ رہا تھا، ایک فرقہ ان کا اعتدال پر تھا دوسرا غالی تھا، اور ان دونوں سے اور بہت سے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

فرقے بنتے چلے گئے تھے،

۲، خوارج، ان کے بھی کئی فرقے ہو گئے تھے جو عقائد میں باہم ایک دوسرے سے مختلف تھے، مثلاً ازرقہ، نجدات، مقریہ، عجارہ، اباضیہ، یزیدیہ، میمونہ،

۳، معتزلہ، اس فرقہ سے اختلاف عقائد کی بنا پر علم کلام کی بنیاد رکھی گئی، چنانچہ امام شافعیؒ کے دور تک تمام اختلافات رونما ہو کر اپنی انتہا کو پہنچ چکے تھے، اور علوم کی تدوین کے سلسلہ میں احادیث و آثار فقہ علم کلام معراج کمال پر تھے، اور ہر گروہ اپنے اپنے عقائد اور اعمال پر قرآن و سنت سے استدلال کر رہا تھا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور کا پورے طور پر مطالعہ کیا، اور اس شر و فساد سے تاثر کے نتیجہ میں حفاظت دین کے لئے کیا خدمت اور کس طرح خدمت انجام دی، اس کے لئے ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ محدثین اور ائیں الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر مگر جامع تذکرہ پیش کر دیں، جس کے ذیل میں اس تالیف کا مقصد بھی وضاحت کے ساتھ سامنے آجائے :

## امام شافعیؒ کی ولادت

اکثر راویوں کا یہ قول ہے کہ امام شافعیؒ ملک شام قصبہ غزہ میں پیدا ہوئے، فقہاء و مؤرخین کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ایسی روایت بھی موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ولادت عسقلان میں ہوئی، اس روایت کو بھی راویوں نے اپنایا ہے، عسقلان، غزہ سے تقریباً نو میل کے فاصلہ پر ہے،

مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، اور یہ وہی سنہ ہے جس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی، اور بعض نے کہا ہے کہ عین اُس دن پیدا ہوئے جس دن امام ابو حنیفہؒ نے وفات پائی،

عشاء کی نماز کے وقت جمعہ کی شب میں آپ کا انتقال ہوا، اور جمعہ کے دن عصر کے بعد آپ کو دفن کیا گیا، یہ رجب کا آخری دن تھا، ۱۵۰ھ تک تھا، اس وقت آپ کی عمر ۵۴ سال تھی، ربيع کہتے ہیں کہ جب ہم آپ کے جنازے سے فارغ ہو کر واپس ہوئے ہیں تو ہم نے شعبان کا چاند دیکھا، مقبرہ قرشین میں جس کا نام مقطم تھا بنی عبد الحمکم کی قبروں کے

سلسلہ میں آپ کو دفن کیا گیا، ربیع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت شافعیؒ کے انتقال سے قبل ایک خواب دیکھا، کہ حضرت آدمؑ کا انتقال ہو گیا ہے، اور لوگ اُن کے جنازہ کو باہر لے جانے کا ارادہ کر رہے ہیں یہ خواب میں نے بعض اہل علم سے بیان کیا، انھوں نے تعبیر میں کہا کہ اس وقت زمین میں جو سب سے بڑا عالم ہے اس کا انتقال ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تمام امور کا علم عطا فرمایا تھا، چنانچہ چند دن ہی گزرے تھے کہ امام شافعیؒ کا انتقال ہو گیا، (مناقب للرازی، ص ۸۰)

کہتے ہیں کہ امام دراز قد، خوب صورت جسم والے تھے، آپ کو دیکھ کر لوگ آپ کا حلیہ محبت کرنے لگتے، لباس صاف ستھرا استعمال فرماتے، لوگوں کی نظر میں آپ کی ہنیت قائم ہوتی، خلق خدا کے ساتھ بہت احسان کرنے والے تھے، سُرخ رنگ کا خضاب سنت ہونے کی وجہ سے استعمال فرمایا کرتے تھے، حضرت حرملہؒ کا بیان ہے:

”شافعیؒ جب اپنی زبان باہر نکالتے تو وہ اُن کی ناک تک بآسانی پہنچ جاتی جن کے معنی یہ ہیں کہ گفتگو پر بہت قدرت رکھتے تھے۔“

امام شافعی رحمہ اللہ سے خود مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں غزوہ میں پیدا ہوا، اور جب دو سال کا تھا اُس وقت مجھ کو مکہ منتقل کر دیا گیا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں یمن میں پیدا ہوا، میری والدہ کو میرے ضائع ہو جانے کا خوف پیدا ہوا، سرمانے لگیں تم اپنے خاندان والوں کے پاس چلے جاؤ، اور ان کی طرح بننے کی کوشش کر دو، مجھے یہ خوف ہے کہ تمھارا نسب مخلوط نہ ہو جائے، چنانچہ انھوں نے میرے سفر کا انتظام فرمادیا، اور میں نے وہاں اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں قیام کیا، اور پھر طلب علم میں مشغول ہو گیا، مجھے میرے اعزاز نے کہا کہ تم اس کام میں مشغول نہ ہو، بلکہ ایسا کام شروع کر دو جو تمھارے فائدہ کا ذریعہ ہو سکے، لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے لئے علم کے حصول میں لذت پیدا فرمادی تھی، میرا پورا رجحان دُوحیہ سزوں کی طرف تھا، تیر اندازی اور حصول علم، تیر اندازی میں میں نے ایسی مہارت حاصل کر لی تھی کہ اگر دشمن تیر نشانہ پر مارتا تو سب صحیح نشانہ پر لگتے (ایک بھی خطا نہ کرتا)، اس کے بعد امام نے اپنے علم کے متعلق کچھ کہنے سے خاموشی اختیار کی، اس واقعہ کے بیان کرنے سے بعد جو حاضرین تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ خدا کی قسم! علم میں تو آپ اپنی تیر اندازی سے بھی زیادہ بڑھے ہوئے ہیں!

لہ مناقب الشافعی للرازی،



منقول ہے کہ امام شافعیؒ اپنی ابتدائی زندگی میں بالکل تنگ دست تھے، یہاں تک کہ جب آپ کو مکتب کے سپرد کیا گیا ہے تو اتنا بھی نہ تھا کہ معلم کو آپ کی طرف سے کچھ معاوضہ دیا جاسکتا، اس وجہ سے معلم کو بھی آپ کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی، لیکن جب یہ معلم کسی بچے کو سبق پڑھاتا تو امام صاحب اس کو محفوظ کر لیا کرتے، اور پھر جب معلم اپنے مقام سے کہیں چلا جاتا تو اس کی غیبت میں مکتب کے دوسرے بچوں کو وہ تمام سبق یاد کرا دیا کرتے، جب معلم نے یہ دیکھا کہ امام شافعیؒ کی یہ خدمت ہے تو اس نے اجرت لینے کا خیال ہی ترک کر دیا،

چنانچہ پورا قرآن آپ نے سات سال کی عمر میں ختم کر لیا، اور اس عرصہ میں مالی حالت بدستور وہی رہی، شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے قرآن ختم کر لیا تو اس کے بعد میں مسجد میں جانے لگا، اور علماء کی صحبت اختیار کر لی، حدیث اور مسائل کا حفظ کرنا میرا کام ہو گیا، مکہ میں ہمارا مکان شعب حنیف میں تھا، میں اتنا محتاج تھا کہ (لکھنے کے لئے) کاغذ خریدنے کے پیسے بھی نہ تھے، جانوروں کے پٹھے چن کر لایا کرتا اور ان پر لکھا کرتا، اور (کبھی) دفاتر میں جا کر ردی (ایک سوخ سادہ) کاغذ اٹک لاتا اور اس پر لکھا کرتا،

ربیع ابن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا ابتداءً تحصیل علم آپ نے مسلم بن خالد زنجانی سے کی، پھر اس تحصیل کے درمیان میں آپ کو اطلاع ملی کہ مالک بن انسؒ اس وقت میں مسلمانوں کے امام ہیں، (فرمایا) کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں، لہذا میں نے مکہ کے ایک شخص سے موٹا (مالکؒ) عاریۃً حاصل کیا اور پورا حفظ کر ڈالا، اس کے بعد میں حاکم مکہ کے پاس پہنچا، اور ان سے دالی مدینہ اور امام مالک کے نام ایک تحریر حاصل کی، پھر مدینہ مکہ پہنچ گیا، وہ تحریر میں نے حاکم مدینہ کو پیش کی، انھوں نے منہ مایا کہ اے نوجوان! اگر تم مجھے یہ تکلیف دیتے کہ میں وسط مکہ سے وسط مدینہ برہنہ پاسفر کروں تو یہ میرے لئے امام مالک کے دروازے پر جانے سے زیادہ آسان ہوتا، میں نے کہا کہ امیر! ان کے پاس حاضر ہونے کی ہمت تو کریں، کہنے لگے، افسوس! کاش ہم ان کے دروازے پر پہنچیں، اور وہ ہمارے لئے کھول دیا جائے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الغرض ہم سوار ہو کر ان کے ہمراہ امام مالکؒ کے مکان پر پہنچے، ایک شخص آگے بڑھا، اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، جس کے بعد ایک سیاہ رنگ دالی باندی دروازے سے آئی، اس باندی سے حاکم مدینہ نے کہا کہ اپنے آقا کو اطلاع دو کہ میں دروازے پر حاضر ہوں، سو وہ باندی اندر چلی گئی، اور بہت

دیر کے بعد پھر واپس آ کر کہنے لگی کہ میرے آقا فرماتے ہیں اگر کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہے تو اسے لکھ کر روانہ کر دو، تاکہ اس کا جواب دیدیا جائے، اور اگر کسی دوسری وجہ سے آنا ہوا ہے تو اس کے لئے تم کو میری نشست کا دن معلوم ہے، واپس جاؤ اور اس دن آنا، حاکم نے کہا کہ تو عرض کرنا کہ حاکم مجھ کی ایک تحریر میرے پاس ہے جو بہت ضروری ہے، باندی پھر چلی گئی، اس کے بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کرسی تھی، جو اس نے بچھا دی، اتنے میں مالک رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے، دراز قد، پر ہیبت شخصیت تھی، اس وقت چادر اوڑھے ہوئے تھے، والی مدینہ نے وہ خط ان کی خدمت میں پیش کیا، جب امام مالک اس موقع پر پہنچے کہ محمد بن ادریس ایک شریف آدمی ہے اور اس کے یہ یہ حالات و کیفیات ہیں تو امام نے وہ تحریر اپنے ہاتھ سے پھینک دی فرمایا، سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اب اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ اس کے حصول میں سفارش کی ضرورت پیش آنے لگی، شافعیؒ فرماتے ہیں میں آگے بڑھا، اور عرض کیا خدا آپ کو بہتری عطا فرمائے میں مطلبی شخص ہوں، اور میرے حالات ایسے ہیں جب انھوں نے میری گفتگو سنی تو نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا، فرمایا تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا: محمد، فرمایا اے محمد! خدا سے ڈرنا اور معاصی سے اجتناب کرنا، یہ امر تمہاری شان پر شان بڑھادے گا، میں نے کہا بہت بہتر، مجھے آپ کے فرمانے کی عظمت ہے، فرمایا، تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک نور ڈالا ہے، اس کو معصیت سے زائل نہ کرنا، پھر فرمایا، جب کل ہو تو تم ایسے شخص کے ساتھ آؤ جو تمہارے لئے موطا پڑھ سکتا ہو، میں نے عرض کیا، وہ تو میں خود حفظ پڑھ لیتا ہوں، چنانچہ دوسرے دن میں حاضر ہوا، اور موطا کی قرأت سے ابتداء کی، (پڑھتے پڑھتے) قرأت بند کرنے کا ارادہ کیا، یہ خیال کر کے کہ آپ کو تنگی قلب نہ لاحق ہو، لیکن امام کو میرے پڑھنے کی خوبی نے تعجب میں ڈال دیا تھا، فرمایا، اور پڑھو، الغرض تھوڑی ہی عرصہ میں میں نے موطا ختم کر لیا، پھر میں نے مدینہ ہی میں اقامت اختیار کر لی، حتیٰ کہ امام مالک کا انتقال ہو گیا،

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا ہے، میں بڑی تنگ دستی کی حالت میں تھا، اتفاق ایسا ہوا کہ امیرِ مین مدینہ میں آئے، بعض مشرخی حضرات نے میرے متعلق امیرِ مین سے گفتگو کی کہ وہ مجھ کو اپنی صحبت میں لے لے، چنانچہ میں ان کے ہمراہ چلا گیا، انھوں نے مجھ کو بہت سے کام سپرد کئے، جن کی انجام دہی میں میری بڑی

تعریف ہوئی، اور لوگوں نے بھی میری شناخت کی، لیکن اس کے بعد حاسدوں نے اپنے حسد کے جذبات کا مظاہرہ کیا، اور ہارون رشید کے پاس اطلاع روانہ کی، یمن میں اس کے قادیان میں سے ایک شخص موجود تھا، اس نے رشید کو لکھا، اس تحریر میں اس نے طلوی خاندان سے رشید کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی، تحریر میں لکھا تھا کہ ان لوگوں میں ایک شخص ہے جس کو محمد ابن اور لیں الشافعی کہتے ہیں، وہ اپنی زبان میں اتنا تیر ہے کہ تلوار سے بھی اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا، اگر آپ حجاز کو اپنے تصرف میں رکھنا چاہتے ہیں تو ان لوگوں کو اپنے پاس بلوالیں، چنانچہ رشید نے یمن میں اپنے آدمی روانہ کئے، اور ان لوگوں کے ہمراہ مجھے بھی عسراق لایا گیا،

منقول ہے کہ امام شافعیؒ سلمہ میں عراق پہنچے، اور دو سال قیام کیا، اور اپنی ایک کتاب جس کا نام النجۃ رکھا اس اقامت میں تصنیف کی، پھر دوسری دفعہ بغداد میں (۱۹۷ھ) دوبارہ تشریف لائے، اس مرتبہ صرف ایک ماہ قیام کیا، اور پھر یہاں سے مقررہ جاکر مستقل قیام فرمایا، مصر ہی میں آپ نے اپنی دوسری کتاب تصنیف کی، راویوں کا بیان ہے کہ امام شافعیؒ کے ہمراہ جو شخص لائے گئے تھے ان کو رشید نے قتل کر دیا، اور شافعیؒ اپنی حجت اور محمد ابن حسنؒ کی شہادت کی بنا پر چھوٹ گئے، آپ نے جو حجت پیش کی اس کی یہ صورت ہوئی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر خلافت سے بغاوت کا الزام تھا، اس سلسلہ میں آپ نے رشید کو مخاطب کیا، یا امیر المؤمنین! آپ ایسے دو شخصوں کے متعلق کیا فرماتے ہیں! ایک وہ شخص جو مجھ کو اپنا بھائی خیال کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جو مجھ کو اپنا غلام خیال کرتا ہے، میں ان دونوں میں سے کس کو پسند کروں گا! رشید نے کہا اس شخص کو جو تم کو اپنا بھائی خیال کرتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بس وہی شخص آپ ہیں، کیونکہ آپ عباسؒ کی اولاد میں سے ہیں، اور وہ علیؓ کی اولاد ہیں، ہم بنو عبد مطلب ہیں تو آپ بنو عباسؒ ہم کو بھائی خیال کرتے ہیں اور وہ ہم کو غلام تصور کرتے ہیں،

اور محمد ابن حسنؒ کی شہادت کی یہ صورت پیش آئی کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے رشید کے سامنے پہنچ کر جب محمد ابن حسنؒ کی بیانی کو دیکھا تو آپ کو ان سے کچھ انس محسوس ہوا، اس لئے کہ علم بھی علماء کے درمیان ایک نسب رشتہ داری کا اثر رکھتا ہے، خلاصہ یہ کہ واقعہ بیان کرتے

ہوئے فرمایا "قاضی محمد بن حسن بھی ان امور کو جانتے ہیں، رشید نے امام محمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا، امام محمدؒ نے فرمایا: ہاں ان کو علم دین کا پورا حصہ حاصل ہے، اور جو بات امام شافعیؒ کے متعلق پہنچائی گئی ہے وہ درست نہیں ہے، نہ ان کی شان کے مناسب ہو، رشید نے کہا کہ اچھا تو تم ان کو اپنے پاس اس وقت تک رکھو کہ میں ان کے معاملہ میں غور کروں رات شافعی لاہور ہرہ، ص ۷۲ مصری

اور غالباً وہ مصیبت جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر واقع ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے شافعی رحمہ اللہ کے حصولِ علم کا ذریعہ بنا دیا تاکہ وہ علم کی طرف پوری توجہ سے کام لے سکیں، یہ نہیں ہو پایا کہ وہ ولایت یا سلطانی کی طرف کچھ بھی متوجہ ہوں، جس کی یہ صورت پیدا ہو گئی کہ آپ نے حضرت محمد ابن حسن رحمہ اللہ کے یہاں قیام کیا، امام شافعیؒ پہلے سے ہی امام محمد رحمہ اللہ کی فقہ اور ان کے نام سے واقف ہو چکے تھے، اور یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ وہ اہل عراق کی فقہ کے حامل ہیں اور اس کے ناشر ہیں، ہو سکتا ہے کہ اس سے قبل بھی ملاقات ہو چکی ہو، شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اہل عراق کو حاصل کرنا شروع کر دیا، چنانچہ امام محمدؒ کی تمام کتابیں پڑھیں، اور ان سے حاصل کیں، اس طریقہ سے امام شافعی کو فقہ اہل عراق و اہل حجاز دونوں پر عبور حاصل ہو گیا، وہ فقہ بھی حاصل ہو گئی جو عقل پر مبنی تھی، اور وہ فقہ بھی جو نقل پر مبنی تھی، اسی بنا پر ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: مدینہ کی ریاست فقہ امام مالک ابن انسؒ پر ختم تھی، اور شافعی رحمہ اللہ نے وہاں کا سفراختیار کیا، مالکؒ سے اس کو حاصل کیا، اُن کو پکڑے رہے، اور فقہ عراقی کی ریاست ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر ختم تھی، اس کو شافعیؒ نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مصاحب حضرت محمد ابن الحسنؒ سے پورے طور پر حاصل کیا، اس فقہ میں جو بھی تھا وہ سب امام محمدؒ سے بلا واسطہ سنا، لہذا شافعیؒ میں علم اہل الراسے و علم اہل الحدیث دونوں جمع ہو گئے،

امام شافعیؒ نے محمد ابن الحسن سے ان کا علم اور ان کی کتب دونوں حاصل کیں، آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے محمد ابن حسنؒ سے ایک اونٹ کے بوجھ کی برابر علم حاصل کیا، اور یہ سب میں ان سے بذات خود سنا،

امام محمدؒ، شافعی رحمہ اللہ کی بڑی عظمت کیا کرتے تھے، امام شافعیؒ ان کو اپنا استاذ خیال فرماتے، اور ان کے علم اور وقار کی بڑی تعریف فرماتے، حتیٰ کہ آپ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: "میں نے کسی شخص کو بھی نہیں دیکھا کہ اس سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا ہو اور اس سوال سے اس کے چہرے پر کراہت کے آثار نہ پیدا ہوئے ہوں سوائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے"

شافعیؒ نے امام محمدؒ سے حدیث کی روایت بھی کی ہے، اور رائے حاصل کرنے میں بھی کوتاہی نہ کی، لہذا کتاب اللامین منقول ہے کہ: ”ہم کو محمد ابن الحسن نے خبر دی ان کو یعقوب بن ابراہیم سے پہنچی اور ان کو عبد اللہ بن دینار سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منسرایا دلا کا تعلق بالکل نسبی رشتہ کی طرح ہے نہ اس کی بیع ہو سکتی ہے نہ یہ ہبہ کیا جاسکتا ہے“ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی امام شافعیؒ کی اتنی ہی منزلت فرماتے جس کے وہ اہل تھے، یہاں تک کہ ان کے مرتبہ کو بادشاہ کے مرتبہ سے بھی زیادہ خیال کرتے،

روایت ہے کہ ایک روز محمد بن حسنؒ سوار ہو کر اجلاس کو جا رہے تھے کہ راستہ میں امام شافعیؒ کو آتا دیکھ کر فوراً ہی سواری سے اتر آئے، اور غلام سے کہا تم جاؤ، اور امام شافعیؒ سے معذرت کی، انھوں نے کہا کہ اس وقت کے علاوہ ہماری ملاقات کا دوسرا وقت ہو سکتا ہے فرمایا نہیں، پھر دونوں حضرات امام محمدؒ کے مکان میں ساتھ ساتھ داخل ہوئے، امام شافعیؒ امام محمدؒ کے حلقہ میں التزام کے ساتھ شریک ہوتے رہے، لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو امام مالکؒ کے اصحاب میں شامل کرتے تھے،

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں طریقوں سے تقریب کی کوشش کی، کیونکہ **ما حاصل** آپ نے دونوں فریق سے درس و تدریس، مذاکرہ، جدل و مناظرہ اجتماعی طور پر جاری رکھا، ان ہر دو فریق میں اکثر حصہ علماء کا ایسا تھا کہ جن کا مقصد شریعت کو روشن ہی کرنا تھا ہی غرض تھی کہ کسی طرح دینی وقار پیدا ہوتا چلا جائے، اس لئے کہ اب جبکہ ان کے عہد میں علوم کی تدوین ہو چکی تھی، تو ہر فریق ایک دوسرے کے علوم کو حاصل کر رہا تھا، اور حوادث کے کثیر و غیر مستناہی ہونے کی بنا پر اہل حدیث اس امر پر مجبور ہو گئے تھے کہ اب وہ رائے سے بھی کام لینا شروع کریں، اور صحیح حدیثوں کو جمع کریں، جو غیر صحیح ہیں وہ صحیح سے ممتاز ہو جائیں، اور اس کے ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری تھی کہ اس تمیز کے لئے طریقہ کار بھی ہسل ہو، جو کہ اس امر کو سہولت سے پہچاننے میں مدد دے۔ اور اہل رائے نے یہ کوشش شروع کی کہ صحابہ اور دیگر اہل علم سے جو کچھ مردی ہے اس پر زائد سے زائد اطلاع حاصل ہو، اور مختلف شہروں میں جو آثار و حدیث کے نقل کرنے والے ہیں ان سے ملاقات کی جائے، چنانچہ انھوں نے اہل حدیث سے ایک بڑا حصہ احادیث کا حاصل کیا،

ابو یوسفؒ، جو کہ اصحاب ابو حنیفہ اور ان کے فقہاء میں سے ہیں، آثار کے درس اور ان



کے حفظ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، اور جن مسائل کا تعلق محض رائے پر تھا ان کے حق میں استثنا کا طریقہ اختیار کیا، لہذا جب کہیں کوئی ایسا مسئلہ پاتے جو محض رائے پر مبنی ہوتا اور سنت کے مخالف ہوتا تو ایسی رائے کی طرف رجوع فرماتے کہ جو حدیث سے متفق ہو، ان کے متعلق ابن جریر طبری نے فرمایا ہے کہ :

”وہ حفظ حدیث کے عارفان میں سے تھے، محدث کی خدمت میں حاضر ہو کر پچاس ساٹھ تک حدیثیں حفظ کر لیا کرتے، اس کے بعد لوگوں پر اس کا املار کر دیا کرتے، اور امام محمد (خاص) طور پر حصول حدیث میں مشغول ہو گئے تھے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے احادیث حاصل کیں، اس کے بعد تین سال تک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاصل کرتے رہے۔“

اس طرح اہل عراق و اہل حجاز میں جو تفرقہ تھا جس کا دائرہ تنگ ہوتا پھلا جا رہا تھا باہم متقارب ہو گیا،

یہ تمام واقعات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شباب کے زمانہ میں پیش آتے رہے تھے، اب جبکہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ذاتی دور شروع ہوا، تو آپ کا مسلک ایک متوسط مسلک کی شکل سے وجود میں آیا، کیونکہ آپ نے فقہ اہل الرائے اور فقہ اہل حدیث دونوں کا مطالعہ کیا، دونوں کے اہل علم سے ملاقات کی، جس کے نتیجے میں نہ تو آپ نے یہ کیا کہ اہل حدیث کا یہ مسلک اختیار کر لیتے کہ جو صحیح حدیث ہی ہو اس کو قبول کر لیا جائے، اور جب تک اس حدیث کے جھوٹا ہونے پر دلیل قائم نہ ہو اس وقت تک اس کو حدیث کا درجہ دیا جائے اور نہ اہل رائے کی طرح آزادی رائے کو یہ درجہ دیا کہ وہ اس کو بے گناہ اور بغیر کسی بندش کے چھوڑ دیتے، بلکہ اس کے ضبط و قواعد کی طرف اپنی توجہ کو مبذول فرمایا، اس کے وسیع راستوں کو تنگ اور مشکل کو سہل بنایا، تاکہ ان میں خوشگوار سی پیدا ہو، جیسا کہ ہم آئندہ چل کر ان کی فقہ کے سلسلہ میں اس کا ذکر کریں گے، شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں ان کے متعلق کہا ہے کہ :

”اور شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ دونوں مذہبوں (ابو حنیفہ اور امام مالک) کے ظہور کی ابتداء میں پہلے بڑھے، جو کہ دونوں مذہبوں کے اصول و فروع کی ترتیب کا زمانہ تھا، اور سلفوں کے طریقہ کار پر نظر دوڑاتی، ان میں سے کچھ علماء کو آزادی رائے کا

حامل پایا، اور کچھ علماء کو نہایت پابند، لہذا امام نے انتہاء آزادی میں کچھ پابندی اختیار کی اور انتہائی پابندی میں کچھ آزادی، جو آج فقہ شافعی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، (الشافعی لابوزہرہ، ص ۷۷، ۷۸، ۷۹)

شافعیؒ کے زمانہ کا خلاصہ نقشہ ظاہر ہو رہا تھا، ایک طرف محدثین تھے جو اپنی کوششوں میں اس پر کمر بستہ تھے کہ جو روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان میں صحیح کو غیر صحیح سے علیحدہ کر دیں، اور اس کے لئے کچھ اصول و ضوابط ہوں، جن سے یہ پتہ چل سکے کہ کون راوی ثقہ ہے اور کون نہیں، کونسی وہ صحیح روایت ہے جو دین میں حجت ہو سکتی ہے اور کون نہیں، پھر جو روایات ان کے نزدیک صحیح ہوتیں، اور جن کی سچائی اُن کے پیمانے پر پوری آرتی اس کو اپنی مدقنات میں جگہ دیں،

یہ مختلف فرقے تھے جن میں سے ہر فرقہ حجت کی تلوار کھینچے ہوئے تھا، تاکہ اپنے طسریقہ کی طرف شوقیہ دعوت دے سکے، اور عقل درائے کے لئے راستہ آسان کر دے، ہر فرقہ کا ایک فقہی مذہب تھا کہ جس کی وہ نشر و اشاعت میں لگا ہوا تھا، اور جس کی راہنمائی کے لئے، مناظرے کر رہا تھا، اور اپنی اصولی جتوں کے لئے قرآن اور سنت کا سہارا لے رہا تھا، اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ان تمام منسوقوں سے اختلاط پیش آتا رہتا تھا، اور ایک ایک کر کے جتوں کو آپ جمع کرتے چلے جاتے، اور پھر ان فقہی جتوں سے جو لوگ کام لیتے ان سے مناقشہ کی صورت پیش آتی رہتی، اور ان کے مذہبی ادلہ میں بھی یہی صورت اختیار فرماتے، ان کے علماء سے جس کو درست پاتے اور اس پر حجت قوی دیکھتے قبول کر لیتے،

(چنانچہ اس ملاقات کے نتیجے میں، ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء حدیث نے رائے پر بھی عمل شروع کر دیا تھا، اور فقہاء رائے نے اپنے مسائل بالرائے کو حدیث کے مقابلہ میں لانا اپنی رائے کو صحیح حدیث کے ذریعہ جذب کرنے کا راستہ اختیار کر لیا تھا، تاکہ جو حدیث وہ پہلے نہ پاسکتے تھے اب حاصل ہو جانے کے بعد اپنی رائے کو اس کے موافق بنائیں، یا جو ایسے مسائل ہیں کہ حدیث کے بالکل مخالف ہیں اُن کو ترک کر دیں، (الشافعی لابوزہرہ، ص ۸۷، ۸۸)

شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں محمد ابن حسنؒ کی شاگردی کے لئے قیام کیا، اور اُن کے اصحاب سے بحیثیت فقیہ مالکی مناظرے کرتے رہے، اس کے بعد کتب فقہ عراقی کا کثیر ذخیرہ

لے کر مکہ واپس تشریف لے آئے، یہ ذخیرہ کتب اتنا تھا جو تقریباً ایک اونٹ پر لاداجا سکتا تھا، جیسا کہ ہم نے سابق میں ان کے قول سے نقل کیا ہے، اکثر راویوں نے بغداد میں ان کے قیام کی مدت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، لیکن اندازہ یہ ہے کہ آپ اتنی معقول مدت رہے کہ جوابی رائے کے علوم کے حصول اور مسائل استخراجیہ پر قابو پانے کے لئے کافی ہو سکتی تھی وہ غالباً دو سال کا عرصہ تو ضرور ہو گا،

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے واپس تشریف لا کر حرم مکہ میں اپنے درس کا سلسلہ جاری کر دیا، حج کے موسم میں آپ سے بڑے بڑے علماء کی ملاقات ہوئی، اور یہ حضرات آپ سے سماعت حاصل کرتے، اسی زمانے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ملاقات ہوئی، اس وقت امام شافعیؒ کی شخصیت نئی فقہ کے ساتھ ظاہر ہو چکی تھی، یہ فقہ نہ تو اہل مدینہ کی فقہ تھی، اور نہ ہی اہل عراق کی، بلکہ ان دونوں سے مخلوط ایک نئی چیز تھی، جو کہ ایک ہنایت ذہین و عقیل شخص کی اس عقل کا خلاصہ تھا جو کتاب و سنت اور لوگوں کے حالات و قیاس اور رائے سے پختہ ہو چکی تھی، یہی وجہ تھی کہ آپ سے جن علماء کی ملاقات ہوئی اس فقہ کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ حضرات صرف شافعیؒ ہی کو اس کا تہما موجد تصور کرتے تھے،

اس مرتبہ واپسی پر امام شافعیؒ نے مکہ میں ۹ سال تک قیام رکھا، جیسا کہ راویوں کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے، چونکہ شافعیؒ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ فقہ کے سلسلہ میں دو مختلف رائے ہیں اور ساتھ ہی مناظرے اور مجادلے بھی کئے تھے، یہ بھی جان لیا تھا کہ رائیں باہم ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہیں، اور نظریے بھی مختلف ہیں، ہر مشرب ایک دوسرے سے جدا ہے، یہ سمجھ کر ضروری سمجھا کہ حق اور باطل کے لئے کوئی مقیاس معتبر رکھنا چاہئے، جو کم از کم ایسا تو ہو کہ حق کے قریب تک پہنچا دے، کیونکہ یہ کوئی معقول بات نہ ہوئی کہ شافعیؒ جب اس امر کا مشاہدہ کر لیں اور حجاز میں و عرقتین کی اختلاف رائے کا معائنہ بھی کر لیں جن میں ہر رائے قابل احترام اور قابل قدر ہو پھر اس میں دونوں نظریوں میں کسی ایک کے بطلان کا حکم بغیر کسی میزان اور ضابطہ دقیق کے لگا دیں، لہذا آپ نے استنباط و استخراج کے قواعد کے سلسلہ میں سوچنا شروع کر دیا، اور آپ نے کتاب اللہ کے دلالت کے طریقوں کے پھیلنے پر پوری پوری توجہ سے کام لیا، اور اس پر کہ نسخ و منسوخ کو معلوم کریں، اور ان میں سے ہر ایک کے

ہے کون ضعیف، اس سے استدلال کا کیا طریقہ ہونا چاہئے، قرآن کریم کے مقابلہ میں اس کا کیا درجہ ہے،

پھر اگر کتاب و سنت میں کسی حادثہ کا حکم نہ ملے تو اس سے استخراج احکام کس طرح کیا جائے، اور اس مقام پر اجتہاد کے لئے کیا ضوابط اور کیا حدود ہوں جو مجتہد کے لئے معسر رکئے جائیں، تاکہ ان سے تجاوز نہ کرے، اور اجتہادی انتشار سے محفوظ رہ سکے،

اس لئے اس مرتبہ امام شافعیؒ کو حرم میں زیادہ قیام کرنا پڑا، پھر امام شافعیؒ ۱۹۵ء میں دوبارہ بغداد آئے، اور اس مرتبہ آپ کا فقہی طریقہ بالکل انوکھا تھا، یہ نہیں تھا کہ آپ احکام و شروع کی تفصیل کرتے ہوئے مخصوص مسائل ہی کے متعلق فتوے دیتے ہوں، بلکہ اس مرتبہ آپ کے علمی خزانہ میں قواعد و اصول کلیہ تھے، مسائل جزئیہ کو انضباط انہی اصول سے کیا ہوا تھا، اس مرتبہ فقہ کی صورت فردع جزئیہ کی نہ تھی، بلکہ علم کلی کی صورت اختیار کئے ہوئے تھا (جو) صرف فتوے یا مخصوص قسم کے فیصلہ نہ تھے، چنانچہ علماء اور فقہاء آپ پر جھک پڑے، محدثین اور اہل الرائے دونوں نے اس کو اپنا لیا، اسی دوسرے سفر میں آپ نے اصول فقہ میں ایک دوسرا رسالہ تصنیف کیا، جو درحقیقت اصول فقہ کی بنیاد بنا،

امام رازیؒ نے مناقب شافعی میں لکھا ہے:

”عبدالرحمن ابن مہدی نے حضرت شافعیؒ سے یہ التماس کیا تھا کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کریں جن میں استدلال بالقرآن والسنۃ والاحیاء والقیاس کا طریقہ اور ناسخ و منسوخ اور عموم و خصوص کا بیان ہو، چنانچہ شافعیؒ نے کتاب الرسالہ تصنیف فرما کر اس کو روانہ کیا، جب عبدالرحمن نے اس کو پڑھا تو کہنے لگا کہ میرا گمان نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسا کوئی شخص بھی پیدا کیا ہے“

پھر رازیؒ نے فرمایا ہے:

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شافعیؒ نے کتاب الرسالہؒ بغداد میں تصنیف کی، اور پھر جب آپ مصر پہنچے ہیں تو وہاں دوبارہ اس کو تصنیف کیا، ان دونوں تصنیفوں میں بڑے علوم موجود ہیں۔  
بہر حال پہلی تصنیف ضائع ہو چکی تھی، اب لوگوں کے پاس اگر ہے تو یہ رسالہ کا جدید نسخہ ہے،

صحیح روایت یہ ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حبد پر نسخہ کو ربیع ابن سلیمان پر املاء کرایا ہے، جیسے کہ صفحہ میں ان کا قول آتا ہے، علم ان سیکون منکم موصی پڑھتے چلے گئے، فاقروا ما تیتس منہ ملک، لہذا جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ ”انھوں نے پڑھا“ یہی ربیع ہیں، امامؒ سے سنتے جاتے اور لکھتے جاتے،  
(مقدمہ کتاب الرسالہ، ص ۱۱ و ۱۲ مصری)

————— بنی بنی بنی بنی بنی بنی بنی —————

کتاب الرسالہ در حقیقت امام شافعیؒ کے تقریری نوٹس کا ایک مجموعہ  
**انتباہ :-** جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مجلسوں میں موصوف نے اپنے شاگرد ربیع بن سلیمان کو تحریر کرایا ہے، اسی وجہ سے بعض مباحث بار بار تکراری شکل میں موجود پائے جاتے ہیں، نیز عبارت کا طرز کتابی نہیں ہے، بلکہ تقریری ہے، اس وجہ سے ابتداء ترجمہ سے صفحہ ۹۵ تک ناظرین کو ترجمہ میں الجھاؤ محسوس ہوگا، اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ترجمہ شروع کرتے وقت رسالہ کی عربی عبارت کی پابندی کاشتد سے لحاظ رکھا گیا تھا، اور یہی پابندی ترجمہ کی خوبی پر اثر انداز رہی، لیکن صفحہ ۹۵ کے بعد سے یہ صورت کم ہوتی چلی گئی ہے، لہذا اس کے لئے تاخیر معذرت خواہ ہے ۱۲

( مترجم )



## حمد و ستائش

- ۱۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، تاریکیاں اور روشنی بنائی، اس پر بھی وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر سمجھتے ہیں،
- ۲۔ اور اس اللہ کے لئے ساری تعریفیں ہیں، جن کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کا شکریہ ادا نہیں کیا جاسکتا، مگر اس کی بخشی ہوئی نعمت کے ذریعہ، جس سے گزشتہ نعمتوں کے شکریہ ادا کرنے والے پر ایک جدید نعمت کی بخشش ضروری ہو جاتی ہے، اور جس کا شکریہ بھی اس پر واجب ہو جاتا ہے،
- ۳۔ اور اس کی صفت بیان کرنے والے، اس کی عظمت کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکتے، جس کو خود اس نے اپنی ذات کے لئے بیان کیا ہے، اور وہ اپنی مخلوق کی بیان کی ہوئی صفوں سے بلند و بالا ہے،
- ۴۔ اور میں اس کی بہت زیادہ حمد کرتا ہوں اس طرح پر جو اس کی بزرگی ذات اور عظمت جلال کے مشایان شان ہو،
- ۵۔ اور میں اس سے استعانت چاہتا ہوں ایسے شخص کی طرح جس کو یقین ہے کہ اس کو نہ کسی شر سے بچنے کی مجال ہے، نہ کسی جیسز کے کرنے کی طاقت، مگر اللہ کی توفیق کی بدولت،
- ۶۔ اور میں اللہ سے اس کی اُس رہنمائی کا طالب ہوں جو اگر کسی کو محنت ہو جائے تو وہ شخص گمراہ نہیں ہو سکتا،
- ۷۔ اور میں اس سے اپنے تمام گزشتہ اور تازہ کوتاہیوں کی مغفرت اس بندہ کی طرح چاہتا ہوں، جس کو اپنی عبودیت کا اقرار ہے، اور جس کو یقین ہے کہ اللہ کے سوا

کوئی گناہ نہیں بخش سکتا، اور نہ ہی گناہ سے کوئی نجات دے سکتا ہے،

۸۔ اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں،

۹۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، ایسے وقت میں جب کہ دنیا کے لوگ دُور گرد ہوں میں منقسم تھے؛

۱۰۔ اُن میں سے ایک: اہل کتاب تھے، انھوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام بدل ڈالے تھے، اور اللہ کی نافرمانی کر چکے تھے، ان لوگوں نے اپنے جی سے جھوٹ تراش کر اسے اپنی زبانوں سے گھڑ لیا، پھر اسے اللہ کی اُس سچی تعلیم میں خلط ملط کر دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف نازل کیا تھا،

۱۱۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کے کفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

بَلَّشِبْہِ اِنْ اِنْ اِکْجَاعَتْ اِیْسِی مَوْجُوْدُہِیْ جُوْکَاتِہِیْ  
بُڑھتے ہوئے اس میں اُلٹ پھیر کرتی ہے، تاکہ تم اسے  
کِتَابِ اللہ کا حَصَّہ خیال کرو، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ  
کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں  
ہوتا، اور وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے  
ہیں ۴

وَ اِنْ مِنْهُمْ لَفَرِیْقَآیَ لَوْوُنَ  
اَلِیْسَتْہُمْ بِاٰلِکِتَابِ لِحَسْبُوْہِ  
مِنْ اَلِکِتَابِ وَ یَقُوْلُوْنَ ہُوَ  
مِنْ عِنْدِ اللہِ وَ مَا ہُوَ مِنْ عِنْدِ  
اللہِ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللہِ الْکِذْبَ  
وَہُمْ یَعْلَمُوْنَ ، (آل عمران ۷۸)

۱۲۔ پھر فرمایا:

سُوْتِہِیْ ہِیْ اِنْ اِنْ لَوْوُنَ کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب  
لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس  
کے عوض وہ تھوڑی قیمت چاہل کر لیں، تو ان کے  
لئے تباہی ہے بوجہ ان باتوں کے جن کو ان کے  
ہاتھوں نے لکھا، اور ان کے لئے تباہی ہے ان

قَوٰیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَلْکُتُبُوْنَ اَلِکِتَابَ  
بَاِیْدِیْہِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ہٰذَا  
مِنْ عِنْدِ اللہِ لَیْسَتْہُ وَاِیْہِ ثَمَنًا  
قَلِیْلًا قَوٰیْلٌ لِّہُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ  
اٰیْدِیْہِمْ وَ وَاِیْلٌ لِّہُمْ مِّمَّا

اموال کی وجہ سے جن کو وہ کھاتے ہیں ۵

(البقرہ، ۷۹)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

۱۳۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ  
وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ  
اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ  
يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
مِنْ قَبْلُ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ آتِي  
يُؤْتِكُلُونَ ، ائْتِخَذُوا أَخْبَارَهُمْ  
وَرَهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ  
اللَّهِ وَالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَمَا  
أُمْرٌ إِلَّا لِعِبَادِهِ وَاللَّهُ وَاحِدٌ  
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا  
يُشْرِكُونَ ،

یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور  
عیسائیوں نے کہا: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ اُن  
کی باتیں ہیں جو اُن کی زبانوں پر ہیں، اس طرح یہ  
اپنے سے پہلے کافروں کی ہمنوائی کر رہے ہیں،  
خدا کی لعنت اُن پر! یہ کہاں سے غلط راستہ پر  
لگا سہ گئے ہیں، انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے  
علماء و مشائخ نیز مسیح ابن مریم کو رب بنالیا،  
حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے  
سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اُس کے سوا کوئی بھی  
عبادت کے لائق نہیں، وہ اُن چیزوں سے جنھیں یہ لوگ  
اس کا شریک بناتے ہیں بلند اور میرا ہے۔

۱۴۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا  
مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ  
وَالطَّاغُوتِ وَيَتَوَلَّوْنَ لِلَّذِينَ  
كَفَرُوا وَاهْلُوا أَحْصَى مِنَ  
الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ، أُولَئِكَ  
الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ  
اللَّهُ فَلَنْ نَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ،

مسمیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب  
کا ایک حصہ دیا گیا تھا، کہ وہ اللہ کے سوا جیبت  
بتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان لوگوں کے ہائے میں  
جنھوں نے نافرمانی کی ہے، یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اُن  
لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں زیادہ راہ راست پر ہیں،  
یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، اور جن پر  
اللہ لعنت کرتا ہے تم اس کے لئے کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔

۱۵۔ دوسرا گروہ اُن لوگوں کا تھا جنھوں نے اللہ کی نافرمانی کی، ایسی بدعتیں گھڑ لیں جن کی

اجازت اللہ نے نہیں دی، انھوں نے اپنے پسندیدہ پتھروں، لکڑیوں، مورتیوں اور  
تصویروں کو اپنے ہاتھوں سے نصب کیا، اُن کے لئے اپنی مرضی سے نام تجویز کر لئے، اور  
انھیں معبود بنا کر ان کی پرستش کرنے لگے، پھر جب انھیں اپنے ان معبودوں کے علاوہ  
دوسری چیزیں بھلی معلوم ہوتیں تو ان کو پھینک کر دوسری چیزوں کو اپنے ہاتھوں سے

نصب کر لیتے، اور ان کی عبادت کرتے، یہ لوگ عرب تھے،

۱۶۔ عجم (غیر عرب) کے کچھ لوگ اس باپے میں اُن کے راستے پر چل پڑے، اور اپنی پسندیدہ

چیزوں مثلاً مچھلی، چوپائے، تالے، آگ وغیرہ کی عبادت کرنے لگے،

۱۷۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے اس قسم کے غیر اللہ کو پوجنے والوں کے بعض جواہر

کا ذکر کیا ہے، اور اللہ جل شانہ نے ان کے قول کو نقل فرمایا ہے:

”ہم نے اپنے آباء و احبا کو ایک دین

پر پایا، اور بے شک ہم اُن کے آثار کی اقتداء

کر رہے ہیں“ (الزخرف ۲۳)

۱۸۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُن کا یہ قول نقل فرمایا:

”تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو، اور ہرگز

نہ چھوڑو دُود کو اور نہ سَواغ کو اور نہ یغوث کو اور

یعوق اور نسر کو، اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ

کر دیا“

۱۹۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

”اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کر دے شک“

سچے نبی تھے، جب کہ انھوں نے اپنے باپ سے

کہا، اے میرے باپ تو ایسی چیزوں کی عبادت

کیوں کرتا ہے جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں،

اور نہ تجھے کچھ فائدہ پہنچاتی ہیں“ (مریم، ۴۱، ۴۲)

۲۰۔ اور فرمایا:

”اور انھیں ابراہیم کا واقعہ سنا دے جب کہ انھوں

نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا، تم کس چیز کو

پوجتے ہو، وہ بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں، اور

انہی کے گرد خشوع خضوع میں رہتے ہیں، ابراہیم

نے کہا کیا جب تم انھیں پکارتے ہو تو وہ تمھاری

اَوْ يَنْفَعُوْكُمْ اَوْ يُضِرُّوْنَ ،  
 (الشعراء، ۶۹، ۷۳)
   
 آواز سنتے ہیں! یا کچھ تمہیں فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں؟

۲۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اُن لوگوں کی جماعت سے خطاب کرتے ہوئے اُن کو اپنی نعمتوں کی یاد دلاتا ہے، ان کی عام گمراہی سے ان کو آگاہ کرتا ہے، اور مومنین پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فَاذْكُرُوْا اِنْعَمَۃَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ  
 كُنْتُمْ اَعْدَآءَۃً فَاَلْقَتْ بَیْنَ  
 قُلُوْبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ  
 اِخْوَانًا، وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ  
 مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا  
 كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیَاتِهٖ  
 لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آل عمران، ۱۰۳)

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، کیونکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور تم اس کی نعمت کی بدولت بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اُس نے تمہیں اس سے بچالیا، اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے لئے بیان کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آ جاؤ۔

۲۲۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نجات ملنے سے قبل لوگ نافرمانی و کفر پر تھے، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک ہی امر پر متفق تھے: یعنی اللہ کی نافرمانی، اور ایسی بدعتوں کے وضع کرنے پر متفق تھے جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی تھی، اللہ ان کی باتوں سے بلند و برتر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اپنی تعریف کے ساتھ پاک بے عیب ہے، اور ہر چیز کا رب اور خالق ہے،

۲۳۔ ان لوگوں میں سے جو زندہ ہے اس کی حالت اللہ کے بیان کئے ہوئے وصف کے مطابق ہے، اپنی حیات میں عمل، قول سے اپنے پروردگار کو ناراض کر نیوالا اس کی نافرمانی میں زیادتی کرنے والا ہے،

۲۴۔ اور جو مر گیا اس کے قول و عمل بھی اللہ کے بیان کے مطابق تھا وہ اپنی منزل کو پہنچا،

۲۵۔ جب اللہ کا نوشتہ اپنی مدت کو پہنچ گیا تو قضائے الہی آپہنچی، کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین کو غالب کرے، اور اس معصیت کو جس سے وہ راضی نہیں دُور کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے،



جیسا کہ قضاے الہی کا ہمیشہ سے دستور ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں فردین ماضیہ میں بھی اللہ کے احکام کے نزول کے وقت اس کی رحمت کے آسانوں سے دروازے کھلتے رہے ہیں،

۲۶۔ چنانچہ اللہ بزرگ و بزر تر فرماتا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً  
فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ  
مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ

”لوگ ایک گروہ تھے، پھر اللہ نے خوش خبری دینے والے اور (انجام بد سے) ڈرانے والے نبیوں کو بھیجا“

(البقرہ، ۲۱۳)

۲۷۔ چنانچہ وہ ذات گرامی جن کو اس نے اپنی وحی کے لئے چنا، اور پسند فرمایا، جسے اپنی رحمت کو کھولنے اور نبوت کو ختم کرنے کے لئے اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی، جس کی تعلیمات گذشتہ تمام انبیاء کی تعلیمات کے مقابلہ میں زیادہ عام اور ہمہ گیر ہیں، جس کا ذکر دنیا میں اللہ کے ذکر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور جو آخرت میں مستقبل سفارشی ہیں، جو باعث بار نفع تمام مخلوقات میں افضل اور دین و دنیا میں اللہ کے تمام پسندیدہ اخلاق کے جامع ترین مسرود اور نسب و گھرانے کے اعتبار سے بہترین خلایق ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں،

۲۸۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور اپنی مخلوقات کو ایسی خصوصی نعمتوں سے آشنا کیا جن کے فائدے دین و دنیا میں عام ہیں،

۲۹۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ  
أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ  
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ  
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبة، ۱۲۸)

۳۰۔ اور فرمایا:

لَسَنَیْ رَأَمُ الْقُرْآنَی وَ مَن حَوْلَهَا،  
(الشوری، ۴)

اُمّ العتری سے مراد مکہ ہے جہاں آپ کی قوم آباد تھی،

۳۱۔ اور فرمایا:

وَأَذِّنْ رُحْمَيْكَ الْآقْسَيْنِ،  
”آپ اپنے قریب ترین خاندان کو (انجاء) سے  
ڈرائیے“  
(الشعراء ۲۱۳)

۳۲۔ اور فرمایا:

وَأَنَّهُ لَن كُرُّ لَكَ وَلِقَوْمِكَ وَ  
سَوْفَ نُنَاسُ لُؤُنَ،  
”اور بلاشبہ یہ قرآن تیرے لئے اور تیری قوم  
کے لئے ذکرِ خیر ہے، اور تم سے اس بائے میں  
(الزخرف، ۲۴) جلد ہی باز پرس ہوگی“

۳۳۔ شافعی کہتے ہیں:

ابن عیینہ نے بروایت ابن ابی نجیح مجاہد کے متعلق ہم سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول  
وَأَنَّهُ لَن كُرُّ لَكَ وَلِقَوْمِكَ (الزخرف، ۲۴)  
”میشک یہ البتہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے ایک یاد دہانی ہے“ کی تفسیر میں  
مجاہد نے کہا: ”پوچھا گیا یہ شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کن لوگوں میں سے ہیں؟“  
جواب دیا گیا: ”عربوں میں سے“ پھر دریافت کیا گیا: ”کون سے عربوں میں سے؟“ کہا گیا:  
”قریش میں سے“

۳۴۔ شافعی فرماتے ہیں:

”مجاہد نے جو کچھ قرآن مجید کی آیت کی تفسیر میں کہا واضح ہے جس کی تزیل (یعنی دوسری  
آیات) سے تفسیر کرنے کی ضرورت نہیں،

۳۵۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عذاب الہی سے ڈرانے میں آپ کی قوم اور آپ کے قریبی رشتہ داروں  
کو خاص کیا، اور ان کے بعد تمام مخلوق کو شامل کیا، اور قرآن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کیا، پھر بعثت کے وقت عذاب الہی سے ڈرانے میں آپ کی قوم  
کی تخصیص فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَأَذِّنْ رُحْمَيْكَ الْآقْسَيْنِ (الشعراء ۲۱۳)  
”اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو عذاب الہی سے ڈرائیے“

۳۶۔ اور بعض قرآنی علوم کے ماہرین یعنی مفسرین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا: ”اے بنی عبدمناف! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اب قریب ترین

رشتہ داروں کو ڈراتوں، اور تم لوگ میرے قریب ترین رشتہ دار ہو۔

۳۷۔ شافعیؒ کہتے ہیں:

ابن عیینہ نے بروایت ابن نجیح ہم سے بیان کیا کہ مجاہدؒ نے اللہ تعالیٰ کے قول ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ (۳۷۔ الم نشرح) کی تفسیر میں بیان کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا: ”جہاں میرا ذکر کیا جائے گا میرے ساتھ تمہارا ذکر ضرور کیا جائے گا۔“

آشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ  
آشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ  
تین گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور  
گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔“

۳۸۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

واللہ اعلم، اس فقرہ خداوندی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانے (یعنی اللہ کے عقائد ظاہر کرنے) اور اذان کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ کے ذکر کے ساتھ ضرور کیا جاتا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت حکم خداوندی کو بجالانے اور گناہوں سے بچنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ضرور کیا جاتا ہے،

۳۹۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ہمارے نبیؐ پر رحمت نازل فرماتا ہے جب بھی اُن کا ذکر کرنے والے ذکر کرتے ہیں، اور ذکر سے غافل رہنے والے غفلت برتتے ہیں، اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ

لوگوں اور بعد کے آنے والوں کے زمانے میں ان رحمتوں سے کہیں افضل زیادہ اور پاکیزہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی مخلوق پر نازل کیا، رحمتیں نازل فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ ہمیں اور (اے قارئین) آپؐ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کے طفیل میں ایسی پاکیزگیاں عطا فرمائے جو اُن پاکیزگیوں سے بہتر ہوں جو آپؐ کی امت میں سے کسی فرد کو آپؐ پر درود بھیجنے کے طفیل میں عطا ہوتی ہوں، آپؐ پر سلام ہو، اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں، اور اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپؐ کو ایسی جزا عطا فرمائے جو سارے رسولوں کو ان کی امت کی طرف سے عطا شدہ جزا سے افضل ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ ہی کے طفیل میں ہم کو ہلاکت سے بچایا، اور لوگوں کے لئے ظاہر شدہ امتوں میں ہم کو بہترین امت قرار دیا، ہم اس کے ایسے دین پر عمل پیرا ہیں جس نے اس کو پسند فرمایا، آپؐ ہی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور

اپنی مخلوق میں سے انعام یافتہ لوگوں کو چُن لیا، چنانچہ کوئی ظاہری باطنی نعمت جس سے  
 ہیں دین و دنیا میں حصہ ملا یا جس کے طفیل ہم سے دین و دنیا کی کوئی تکلیف دور ہوئی،  
 ایسی نہیں جس کا سبب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، آپ ہی بہترین نعمت  
 کی طرف لے جانے والے، راہِ راست کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں، ہلاکت اور  
 رشد کے خلاف بُرائی کی جگہوں سے دور رکھنے والے، ہلاکت کو پہچاننے والے۔ اسباب  
 سے خبردار کرنے والے، ارشاد و انداز کی نصیحت کرنے والے آپ ہی ہیں، اللہ تعالیٰ  
 آپ پر اور آپ کی آل پر رحمتیں نازل فرماتے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی آل پر رحمتیں  
 نازل فرمائیں، بیشک اللہ تعالیٰ حمد و ستائش کا مالک اور بزرگی و مرتبہ والا ہے،  
 ۴۰۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب آپ پر نازل کی اور فرمایا اور بلاشبہ وہ ایک عزت والی کتاب  
 ہے، باطل کا گزرنہ آگے سے ہوتا ہے نہ پیچھے سے، یہ کھت دالے مستحق تعریف کی طرف  
 سے نازل کی ہوئی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے لوگوں کو  
 کفر اور کورحمتی سے روشنی اور ہدایت کی طرف منتقل کیا، اور اپنی مخلوق پر توسع  
 کا احسان جتاتے ہوئے اس کتاب میں حلال و حرام کو بیان فرمایا، کیونکہ دنیا اور  
 آخرت میں جن امور سے اجتناب ہمارے حق میں (ضروری) تھا، اس کو وہی خوب  
 جانتا ہے، اور اُن کی طاعت کی آزمائش اس طرح کی کہ ان کے لئے قول و عمل دونوں  
 کو عبادت کا طریقہ بنادیا، اور ان محرمات سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھنا  
 چاہا روک دیا، اطاعت شعاری پر انھیں جنت میں رہنے کا ثواب بخشا، اور اپنے  
 انتقام سے نجات دی، کتنی بڑی ہے اُس کی نعمت! بزرگ و برتر ہے اس کی تعریف!  
 ۴۱۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس (سزا) سے خبردار کر دیا جس کو اس نے اپنے نافرمانوں کے  
 لئے معسر کیا ہے، اس (ثواب) کے خلاف جس کو اس نے اپنے فرمانبرداروں کے  
 لئے ضروری قرار دیا ہے،

۴۲۔ اور لوگوں کو اس سے قبل کی ایسی امتوں کے حالات بیان فرما کر نصیحتیں کیں جو  
 ان سے مال اور اولاد دونوں لحاظ سے بہت بڑھی ہوئی تھیں، اور جن کی عمریں ان سے  
 طویل تر، اور جن کے کارنامے ان سے زیادہ قابل ستائش تھے، جنھوں نے اپنی  
 دنیاوی زندگی ہی میں سارا حظ اٹھانا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قضا جاری کرتے

ہوئے ان کو آرزوؤں تک پہنچنے سے پہلے ہی موت کا مزہ چکھا دیا، اور ان کی مدت پوری ہوتے ہی اللہ کی سزا ان پر آ پہنچی، چاہتے کہ یہ ابتدا رہی میں عبرت حاصل کر لیں، واضح تعلیم کو سمجھ لیں، غفلت کا پردہ پڑنے سے قبل ہی ہشیار ہو جائیں، اور مدت کے ختم ہونے سے پہلے ہی عمل کر لیں، اُس وقت کے ختم ہونے پر نہ کسی خطا و ارتکاب کا عذر قبول کیا جائے گا، اور نہ کوئی فائدہ یہ لیا جائے گا، اور ہر نفس اپنے پاس اپنے کار خیر کو حاضر یا ننگا (اس وقت) بیکار آرزو کرے گا کہ اس کے اور اس کی بُرائی کے درمیان بڑے سے بڑا فاصلہ ہوتا،

۴۳۔ الغرض اللہ جل شانہ نے جو کچھ بھی اپنی کتاب میں نازل فرمایا وہ رحمت اور حجت ہے، جس نے اس کا علم حاصل کیا وہ عالم ہے، اور جس نے نہ جانا وہ جاہل رہا، جو نادان رہا وہ صاحب علم نہیں، اور جو صاحب علم ہے وہ نادان نہیں،

۴۴۔ علم کے اعتبار سے لوگوں کے مراتب ہیں، ان کے علمی مراتب ان درجات کے اعتبار سے ہیں جن کو وہ اللہ کی کتاب کے جاننے میں حاصل کر چکے ہیں،

۴۵۔ لہذا علم کے طلبکاروں پر یہ واجب ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کریں، اور حصولِ علم میں ہر پیش آنے والے امر پر صبر سے کام لیں، اور علم کی تحصیل میں خواہ منصوص ہو یا مستنبط اپنی نیت خالص اللہ کے لئے رکھیں اس سلسلہ میں مدد چاہنے کے لئے اللہ کی طرف راغب ہوں، کیونکہ کوئی بھلائی اس کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی،

۴۶۔ بلاشبہ جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم اس کی کتاب سے بطور نص یا استدلال حاصل کیا، اور جس کو اس علم کے مطابق بولنے اور عمل کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے دی، وہ اپنے دین اور دنیا میں فضیلت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، اور اس سے شکوک و شبہات دُور ہو گئے، اور اس کے دل میں حکمت روشن ہو گئی، اور دین میں امامت کے درجہ کا مستحق بن گیا،

۴۷۔ تو ہم اس اللہ سے جس نے ہمارے مستحق ہونے سے قبل ہی ہم پر اپنی نعمتوں کے بخشنے کی ابتداء کی، جس نے ان کو ہم پر ہمیشہ جاری رکھا، باوجودیکہ اس کی نعمتوں کے واجبی شکر کے ادا کرنے میں ہم نے کوتاہی کی، جس نے ہم کو خیر الامم بنایا، یہ درخواست



کرتے ہیں کہ وہ اپنی کتاب کا پھر اپنے نبیؐ کی سنت کا فہم ہمارے رگ و ریشے میں عطا فرمائے، اور ہمیں ایسے قول و عمل کی توفیق بخشے جن سے ہم اس کا حق ادا کر سکیں، اور جو ہمارے لئے مزید جزار کا استحقاق پیدا کریں! ۴۸۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے دین کو ماننے والوں میں سے جس پر بھی کوئی مصیبت آتی ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس سے بچنے کی رہنمائی ضرور ملتی ہے، ۴۹۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

”کتاب ہم نے آپؐ کی طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ آپؐ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں، اس رب کے راستہ پر جو غالب اور تعریف کے لائق ہے“

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ،  
(سورۃ ابراہیم، ۱)

۵۰۔ نیز فرماتا ہے:

”ہم نے آپؐ کی طرف ذکر نازل کیا، تاکہ آپؐ لوگوں پر ان کی طرف نازل شدہ کلام کو واضح کر دیں، اور تاکہ وہ غور و فکر کریں“

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ،  
(النحل، ۴۴)

۵۱۔ نیز فرماتا ہے:

”اور ہم نے آپؐ پر کتاب نازل کی جو ہر شے کو بیان کرنے والی، ہدایت و رحمت اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے“

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ،  
(النحل، ۸۹)

۵۲۔ نیز فرماتا ہے:

”اور اس طرح ہم نے آپؐ کی طرف اپنے امر سے ایک روح نازل کی ہے، آپؐ

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا، مَا كُنْتَ

تَدْرِى مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاٰزِمٰتُ  
وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا تَهْدٰى  
بِهٖ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا  
وَ اِنَّكَ لَتَهْدٰى اِلٰى صِرَاطٍ  
مُّسْتَقِيْمٍ

(الشوری، ۵۲)

پہلے نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے  
نہ ایمان کا علم رکھتے تھے، لیکن اس کو ہم نے  
ایسا نور بنایا ہے کہ جس کے ذریعہ ہم اپنے  
بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت  
بخنتے ہیں، اور یقیناً آپ صیح راستہ کی طرف  
رہنمائی کرتے ہیں۔

ہم نے جو چیزیں بنائیں ہیں

# باب اول

## بیان کی صفت

۵۳۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیان ایک ایسا اسم ہے جو ایسے چند معانی کو حاوی ہو جن کی اصل ایک اور فرد سے بے شمار ہیں،

۵۴۔ یہ معانی جو اصولی طور پر مجتمع اور فردی طور پر شاخ در شاخ ہیں کم از کم ان مخاطبین کے لئے جن کی زبان میں مترآن نازل ہوا ایسے بیان کا درجہ رکھتے ہیں جو اُن کے نزدیک ایک دوسرے سے تقریباً ہم آہنگ ہیں، گو ان میں سے بعض معانی بعض سے زیادہ تاکید دی بیان ہیں، اور جو لوگ زبان عرب سے ناواقف ہیں اُن کے نزدیک یہ معانی مختلف ہیں،

۵۵۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اُن سارے بیانیوں کا مجموعہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے اپنی کتاب میں ثبت کیا، اور جن کے ذریعہ اُن کو اپنے گزشتہ احکام کا کھف بنایا حسب ذیل اصناف پر مشتمل ہے:

۵۶۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے نص، یعنی قرآن پاک کے صریح الفاظ میں بیان کر دیا، جس میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے جملہ فرض کئے ہوئے احکام نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ وغیرہ کا بیان کہ ان کی ادائیگی مسلمانوں پر لازم ہے، نیز یہ کہ اس نے کھلے ظاہری اور پوشیدہ فواحش کو حرام کیا، اور مثلاً زنا اور شراب کی حرمت، نیز مردار خون، اور سوزر کے گوشت کے کھانے کی حرمت کے قرآنی الفاظ، پھر دوسرے احکام کے بیان کے سوا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے وضو کے فرض کی کیفیت کو واضح مترآنی الفاظ میں

بیان فرمایا،

۵۷۔ بیان کی دوسری صنف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرض کئے ہوئے حکم کو اپنی کتاب میں محکم طور پر بیان کر دیا، مگر اس کی کیفیت کی تشریح اپنے

نبی کے الفاظ میں کی، مثلاً نماز کی تعداد، زکوٰۃ کی تفصیل، دونوں کے وقت کی تعیین، اور ان کے علاوہ دوسرے ان فرائض کی تفصیل جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا،

۵۸۔ تیسری صنف میں وہ احکام آتے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شرعی حکم نہیں، مگر چونکہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے رسول کی اطاعت کو، نیز ان کے حکم کے مطابق عمل کرنے کو فرض قرار دیا ہے اس لئے جس کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو قبول کیا اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے فرض قرار دینے کی وجہ سے دان کو قبول کیا،

۵۹۔ چوتھی صنف پر اجتہاد کو فرض قرار دیا، اور اجتہادی احکام میں ان کی طاعت و عبادت کی اس طرح آزمائش کی جس طرح غیر اجتہادی احکام یعنی فرائض میں ان کی عبادت کی آزمائش کی،

۶۰۔ چنانچہ اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے:

وَلَسَبَلُّوْا تَكْمُ حَتّٰی نَعْلَمَ  
الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ  
الصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوْا اَخْبَارَكُمْ،

(سورہ محمد، ۳۱)

۶۱۔ اور فرماتا ہے:

وَيَبْلُوْا اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ  
وَلِيَبْلُوْا مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ،

(آل عمران، ۱۵۴)

۶۲۔ نیز فرماتا ہے:

قَالَ عَمِي رَبُّكُمْ اَنْ يَّهْلِكَ

”غفریب تمہارا پروردگار تمہارے

دشمن کو ہلاک کر کے تم کو زمین کا وارث بنائیگا  
پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي  
الْأَرْضِ فَلْيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُونَ،

(اعراف، ۱۲۹)

۶۲۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بطور قبلہ مسجد حرام کی طرف  
رُخ کرنے کا حکم دیتے ہوئے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فرمایا:

”بلاشبہ ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرے کے  
بار بار اٹھنے کو دیکھ رہے ہیں، اس قبلہ کی طرف آپ کا  
رخ ہم ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں،  
لہذا آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے، اور  
جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی  
جانب متوجہ کرتے رہو۔“

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ  
فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ  
قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ  
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ  
حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ  
شَطْرَهُ (بقرہ: ۱۴۴)

۶۳۔ اور فرمایا:

”اور جہاں سے بھی تم نکلو اپنے چہروں کو مسجد حرام  
کی طرف متوجہ کرو، اور جہاں کہیں بھی تم موجود ہو،  
اپنے چہروں کو اس کی طرف رکھو، تاکہ لوگوں کو  
تم پر کوئی حجت نہ مل سکے۔“

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ  
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ  
الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ  
فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ  
إِنَّمَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ  
حُجَّةٌ، (البقرہ: ۱۵۰)

www.KitaboSunnat.com

۶۴۔ غرض اللہ جل شانہ نے اس وقت جبکہ لوگ مسجد حرام کی عمارت سے بہت دور ہو  
اس اجتہاد کی درستگی کی طرف رہنمائی کی ہے جس کو ان کے لئے فرض قرار دیا ہے،  
کیونکہ ان میں وہ عقلیں و دلیت رکھی ہیں جو خیر و شر اور دیگر اضداد میں تمیز کرتی ہیں،  
نیز وہ علامتیں دی ہیں جن کو عمارت مسجد حرام کے گرد جس کی طرف قبلہ رہو ہونے کا  
حکم دیا ہے ذریعہ بنایا ہے،

۶۵۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”خدا ہی کی ذات ہے جس نے تمھارے لئے تاروں  
وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ السَّجُودَ



لَتَهْتَدُ وَافِي خُلُمَاتِ الْبَرِّ وَ  
الْبَحْرِ، (الانعام: ۹۰)  
نیز فرماتا ہے:

وَعَلَّيْتُ وَيَا لَتَجْمَعُنَّ  
يَهْتَدُ ذُنُ، (النحل: ۱۶)  
اور علامات، اور ستاروں کے ذریعہ لوگ راہ  
پاتے ہیں #

۶۷۔ یہ علامات پہاڑ، نیز رات اور دن ہیں، جن میں مشہور و معروف مختلف رُخوں پر  
چلنے والی ہوائیں موجود ہیں، اسی طرح آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستارے ہیں جن کے  
طلوع و غروب کے مقامات و اوقات کو سب جانتے ہیں، نیز فلک میں اُن کے مقامات  
متعین ہیں،

۶۸۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا وجہ کی بنا پر مسجد حرام کی جانب متوجہ ہونے میں بندوں  
کے لئے اجتہاد کرنے کو فرض قرار دیا، تو لوگ برابر اجتہاد کرتے رہے، حکم خداوندی  
سے تجاوز کرنے والے نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ اجازت نہیں دی کہ مسجد حرام  
کے بجگاہوں سے ادھمل ہونے پر جدھر چاہیں رُخ کر کے نماز ادا کر لیں،  
۶۹۔ اسی طرح لوگوں کو اپنے اُٹل فیصلہ سے خبردار کیا، ارشاد فرمایا:

أَيَحْسَبُ إِلَّا نَسَانُ أَنْ يَتَزَكَّ  
سُدِّي (القيامة: ۵)،  
”کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو بے کار  
چھوڑ دیا جائے گا؟“

”سودی“ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو نہ کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے نہ کسی امر سے  
روکا جائے،

۷۰۔ (امام شافعیؒ فرماتے ہیں:) مذکورہ بالا آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہؐ  
کے سوا کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے جی سے کچھ کہے، اس کے لئے ہمیشہ یہ لازم ہو  
کہ بیان و اجتہاد کے متعلق جو کچھ میں نے بیان کیا، یا جو نصوص عدل و جزائے صید  
کی بحث میں بیان ہوں گے ان سے استدلال کرے، اور ہرگز اپنی پسندیدگی کا اظہار نہ  
کرے، کیونکہ اپنی پسندیدگی کا اظہار ایک ایسی بدعت ہے جس کو وہ خود ظاہر کرتا  
ہے، اور جس کی کوئی مثال پیشتر نہیں ملتی،

۷۱۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دُعا دلوں کو گواہ بنائیں، اور عدل

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق عمل کرنے کو کہتے ہیں، . . . . لوگوں کو عدل کے جاننے اور عدل کے خلاف کرنے کی طرف رہنمائی ہونا،

۲۔ یہ موضوع اپنی جگہ میں بیان کیا گیا ہے، جہاں میں نے اس کی چند مثالیں بیان کی ہیں، جن سے مجھ کو امید ہے کہ دوسرے مماثل امور کی طرف رہنمائی ہو جائے گی،

۵۔ دحقق کی تحقیق میں ب اور ج نسخوں کی عبارت ”وقد وصفت“ تصحیف و مخالف الاصل ہے، مگر مترجم اس عبارت کو ”وقد وضعت“ کے مقابل میں واضح اور مرجم سمجھتا ہے۔

—————

# بَابُ رُوم

## بیان - ۱

۴۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تمتع یعنی حج کے ساتھ عمرہ کرنے والے کے حق میں فرماتا ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ  
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ،  
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ  
أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا  
رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ،  
ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاجِزِينَ  
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ،

جو شخص عمرہ کے ساتھ حج تک کا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو قربانی کے جانوروں میں سے جو جانور بھی اسے میسر آئے نذر کر دے، لیکن جس کے پاس جانور نہ ہو تو وہ تین روزے حج کے ایام میں اور سات روزے جب تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ رکھو، یہ پورے وٹے روزے ہیں، یہ حکم ایسے لوگوں کے لئے ہے جن کا خاندان مسجد حرام میں مقیم نہیں ہے۔

۴۲۔ تو اس آیت کے جو لوگ مخاطب ہیں ان کے نزدیک یہ بات واضح تھی کہ تین روزے حج کے دوران میں اور سات روزے حج سے واپسی کے بعد اپنے گھروں میں رکھنا، یہ پورے دس روزے تمتع کے لئے ضروری ہیں، لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فرمان تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ حکم کے بیان کرنے میں مزید وضاحت ہوگئی، دوسرا فائدہ یہ کہ انھیں یہ علم حاصل ہو گیا کہ تین اور سات کا مجموعہ دس کامل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوَاعِدْنَا مَوْسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَ  
أَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فِتْمٍ مُبَقَّاتٍ رَتَبَهُ  
أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ، (اعراف: ۱۶)

”اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور ہم نے ان کو دس سے پورا کر دیا، تو ان کے پورے کی مقرر کی ہوئی مدت چالیس راتوں سے پوری ہوئی۔“

۷۹۔ اس آیت شریفہ کے مخاطب پر یہ ظاہر ہے کہ تیس اور دس راتیں (مکمل) چالیس راتیں (میں) داخل تھیں۔

۸۰۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اربعین لیلۃ سے آیت سابقہ کے مثل یہ فائدہ حاصل ہوا کہ تیس اور دس کا مجموعہ چالیس ہے، دونوں لفظ مزید وضاحت کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا  
كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ  
تَعْلَمُونَ، أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ  
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى  
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ،  
(البقرہ: ۱۸۳ و ۱۸۴)

”تم پر اس طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح  
تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم میں  
تقویٰ پیدا ہو، یہ گنتی کے دن ہیں، لہذا جو شخص  
تم میں سے مریض ہو، یا سفر میں ہو وہ دوسرے  
ایام میں بقیہ روزے گن کر پورے  
کر لے“

۸۱۔ اور فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ  
فِيهِ الْقُرْآنُ الْهُدَىٰ لِلنَّاسِ  
وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْقُرْآنِ  
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ  
فَلْيَصُمْهُ، وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ  
عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ،  
(البقرہ: ۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا  
جو لوگوں کے لئے رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی  
ایسی روشن دلیلیں ہیں جو صحیح رہنمائی کرتی ہیں، اور جو  
باطل کے فرق کو ظاہر کرتی ہیں، تم میں سے جو شخص اس  
ماہ میں موجود ہو اسے اس ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں  
اور جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے ایام میں  
چھوٹے ہوئے روزے گن کر پورے کرے“

۸۲۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر روزہ فرض کیا، پھر بیان فرما دیا کہ وہ ایک ماہ کے ہیں،  
اور ایک ماہ ان لوگوں کے نزدیک دو چاندوں کا درمیانی عرصہ ہوتا تھا، جو کبھی تیس  
کا اور کبھی انیس کا ہوتا تھا،

۸۳۔ چنانچہ اس آیت میں جو بات بتائی گئی ہے اس کا طرز بھی وہی ہے جو اس سے قبل  
کی دو آیتوں کا یا ان سے پہلے کی دو آیتوں میں ہے، یعنی مجموعہ تعداد کے بیان کرنے  
کی مزید وضاحت،

۸۲۔ بہر حال تین کوسات کے ساتھ اور تیس کو دس کے ساتھ جمع کرنے سے بیان کی مزید وضاحت ہوتی ہے، اور اس طرح تعبیر کرنا ہی اچھا ہے، کیونکہ (عرب کے) لوگ ہر دو عددوں کو اور ان کے جمع کرنے کو بخوبی جانتے تھے، جس طرح رمضان کے مہینہ سے واقف تھے،

—————



# بَابُ سَوْمٍ

## بیان - ۲

۸۳۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدة: ۶)

۸۴۔ نیز فرماتا ہے:

وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا،

(النساء: ۴۳)

”نہ (داخل ہو مسجد میں) جنابت کی حالت میں، (جبکہ غسل کرنا واجب ہوتا ہے) مگر یہ کہ راستہ طے کرنے والا ہو یہاں تک کہ غسل کر لو“

۸۵۔ (ان آیتوں میں) کتاب اللہ نے وضو کو بیان کیا ہے، پتھروں سے پاکی حاصل کرنے اور جنابت کی وجہ سے غسل کرنے کے متعلق کچھ نہیں بیان کیا،

۸۶۔ پھر چونکہ چہرے اور دوسرے اعضاء کو کم از کم ایک ایک بار دھونا آیت سے ظاہر ہے، ایک مرتبہ سے زیادہ دھونے کا احتمال بھی ظاہر ہے، بنا بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کو بیان فرما دیا کہ ایک ایک مرتبہ دھونا مراد ہے، اور خود آپ نے مین تین بار دھو کر وضو کیا، اس طرح رہنمائی فرمادی کہ اعضاء وضو کو کم سے کم دھونا کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کافی ہے، نیز یہ کہ کم از کم دھونا ایک مرتبہ دھونا ہے، اور جب (وضو کے لئے) ایک بار دھونا کافی ہے تو تین بار دھونے کا اختیار ظاہر ہے،

۸۷۔ اور سنت نے بتایا کہ استنجہ میں تین پتھر (ڈھیٹے) کافی ہیں، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ وضو کس سے ضروری ہے اور غسل کس سے، آپ نے یہ بھی بتایا کہ ٹخنے اور کہنیاں وہ اعضاء ہیں جو دھوئے جائیں گے، اس لئے کہ آیت میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ دونوں اعضاء وضو میں آخری حد ہوں، ساتھ ہی یہ بھی احتمال ہے کہ دھونے میں یہ دونوں شامل ہوں، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ”تباہ ہوں (خشک) ایڑیاں آگ سے“ تو اس بات کی طرف رہنمائی ہو گئی کہ ان کو دھونا ضروری ہے مسح کرنا نہیں،

۸۸۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا بَوَیْہٖ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا  
السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ  
لَہٗ وَلَدٌ، اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ  
وَلَدٌ وَوَرِثَہٗ اَبَواہُ فَلَا مِہٖ  
الثُّلُثُ اِنْ کَانَ لَہٗ اِخْوَةٌ  
فَلَا مِہٖ السُّدُسُ، (النساء: ۱۱)

۸۹۔ نیز فرماتا ہے :

وَلَکُم مِّنْہٗ نِصْفٌ مِّمَّا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ  
اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ وَلَدٌ، اِنْ کَانَ  
لَہُنَّ وَلَدٌ فَ لَکُمُ الرُّبْعُ  
مِمَّا تَرَکُنَّ مِنْ بَعْدِ وَحِیَّتِہٖ  
یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ، وَلَہُنَّ  
الرُّبْعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ اِنْ لَّمْ  
یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ، اِنْ کَانَ  
لَکُمْ وَلَدٌ فَلَہُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا

”اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے اس کے مترکہ مال کا چھٹا حصہ ہے، بشرطیکہ میت کی اولاد ہو، اگر اس کے اولاد نہ ہو اور صرف والدین ہی اس کے وارث ہوں تو میت کی والدہ کو تہائی ملے گا، اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو اس کی والدہ کو چھٹا حصہ ملے گا“

”تمہاری بیویاں جو کچھ ترکہ چھوڑیں اس میں سے تمہارا حق نصف ہے، بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو اگر ان کی اولاد ہے تو تم کو مترکہ مال کا چوتھا حصہ ملے گا، اُس وصیت کے ایفا کے بعد جو انھوں نے کی، یا اُس قرض کے ادا کرنے کے بعد جو ان پر تھا، اور ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ میں سے جو تمہاری حصة بشرطیکہ تمہاری اولاد موجود نہ ہو پس اگر تمہاری اولاد موجود ہے تو پھر ان بیویوں کو

تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ  
بِهَا أَوْ دَيْنٍ، وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ  
يُؤْرَثُ كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ  
أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا  
الْثَدَسُ، فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ  
ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ  
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُوصِي بِهَا أَوْ  
دَيْنٍ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ  
اللَّهِ، وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَلِيمٌ،

لے آٹھواں حصہ ہوگا اس وصیت کے بعد جو تم نے  
کی ہے، یا تمھارے قرض کے ادا کرنے کے بعد، اور اگر  
میت مرد یا عورت ہو جس کا کوئی قریبی وارث نہ ہو  
صرف اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو ہر  
ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو  
ایک تہائی میں شریک ہوں گے، یہ تقسیم بہر حال  
اس کی وصیت یا قرض کی تکمیل کے بعد عمل میں  
آئے گی، کسی کو نقصان پہنچائے بغیر، یہ اللہ کا حکم  
ہے، اور اللہ جاننے والا بردبار ہے۔

(النساء: ۱۲)

- ۹۔ پس وراثت کی تفصیل میں قرآن کسی غیر کے بیان کا محتاج نہیں ہے، پھر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ساتھ ایک شرط یہ رکھی ہے کہ وصیت اور دین کے ادا کرنے کے بعد ترکہ کی تقسیم ہوگی اس لئے حدیث نے رہنمائی کر دی کہ وصیت مال کے ایک تہائی حصہ سے زائد میں جاری نہیں ہوگی،

—————

# باب چہارم

## بیان - ۳

- ۹۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:  
 اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ  
 سِرَتًا بَآ مُؤْتَوٰتًا،  
 نیز فرماتا ہے:  
 ۹۲۔ وَ اَقِمُوا الصَّلٰوةَ وَ آتُوا الزَّكٰوةَ،  
 اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ۹  
 ۹۳۔ اور فرماتا ہے:  
 اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ،  
 ”حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو“  
 ۹۴۔ پھر اپنے رسولؐ کی زبانی فرض نمازوں کی تعداد، ان کے اوقات، نیز سنتوں کو، زکوٰۃ  
 کی مقدار و رقم، اور اس کے اوقات، حج و عمرہ کے ارکان، اور کن مواقع پر زائل ہوتے  
 ہیں اور کن مواقع پر بحال رہتے ہیں، کہاں ان کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اور کہاں  
 یکساں رہتے ہیں، سب کی وضاحت کر دی، اور ایسے امور قرآن و سنت میں بیشمار  
 موجود ہیں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# باب پنجم

## بیان - ۲

۹۵۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ طریقے جن کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں، اور جو کچھ ہم نے اس کتاب میں درج کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ احسانات جن کو اپنے بندوں پر کتاب و حکمت سکھا کر کئے ہیں اس امر کی دلیل ہیں کہ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے،

۹۶۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی اطاعت کو اپنی مخلوق پر فرض کیا ہے، اور آپؐ کے اُس مقام کو بیان فرما دیا ... جو دینی حیثیت سے آپؐ کو عطا کیا ہے، ان باتوں سے یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ کتاب اللہ میں فرائض منصوصہ کا بیان حسب ذیل طریقوں پر ہوا ہے:

۹۷۔ بعض وہ فرائض ہیں جن کو قرآن پاک نے بدرجہ اتم بیان کر دیا، جن کی مزید وضاحت کے لئے کسی دوسری آیت کی ضرورت نہیں،

۹۸۔ (۲) بعض وہ فرائض ہیں جن کی فرضیت کو قرآن پاک نے بدرجہ اتم بیان کر دیا ہے، ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کو بھی فرض قرار دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرما دیا کہ ان فرائض کی کیفیت کیا ہے، کن لوگوں پر ان کی فرضیت عائد ہوتی ہے، کب ان کی فرضیت زائل ہوتی ہے، اور کب ثابت و واجب ہوتی ہے،

۹۹۔ (۳) بعض وہ فرائض ہیں جن کو قرآن پاک نے بیان کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے



نبی کی سنتیں ہیں، قرآن پاک کی کوئی دوسری آیت اُن کی فرضیت کو بیان نہیں کرتی، وہ سارے فرائض جن کا بیان کتاب اللہ میں موجود ہے،

۱۰۰۔ لہذا جو بھی اللہ کی طرف سے قرآن پاک میں اللہ کے بیان کردہ فرائض کو قبول کرتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو بھی قبول کرتا ہے، کیونکہ خدا نے اپنے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی مخلوق پر فرض کیا ہے، اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ کے آگے سہر تسلیم خم کر دیں تو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو قبول کیا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کے فرمان کو قبول کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے،

۱۰۲۔ غرض کتاب اللہ کے سارے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہو کہ ان دونوں طرح کے احکام کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو، گو وہ فروعی اسباب جن کی بنا پر اُنھیں قبول کیا گیا ہے متفرق ہیں، چنانچہ اللہ بزرگ دہر تر نے مختلف اسباب کی بنا پر اپنی مشیت کے مطابق بعض چیزوں کو حلال بعض کو حرام، بعض کو فرض قرار دیا، اور بعض کی حد مقرر کی، اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا کہ وہ کیا کرتا ہے، اور لوگوں سے باز پرس ہوگی

(الانبیاء : ۳۳)

—————

# باب ششم

## بیان - ۵

۱۰۳۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ، (بقرہ: ۱۵۰)

”اور تم جہاں سے بھی باہر نکلو، اپنے چہروں کو مسجد حرام کی جانب پھیر دو، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے چہرے اس کی طرف کرو“

۱۰۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر جہاں کہیں بھی ہوں کعبہ کی طرف رُخ کرنے کو فرض کر دیا ہے، عربوں کی بول چال میں ”شطر“ جہت کو کہتے ہیں، جب عربی میں کہتے ہیں ”اُتصد شطر کذا“ تو اس سے مراد یہ ہے کہ میں بعینہ اس چیز کا قصد کرتا ہوں، اسی طرح ”تلقاہ“ سے جہت مراد ہے، یعنی اصطلاح میں استقبال تلقاہ اسی جہتہ (یعنی میں اس کی جانب پیش قدمی کرتا ہوں)، اور اسی طرح ”شطرہ“ سب کا مفہوم ایک ہے، اگرچہ یہ الفاظ مختلف ہیں،

۱۰۵۔ خفاف بن ندب کا شعر ہے :

أَلَا مَنْ مَبْلُغِ عَمْرٍَا رَسُولًا وَمَا تُعْنِي الرِّسَالَةُ شَطْرَ عَمْرٍو  
”کون ہے جو عمرو کو پیغام پہنچا دے، لیکن عمرو کی طرف پیغام بھیجنے سے کیا فائدہ؟“

۱۰۶۔ ساعدہ بن جویہ کہتا ہے :

أَقُولُ لَا تَمِزْ زَنْبَاعَ آتِيَمِي صُدُّوا الْعَيْسِيَّ شَطْرَ بَنِي تَمِيمٍ  
”میں اُم زنباع سے کہہ رہا ہوں کہ اپنے اونٹوں کے قافلہ کو بنی تمیم کی طرف سیدھے کرلو“

۱۰۷۔ لقیط ایادی کہتا ہے :

وَقَدْ أَظْلَمَكُمْ مِنْ شَطْرِ نَفْسِكُمْ هَوًى لَهُ ظُلْمٌ تَشْتَاكُمْ قِطْعًا

”تم پر تمہاری سرحد کی طرف سے ایک ایسا خطرہ آ رہا ہے جس کی تاریکیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تم کو اپنی پلیٹ میں لے رہی ہیں“

۱۰۸۔ شاعر کہتا ہے :

إِنَّ الْعَيْنَ يَوْمَهَا وَأَعْمَحًا يَوْمَهَا فَتَشْطُرُهَا بَصَرُ الْعَيْنَيْنِ مَسْحُورٌ

نر سے بدکنے والی ادبٹنی کس بیماری میں مبتلا ہے، چنانچہ جب نظر اس کی طرف جاتی ہے تو مسحور ہو جاتی ہے“

۱۰۹۔ (شافعیؒ فرماتے ہیں) کہ شاعر کی مراد ”شطر“ سے جانب اور جہت ہے، یعنی جب اس ادبٹنی کی طرف (اونٹ) کی دونوں آنکھیں اٹھتی ہیں تو مسحور ہو جاتی ہیں،

۱۱۰۔ یہ سارے اشعار اور ان کے علاوہ عربوں کے دوسرے اشعار بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شے سامنے موجود ہو تو ”شطرہ“ سے ٹھیک اُس شے کا قصد کرنا سمجھا جاتا ہے اور جب غائب ہو تو اجتہاد کے ذریعہ اس کی طرف توجہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اور یہاں زیادہ سے زیادہ یہی امکان پہنا ہے،

۱۱۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْفُجُومَ لِقَاءَ مَا

بِهَافِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ،

(الانعام : ۹۷)

پاسکو“

۱۱۲۔ اور فرماتا ہے :

وَعَلَّامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ

يَهْتَدُونَ، (النحل : ۱۶)

۱۱۳۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے علامات پیدا کی ہیں، اور ان کے لئے مسجد حرام

کو معتبر کیا، اور انھیں اس کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا، حرم کی طرف ان کا رُخ

کرنا انھیں علامتوں کے ذریعہ ممکن ہے جن کو اللہ نے ان کے لئے پیدا کیا،

یا ان عقول کے ذریعہ ممکن ہے جن کو اللہ نے اُن کے اندر ودیعت رکھا ہے، اور جو

علامات کی معرفت کی طرف اُن کی رہنمائی ہوتی ہے، یہ ساری باتیں بیان کے طریقے ہیں، اور اللہ بزرگ و برتر کی نعمتیں ہیں،

۱۱۴۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ  
(الطلاق: ۲)

”اپنوں میں سے دو صاحبانِ عدل کو گواہ بناؤ“

۱۱۵۔ نیز فرماتا ہے:

وَمَنْ تَرَ ضَوًّا مِّنَ الشَّهَادَةِ  
(بقرہ: ۲۸۲)

۱۱۶۔ یہ بیان کر دیا کہ ”عادل“ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی فہم و ہدایت کے مطابق عمل کرتا ہے، تو جس شخص کو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر عمل پیرا دیکھیں وہ عادل ہو۔ اور جس کا عمل طاعت کے خلاف ہے وہ عادل کے خلاف ہے،

۱۱۷۔ اللہ جلّ شانہ کا ارشاد ہے:

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ  
وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا  
فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ  
التَّعْمِمْ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ  
مِّنْكُمْ هَذَا يَأْتِيهِ الْكُفْبَاءُ  
(المائدہ: ۹۵)

”تم لوگ احرام کی حالت میں شکار مت کرو اور تم میں سے جو شخص بھی قصداً کسی شکار کو مارے گا تو اس کے مثل جو پاؤں میں سے بدل قربان کرنا پڑے گا، اس کا فیصلہ تم میں سے دو صاحبِ عدل کریں گے، اور یہ جانور حرمِ کعبہ میں قربان کیا جائے گا“

۱۱۸۔ تو بظاہر شے کا مثل وہ ہے جو بدن کی جسامت و شبابہت میں سب سے زیادہ قریب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اصحاب نے شکار کے مسئلہ پر گفتگو کی ہے وہ سب اس پر متفق ہیں کہ شکار کا مثل وہ گھریلو جانور ہے جو جسامت میں شکار سے مشابہ ہے، لہذا ہم شکار کئے ہوئے جانور کو دیکھنے کے بعد فیصلہ کریں گے کہ وہ کس چوپایہ سے زیادہ مشابہ ہے، پھر اس کو شکار کے عوض تتربان کریں گے،

۱۱۹۔ (شکار کئے ہوئے جانور کے عوض اس کے مثل ایک چوپایہ تتربان کرنا ضروری ہے) اس مثل سے ایک مشابہ جانور کی قیمت کی ادائیگی کا احتمال نہیں، مگر یہ کہ ناگزیر

صورت میں بادل ناخواستہ (قیمت فدیہ کر سکتا ہے) تو مثل کا ظاہر عام معنی (جو پہلے بیان ہوا) زیادہ مناسب اور بہتر ہے، دوسرا معنی (یعنی مثل کی قیمت کی ادائیگی) اجتہاد ہے، جس کو فیصلہ کرنے والا مثل کی رہنمائی میں تلاش کرے،

۱۲۰۔ علم کی یہ قسم اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس کو ہم قبل بیان کر چکے ہیں، کہ کسی کے لئے روا نہیں کہ وہ کسی شے کو حلال یا حرام کرے، مگر علم کی حیثیت سے، علم کی حیثیت ہو کہ کتاب و سنت میں جو کچھ ہے اس سے باخبر ہو، یا جماع کے ذریعہ علم ہو، یا قیاس کے ذریعہ،

۱۲۱۔ اس باب میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے قیاس کا مفہوم ہے، کیونکہ قیاس ہی کے ذریعہ قبلہ، عدل اور مثل کی درستگی و صواب کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، ... (درستگی و صواب کی دلیل تلاش کی جاتی ہے)

۱۲۲۔ اور قیاس یہ ہے کہ کتاب یا سنت سے جو کچھ ہمیں معلوم ہو چکا ہے اس سے مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے دلائل و فراہم کئے جاتیں، کیونکہ یہ دونوں حق کے علم ہیں، جن کا طلب کرنا فرض ہے، جیسا ہم نے اس سے پہلے قبلہ اور عدل اور مثل کے اوصاف کی چھان بین کی،

۱۲۳۔ کتاب و سنت سے موافقت کی دو صورتیں ہیں :

۱۲۴۔ ایک یہ کہ اللہ یا اس کے رسولؐ نے کسی وجہ سے صاف لفظوں میں کسی چیز کو حلال یا حرام کر دیا، تو جب ہم کسی ایسی چیز کو پائیں جو حلال یا حرام کردہ شے کے مثل ہے، مگر جس کے متعلق کتاب و سنت میں کوئی ذکر نہیں ہے تو اس لئے کہ وہ حلال یا حرام مثل ہے ہم اس کے حلال یا حرام ہونے کا حکم لگائیں گے،

۱۲۵۔ یا ہم ایک ایسی شے کو پاتے ہیں کہ اس کا کچھ حصہ ایک شے کے مشابہ ہو اور دوسرا حصہ دوسری چیز کے مشابہ، کوئی تیسری چیز ایسی نہیں ملتی جس سے اس کو ان دونوں سے زیادہ مشابہت حاصل ہو، ایسی صورت میں ہم اس چیز کے ساتھ شامل کریں گے جو شبابہت میں اس سے قریب تر ہے،

۱۲۶۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: علم کی دو شکلیں ہیں، اول اجماع یا اتفاق کرنا، دوسرا اختلاف یعنی ظاہر راستے سے خلافت کرنا، ان دونوں قسموں کو اپنی اپنی جگہ بیان کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز



کیا جائے گا،

۱۲۷۔ اور کتاب اللہ کے علم کو جمع کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ساری کتاب عربوں کی زبان میں نازل ہوئی ہے،

۱۲۸۔ کتاب اللہ کے نسخ و منسوخ کو جاننا، نیز قرآن پاک میں بیان کردہ فرض، ادب، ارشاد و اباحت کو جاننا،

۱۲۹۔ اس مقام کو جاننا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو بخشا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے مقام کو ظاہر کیا کہ اپنی کتاب میں فرائض کو محکم طور پر بیان کیا اور ان کی تفصیل کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ظاہر کیا، یعنی یہ کہ اپنے تمام فرائض سے اس نے کیا چاہا ہے، کن پر فرائض عائد کئے ہیں، تمام مخلوقات پر یا بعض پر فرض کیا بعض پر نہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر فرض کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریں، اور ان کے حکم کو بجالائیں،

(امام شافعیؒ فرماتے ہیں، لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں: علم کیا ہے، اور کہاں تک علم رکھنا چاہئے؟)

۱۳۰۔ پھر قرآن پاک کے ان سارے امثال کو جاننا جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے جو اللہ کی فرمانبرداری کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی مقدار بھر حصے سے غفلت کو چھوڑنے اور نوافل فضل کی زیادتی کو بیکار کرتی ہیں،

۱۳۱۔ تو اہل علم پر واجب ہو کہ صرف اپنے علم کے اندازہ کے مطابق گفتگو کریں،

۱۳۲۔ علم کے بارے میں بعض ایسے لوگوں نے گفتگو کی ہے کہ اگر اپنی بعض کہی ہوئی باتوں سے رُک جاتے تو یہ رُک جانا بہتر ہوتا اور خود اپنے لئے سلامتی سے انشاء اللہ اقرب ہوتے،

۱۳۳۔ چنانچہ اُن میں سے بعض حضرات نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں عربی اور عجمی دونوں زبانیں موجود ہیں،

۱۳۴۔ حالانکہ کتاب اللہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کتاب اللہ میں کوئی چیز ایسی

نہیں ہے جو عربوں کی زبان میں نہیں ہے،

۱۳۵۔ اس رائے کے رکھنے والے کو ایسے لوگ مل گئے جنہوں نے ان کی تقلید میں یہ بھی نہ پوچھا کہ

ان کے پاس کیا دلیل ہے، اور نہ کسی خلاف رائے رکھنے والے سے خلاف کرنے کی وجہ پوچھی

۱۳۶۔ بہت سے بے سوچے سمجھے دوسروں کی رائے پر چلنے والے غفلت میں ہے، اللہ تعالیٰ ہماری

ادراں کی مغفرت کرے،

۱۳۷۔ غالباً جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ بھی ہیں، ادراں کا یہ قول تسلیم بھی

کر لیا گیا ہے اُن کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں بعض مخصوص الفاظ ہیں جن میں سے بعض

الفاظ کو خود عرب نہیں جانتے،

۱۳۸۔ حالانکہ عربی زبان آراء کے اظہار میں وسیع ترین زبانوں میں سے ہے، اور اس کے الفاظ بہت

زیادہ ہیں، ایک نبیؐ کے سوا کسی کو ہم نہیں جانتے جو عربی کے سارے علوم پر حاوی ہو، لیکن

اس کے باوجود عامۃ الناس سے قرآن پاک کی کوئی چیز پوشیدہ بھی نہیں، اس بناء پر ہم یہ

نہیں کہہ سکتے کہ عربوں میں اس کا جاننے والا کوئی نہیں ہے،

۱۳۹۔ عربوں کے نزدیک قرآن پاک کا علم ویسا ہی عام ہے جیسا کہ فقہاء کے نزدیک حدیث و سنت

کا علم، ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے سنتوں کا بالاستیحاب علم حاصل کیا ہو، اور اس

سے کوئی سنت فرو گذاشت نہ ہوئی ہو،

۱۴۰۔ عام عالم بالسنن کا علم جب حج کیا جائے گا تو یہ مجموعہ سارے سنن کو حاوی ہوگا، مگر ہر عالم کے

علم کو الگ کرنے پر کچھ نہ کچھ سنن ہر ایک سے فوت ہو جائیں گے، بعض سنن ایسے بھی ہوں گے

جو بعض کے یہاں میسر ہوں گے بعض کے یہاں نہیں،

۱۴۱۔ علماء سنن کے طبقات علم کے لحاظ سے چند ہیں :

(۱) اکثر و بیشتر سنن کو جمع کرنے والے جن سے کچھ سنن رہ گئے،

(۲) وہ علماء جنہوں نے غیروں کے مقابلہ میں کمتر سنن جمع کئے گئے،

۱۴۲۔ جن لوگوں نے اکثر و بیشتر جمع کئے ہیں اور ان سے کچھ سنتیں باقی رہ گئی ہیں تو ان کے لئے

یہ ضروری نہیں ہے کہ فوت شدہ کا علم اپنے طبقہ کے سوا دوسرے اہل علم سے حاصل کریں،

بلکہ اپنے بھتیگوں سے فوت شدہ سنن حاصل کریں، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

ہمارے ماں باپ اُن پر فدا ہوں، کے سارے سنن کو احاطہ کر لیں، پھر جملہ علماء ان سنن کو جمع

- کرنے میں منفرد ہیں، البتہ سنن کو یاد رکھنے کے لحاظ سے ان کے درجات مختلف ہیں،
- ۱۱۔ اسی طرح زبان عسربی عرب کے خواص و عوام کی معلومات سے باہر نہیں ہے، ان کے سوا کسی اور سے اس کی تحصیل نہیں کی جاسکتی، اس زبان کو وہی جانتا ہے جس نے عربوں سے حاصل کیا ہے، اس علم میں ان کا وہی شریک ہو جس نے اس کے سیکھنے میں عربوں کا اتباع کیا، اور جس نے ان سے لسانی علوم کو سیکھا، وہ ان کی زبان کا اہل ہے،
- ۱۲۔ عربوں کے سوا دوسرے لوگ زبان عسربی کے اہل صرف اس لئے نہیں رہے کہ انھوں نے عربی زبان کو چھوڑ دیا ہے، تو جنھوں نے اس کی طرف رجوع کیا وہ اہل لسان بن گئے،
- ۱۳۔ بلکہ علماء میں پھیلی ہوئی سنت کے علم کے مقابلہ میں عربوں کے عوام میں عربی زبان کا علم بکس زیادہ عام ہے،
- ۱۴۔ اگر کوئی معترض کہے کہ ہم کو عجیبوں میں کچھ ایسے افراد بھی ملتے ہیں جو کچھ عربی زبان بھی بول لیتے ہیں،
- ۱۵۔ یہ اس صورت کا حامل ہے جس کو ابھی میں نے بیان کیا کہ انھوں نے یہ زبان عربوں سے سیکھی، اگر ان عجیبوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو عربوں سے سیکھے بغیر عربی بولتے ہیں تو ایسے لوگ بہت کم ہیں، اور جو کچھ عربی بولتے ہیں وہ زبان دانی میں عربوں ہی کی پیروی کرتے ہیں،
- ۱۶۔ اور ہم کو اس کا انکار نہیں ہے کہ جب کوئی لفظ سیکھ کر کہا جائے یا وضعی طور پر بولا جائے تو وہ عجیبی زبان یا اس کے بعض فقرے کچھ زبان عسربی کے موافق ہو جاتے ہیں، جیسا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ باہم اگر لوگ ملتے ہیں تو ان کی عجیبی زبانیں بیشتر مواقع پر آپس میں مل جاتی ہیں حالانکہ ان کے علاقے ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں، زبانیں مختلف ہوتی ہیں اور ان میں باہمی تعلقات بھی کم ہوتے ہیں،
- ۱۷۔ اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ آپ کے پاس اس امر پر کہ کتاب اللہ خالص عربی زبان میں ہے، اور اس میں کسی غیر زبان کی آمیزش نہیں کیا دلیل ہے،
- ۱۸۔ تو اس بارے میں خود کتاب اللہ ہی حجت اور دلیل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
- وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا  
بِلِسَانٍ قَوْمِهِ،
- ”اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قومی زبان ہی میں رسالت کا پیغام دیا“
- (ابراہیم: ۴)

۱۵۱۔ اگر اس پر کوئی معترض اعتراض کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے رسول مبعوث ہوئے وہ سب مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوئے، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں، تو یہ احتمال ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی طور پر اپنی قوم کی زبان ہی میں پیغام دیئے گئے، اور تمام لوگوں پر فرض ہو کہ اپنی معتد در بھرا آپ کی زبان کو سیکھیں،

دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ کو ان سب کی زبانوں میں مبعوث کیا گیا ہے، تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی ایسی دلیل ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جملہ عجمی زبانوں کو چھوڑ کر مخصوص طور پر صرف آپ کی اپنی قوم ہی کی زبان ہی میں ہوئی؟

۱۵۲۔ چونکہ زبانیں اتنی مختلف ہیں کہ بعض کو بعض نہیں سمجھتے، اس لئے یہ ضروری طور پر ظاہر ہے کہ بعض اہل زبان بعض کے تابع ہیں، اور تابع زبان پر متبوع زبان کو فضیلت ہوتی ہے،

۱۵۳۔ اور لسانی اعتبار سے فضیلت کا سب سے زیادہ وہ مستحق ہے جس کی زبان نبی کی زبان ہو، اور یہ واللہ اعلم جاتر نہیں کہ نبی کی زبان والے ایسی زبان والوں کے تابع کر دیئے جائیں جن کی زبان کسی ایک حرف میں بھی نبی کی زبان سے مختلف ہے بلکہ ساری زبانیں پیغمبر کی زبان کے تابع ہیں، اور پیغمبر سے قبل کے دین کے ماننے والوں پر فرض ہے کہ پیغمبر کے دین کی پیروی کریں،

۱۵۴۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو اپنی کتاب کی متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے،

۱۵۵۔ ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاتَّخَذَ تَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ،  
تَوَلَّى بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ، عَلَى  
قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ،  
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ، (الشعراء: ۹۲، ۹۳)

یہ کتاب پروردگار کی نازل کی ہوئی ہے جس کو  
روح الامین لے کر نازل ہوئے، آپ کے قلب  
پر تاکہ واضح عربی زبان کے ذریعہ لوگوں کو انجاء  
سے ڈرانے کا فریضہ انجام دیں

۱۵۶۔ نیز ارشاد فرماتا ہے:

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا وَعَرَبِيًّا،  
(الرعد: ۳۷)

”اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں  
فیصلہ کن قانون بنا کر نازل کیا“

۱۵۷۔ نیز فرماتا ہے:

اور اس طرح ہم نے قرآن کو آپ کی طرف عربی میں نازل کیا، تاکہ آپ اُمّ القریٰ (مکہ) اور اس کے گرد کے لوگوں کو ڈرائیں۔“

وَكُنْ لَكَ اَوْحَانًا لِّلِكَ قُرْآنًا  
عَرَبِيًّا تَنْذِرُ اُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ  
حَوْلَهَا (الشورى: ۷)

۱۵۸۔ نیز فرماتا ہے:

”نعم، قسم ہے بیان کرنے والی کتاب کی، ہم نے بیشک اس کو عربی میں پڑھی جانے والی کتاب بنایا تاکہ تم عقل سے کام لو۔“

حَمْدًا، وَانكِتَابَ الْمُبِينِ، اِنَّا  
جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا تَعْلَمُكُمْ  
تَعْقِلُونَ، (الزحرف: ۱، ۳)

۱۵۹۔ نیز فرماتا ہے:

”قرآن عربی (کو نازل کیا) جس میں کوئی کجی نہیں ہے تاکہ وہ تقویٰ سے کام لیں۔“

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرِ ذِي عِوَجٍ  
تَعْلَمُكُمْ يَتَّقُونَ، (الزمر: ۲۸)

۱۶۰۔ شافعیؒ فرماتے ہیں:

ان آیات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس امر پر حجت قائم کی ہے کہ اس کی کتاب عربی زبان میں ہے، پھر مزید تاکید کے طور پر مندرجہ ذیل دو آیتوں میں اس بات کی نفی کر دی، یعنی کہ اس قرآن مجید میں عربی زبان کے سوا دوسری زبان نہیں ہے،

۱۶۱۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتا ہے:

”بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ وہ (کفار) یہ کہتے ہیں کہ اس (محمدؐ) کو کوئی بشر ہی تعلیم دیتا ہے، اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ اشارہ کرتے ہیں عجمی زبان ہے، اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان میں ہے۔“

وَلَقَدْ تَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُولُونَ  
اِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ، لِّسَانُ الَّذِي  
يُؤْتِيهِ اِنَّا اَعْجَبِيْهُ وَهَذَا  
لِّسَانُ عَرَبِيٍّ مُّبِينٌ، (النحل: ۱۰۳)

۱۶۲۔ نیز فرماتا ہے:

”اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کر دیتے تو یہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں صاف اور واضح کیوں نہیں بنائی گئیں، یہ کیا کہ زبان عجمی اور آدمی عربی۔“

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا  
لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيَاتُهُ اَعَجَبِيْهُ وَا  
عَرَبِيٌّ، (فصلت: ۴۴)

۱۶۳۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

پھر آپ کے بلند مرتبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے، میں جو خصوصی نعمتیں بخشیں ان کا ذکر فرماتے



ہوئے وہ کہتا ہے :

اُبنتہ تمھارے پاس ایک ایسے رسول آئے ہیں جو تمھارے  
اپنوں میں سے ہیں جو تم پر گراں ہوتا ہے اُن پر شاق  
گزرتا ہو، تمھارے (ایمان لانے کے) حریص ہیں، اور  
ایمان لانے والوں پر وہ زیادہ مہربان اور بڑی رحمت والے ہیں

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ  
عَزِيزٌ عَلَیْهِ مَاعَنِتُمْ حَرِيصٌ  
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ  
رَّحِيْمٌ (توبہ: ۱۲۸)

۱۶۴- نیز کہتا ہے :

خدا کی وہ ہستی ہے کہ جس نے اُمیوں میں اُنہی میں  
سے ایک رسول کو مبعوث کیا، جو اُن پر اللہ کی آیتوں  
کو تلاوت کرتے ہیں اور اُن کو پاکیزہ بناتے ہیں اور اُن کو  
کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، حالانکہ اس سے  
قبل وہ لوگ بالکل کھلی گمراہی میں تھے ۛ

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ  
رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ  
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ  
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا  
مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ،  
(الجمعة: ۲)

۱۶۵- اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے انعامات سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا :

يَقِيْنًا يَقرآن تمھارے اور تمھاری قوم دونوں  
کے لئے ذکر خیر ہے ۛ

وَإِنَّهُ لَكُرْ لَكَ  
دَلِيْقَوْمِكَ،

چنانچہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کے ساتھ آپ کی قوم کا ذکر بھی اپنی کتاب میں  
خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا،

۱۶۶- اور فرمایا :

”آپ اپنے قریبی خاندان کو ڈرائیے ۛ

وَآذِنْ دُعَشِيْرَكَ الْآخَرَ بَيْنَ،

(شعراء: ۲۱۴)

(الشعراء: ۲۱۴)

اور فرمایا : ”تاکہ آپ اُم القریٰ اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو ڈرائیں۔ ام القریٰ  
مکہ ہے جو آپ کا اور آپ کی قوم کا شہر ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں  
مخصوص طور پر اُن لوگوں کا ذکر فرمایا اور عمومی طور پر انھیں ڈراسے جانے والوں میں غل  
کر لیا، اور یہ فیصلہ کر دیا کہ ان لوگوں کو ان کی اپنی زبان عربی میں ڈرائیں، اور زبان عربی  
بھی وہ جو خاص کر آپ کی قوم کی زبان ہے،

۱۶۷۔ اس طرح ہر مسلمان پر واجب ہو کہ وہ اپنی بساط بھر عربی زبان کو حاصل کرے، تاکہ اس زبان میں گواہی دے کہ کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں، اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں (أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ) اور اسی زبان میں کتاب اللہ تلاوت کرے، اور فرائض میں اللہ کا ذکر تکبیر کے ساتھ کرے، یہ بھی حکم دیا گیا کہ تسبیح و تہنید وغیرہ اسی زبان میں ادا کرے،

۱۶۸۔ اور جو شخص خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زبان کا علم جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب نازل فرمایا ہے، جتنا زیادہ حاصل کرے گا اتنا ہی اس کے لئے بہتر ہوگا، جس طرح اس پر یہ سارے امور فرض ہیں کہ نماز و اذکار عربی زبان میں ادا کرے، خانہ کعبہ میں آئے، اور مناسک و ضروری اعمال و اشغال ادا کرے، جس طرف اس کا رخ پھیرا گیا ہو اس کی طرف توجہ کرے، نیز فرائض و مستحبات میں تابع بنے مقبوع نہ بنے،

۱۶۹۔ اور میں نے اپنی کتاب کے مسائل کی ابتداء اس مسئلہ سے کہ ”قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے کسی دوسری زبان میں نہیں“ اس لئے کی ہے کہ کتاب اللہ کے جملہ علوم کی تفصیل کا علم اس شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا جو زبان عربی کی وسعت اور اس کے وجہ کی کثرت لسانی، الفاظ کی جامعیت نیز ان کی انفرادیت و خصوصیت سے ناواقف ہو، چنانچہ جو شخص اس زبان کو حاصل کرتا ہے اس سے تمام شبہات جو اس زبان سے ناواقف کو پیش آتے ہیں دور ہو جاتے ہیں،

۱۷۰۔ لہذا عوام کو اس امر کی تنبیہ کہ قرآن مجید خاص طور پر عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس خیر خواہی کی انجام دہی ہے جو مسلمانوں کے لئے ہم پر فرض ہے، اور کسی حالت میں بھی اس کا ترک کرنا درست نہیں، نیز یہ آگاہی مزید خیر کا باعث ہے، جسے چھوڑنے کا اقدام دہی کرے گا جو کم عقل ہوگا، اور (اپنی خیر کا حصہ) چھوڑنا پسند کرتا ہوگا، اور نصیحت کے ساتھ ساتھ حق کو واضح کرنا (ان کے حق میں ضروری ہے) چونکہ قیام بالحق و مسلمانوں کے حق میں نصیحت اللہ تعالیٰ کی اطاعت خیر کی جامع ہے،

۱۷۱۔ ہم سے سفیان نے روایت کیا بواسطہ زیاد بن علاقہ، فرمایا:

”میں نے جریر بن عبد اللہ کو کہتے سنا: ”میں نے ہر مسلم کے حق میں نصیحت اختیار کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی“

۱۷۲۔ ابن عیینہ نے سہیل بن ابی صالح، غطار بن یزید، یتیم داری سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دین نصیحت کا نام ہے، دین اس نصیحت کا نام ہے جو اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے نبی و ائمہ مسلمین و عام مسلمین کے (حقوق) میں کی جائے“

۱۷۳۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں عرب کو ان کی زبان میں مخاطب فرمایا، اُن معانی پر جو اُن میں معروف تھے، جس کے منجملہ وہ یہ معرفت بھی رکھتے تھے کہ اُن کی زبان انتہائی وسعت رکھتی ہے، اُن کی فطرت میں یہ داخل تھا کہ کبھی ان کو عام ظاہری عبارت سے مخاطب کیا جاتا اور اس کی مراد بھی عام الظاہر ہی ہوتی، اور اول (عبارت) سے ہی آخر کی حالت معلوم کر لیتے، (کبھی) عام (الفاظ) سے (خطاب) ہوتا، مراد عام ہی ہوتی، لیکن خصوص موجود ہوتا، لہذا خطاب کے بعض الفاظ سے اس خصوص پر استدلال کر لیا جاتا، اور (کبھی) الفاظ ظاہر عام ہوتے، اور اس سے صرف خاص مراد ہوتا، اور (کبھی) ظاہری مفہوم کے خلاف سیاق (عبارت) سے یہ سمجھ لیا جاتا کہ اس (عبارت) سے یہ ظاہر مراد نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ ان میں سے ہر امر کا علم یا تو کلام کے اول یا اوسط یا آخر سے معلوم ہو جاتا،

۱۷۴۔ (کبھی) اپنے کلام کی ابتداء کسی شے سے کرتے جس کا پہلا لفظ ہی آخر کلام کے معنی کو بتلادیتا، اور (کبھی) آخر کلام میں ایسا لفظ ہوتا جو کلام کے ابتدائی حصہ کی وضاحت کرتا،

۱۷۵۔ (کبھی) ایسا کلام کرتے کہ جس کے معنی میں (دُور) کرنے سے ہی اس کے (مطالب) سمجھ میں آتے لفظوں میں کوئی وضاحت موجود نہ ہوتی، جس طرح اشارہ سے کام لیا جاتا ہے، بالکل یہی صورت ہوتی، اور اُن اہل عرب کے نزدیک اس قسم کا کلام اعلیٰ درجہ کا تصور کیا جاتا کیونکہ اس قسم کے کلام سے صرف وہی فائدہ اٹھاتے جو اہل علم ہوتے اہل جہالت مستفید نہ ہو سکتے،

۱۷۶۔ (کبھی) ایک معنی کے لئے کثیر اسماء (الفاظ) ہوتے، اور (کبھی) ایک لفظ کے لئے کثیر معانی ہوتے

۱۷۷۔ اور کلام میں ان وجوہ (طریقوں) کا وجود جن کے متعلق میں نے کہا ہے کہ جو لوگ اہل علم باللسان ہیں اُن کے نزدیک اجتماعی طرز پر بھی پایا جاتا ہے، اگرچہ معرفت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، (یہ امر) جو حضرات زبان کے عالم ہیں ان کے نزدیک معروف واضح ہے

والبتہ ان کے علاوہ دوسروں کے لئے جو زبان سے جاہل ہوں ناپسندیدہ ہے، اور کتاب اللہ عرب کی زبان میں نازل ہوئی، سنت اُسی زبان میں (سامنے) آئی، لہذا اس زبان کے مکمل طور پر علم (کا دعویٰ) یہ اُس شخص کے (دعوے) کی طرح ہے جو (زبان کے) بعض حصہ سے جاہل ہو،

۱۔ اور اگر ایک ایسا شخص جو جاہل ہے، اور کلام کی معرفت پر پوری قدرت نہیں رکھتا، کبھی درست معنی کی طرف پہنچ بھی گیا تو یہ اس کی موافقت اس کی چہالت کے باوجود قابلِ تعریف نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم، اور اگر خطا کر گیا تو اس میں معذور نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ اس نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ ایک ایسی شے میں کہا ہے کہ جس کے خطا و ثواب کے فرق کرنے پر اس کو پوری قدرت حاصل نہ تھی،

—————

# باب

اُن احکام کا بیان جو کتاب اللہ میں عام الفاظ سے نازل ہوئے،  
اور عام معنی ہی مراد ہی، لیکن خصوصیت کا احتمال موجود ہے

۱۷۹۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اللَّهُ مَخْلُقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (سورۃ زمر: ۶۲)

اور فرمایا ہے:

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ (سورۃ ابراہیم: ۶۲)

اور فرمایا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (سورۃ ہود: ۶) چنانچہ

کلام عام ہے (اور عام ہی مراد ہے) خصوص کچھ بھی نہیں،

۱۸۰۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: چنانچہ ہر شے، آسمان و زمین، ذی روح، درخت وغیرہ اللہ تعالیٰ

نے ہی پیدا فرمائے، اور زمین پر چلنے والے ہر ذی روح کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

وہ اس کے تدار اور جہاں اس کو مرنے کے بعد رکھا جائے گا سب جانتا ہے،

۱۸۱۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ

حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ

يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا

يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَنْ

نَفْسِهِ، (سورۃ توبہ: ۱۲۰)

اہل مدینہ اور جو لوگ اُن کے ارد گرد رہنے والے ہیں  
دیہاتیوں میں سے اُن کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہیں، اور  
یہ کہ آپؐ کی ذات سے اپنے نفسوں کو علیٰ  
رکھیں۔

۸۔ یہ (عموم الفاظ) میں اس آیت کے ہم معنی ہے جو اس سے قبل گزری، خواہ جہاد کی طاقت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، لیکن مراد یہ ہے کہ مردوں میں سے جو لوگ جہاد کی طاقت رکھتے ہیں اُن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس سے بچائے رکھیں، چنانچہ اس آیت میں عموم اور خصوص دونوں موجود ہیں،

۱۸۱۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا، (سورة النساء: ۵۷)

”اور کمزوروں کی خاطر سے، جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں، جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں“ (تھانویؒ)

۱۸۲۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

حَتَّىٰ إِذَا آتَيْتُمُ أَهْلَ مَرْيَتٍ اسْتَطَعْتُمُ أَهْلُهَا فَأَبَوْا أَنْ يُصَيِّفُوهُمَا (سورة الکہف: ۷۷)

”یہاں تک کہ جب ایک گھاؤں والوں پر گزر رہا ہو، تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا، (کہ ہم یہاں ہیں) سو انھوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا“ (تھانویؒ)

۱۸۳۔ اس آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ اُن دونوں حضرات موسیٰ اور خضرؑ نے تمام اہل آبادی سے مہمانداری کی خواہش نہ کی تھی، لہذا یہ آیت (عموم الفاظ میں) سابقہ دونوں آیتوں کے ہم معنی ہے۔

۱۸۴۔ اس آیت میں اور آیت (القریۃ، الظالمہ اہلہا) میں خصوص ہے، کیونکہ تمام اہل قریہ ظالم نہ تھے، بلکہ اس آبادی میں مسلم بھی تھے، لیکن غیر مسلموں کی کثرت تھی اور مسلم قلیل تعداد میں تھے،

۱۸۵۔ اور قرآن میں اس کے نظائر اور بھی موجود ہیں (جن کی معرفت کے لئے) اتنا بیان کافی ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ، نیز سنت میں بھی اس کے نظائر ہیں جو اس کے مقام پر بیان کئے گئے ہیں،



# باب

اُن آیات کا بیان جن کی عبارت ظاہراً عام ہو لیکن اُس میں  
عموم اور خصوص دونوں موجود ہوں

۱۸۸۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ  
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ  
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ  
اللَّهِ أَتْقَاكُمْ،

ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا  
اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا  
تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے  
نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے  
زیادہ پرہیزگار ہو ۶ (تھانوی)

(سورۃ الحجرات: ۱۳)

۱۸۹۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ  
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ  
تَتَّقُونَ، أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ  
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى  
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ،

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح  
تم سے پہلی امتوں کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا  
اس توقع پر کہ تم روزے کی بدولت رفتہ رفتہ متقی  
بن جاؤ، تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کہ وہ پھر اس  
میں بھی اتنی آسانی، کہ جو شخص تم میں سے ایسا بیمار  
جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو، یا (سفر پر)  
سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار کر کے ان میں روزہ رکھنا (اس پر واجب ہے) ۶ (تھانوی)

(سورۃ البقرہ: ۱۸۳، ۱۸۴)

۱۹۰۔ اور فرمایا:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

”یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت کے ساتھ

کِتَابًا مَوْقُوتًا (سورۃ النساء: ۱۰۳) محدود ہے (تھانویؒ)

۱۹۱۔ چنانچہ کتاب اللہ کی (ان) آیات میں عموم اور خصوص کا ہونا واضح ہے،

۱۹۲۔ عموم تو اس فرمان میں ہے: رَاٰنَا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰی وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَاۗئِلَ

لِتَعَارَفُوْا) لہذا تمام مخلوق کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھی، اور جو آپؐ پہلے ہو چکی اور جو بعد میں ہوگی، مرد ہو یا عورت سب کو ایک مرد و ایک عورت سے پیدا فرمایا اور سب کے قبیلے و خاندان بھی ہیں،

۱۹۳۔ اور ان آیات میں خصوص اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: اِنَّ اَكْثَرَكُمْ عِنْدَ

اللّٰهِ اَتْقٰۤاكُمْ) کیونکہ تقویٰ اُن آدمیوں سے صادر ہو سکتا ہے جو اس کو سمجھتے ہوں، اور اس کے اہل ہوں، یعنی بالغین، (اس میں) دیگر جاندار (جو پائے) وغیرہ اور جو مغلوب العقل ہوں (جیسے دیوانے داعی پاگل) یا ایسے بچے جو نابالغ ہوں اگرچہ تقوے کے معنی سمجھتے ہوں، اور انہیں ہیں

۱۹۴۔ لہذا تقوے سے وہی موصوف ہو سکے گا جو تقوے کے اور اس کے خلاف کے معنی کو جانتا ہو، اور اہلیت بھی رکھتا ہو تاکہ وہ اہل تقویٰ میں شمار کیا جاسکے، اور اگر تقوے کے خلاف کرے تو غیر متقی کہلایا جاسکے،

۱۹۵۔ جو کچھ میں نے بیان کیا کتاب اللہ تو اس کو بتلا ہی رہی ہے، اور سنت میں اس پر

دلائل موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رَفَعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ:

النَّاسِمِ حَتّٰی یَسْتَقِظَ، وَالصَّبِیِّ حَتّٰی یَبْلُغَ، وَالْمَجْنُوْنَ حَتّٰی یَفِیْقَ،

۱۹۶۔ اسی طرح کتاب اللہ کا حکم روزے اور نماز کے سلسلہ میں عاقل، بالغ لوگوں کے حق

میں ہے، نابالغ یا مغلوب العقل حیض والی عورتوں کے لئے حیض کے ایام میں نہیں ہر،

—————

# باب

اُن آیات کا بیان جن کی عبارت ظاہراً عام ہو لیکن پوری عبارت سے خاص مراد ہو

۱۹۷ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهْمُ النَّاسُ اٰتِ  
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ  
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا، وَقَالُوْا حَسْبُنَا  
اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ،

”یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے، سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہئے، تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا، اور کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور اچھا کارساز ہے۔“ (مخفونہ)

(سورۃ آل عمران: ۱۷۳)

۱۹۸۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: اُس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کچھ لوگ ایسے تھے جن کے حق میں سامان جمع نہیں کیا گیا تھا، خود خبر دینے والے نہ تو ان لوگوں میں تھے جن کے مقابلہ کو سامان جمع کیا گیا ہو نہ ان لوگوں میں شامل تھے جن کے لئے یہ سامان جمع کیا گیا تھا، اور جمع کرنے والے بھی کچھ لوگ تھے، لہذا آیت میں، میرے بیان کردہ معنی پر واضح دلائل موجود ہیں کہ یہ سامان جمع کرنے والے بعض افراد تھے نہ کل افراد،

۱۹۹۔ اور یہ پورے طور پر یقین ہے، کہ (مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے) سامان جمع کرنے والے (کفار) کے تمام افراد نہ تھے، اور خبر دینے والے بھی تمام افراد نہ تھے، اور یہ حضرات بھی کُل نہ تھے،

۲۰۰۔ لیکن (ناس) کا لفظ تین افراد سے لے کر تمام انسانوں پر بولا جاتا ہے، اور اُس تعداد پر بھی جو اس کے درمیان میں (۳) تک ہو، تو عربی زبان کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے

رَالَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ، اور جن لوگوں نے (مؤمنین) سے یہ کہا تھا بہر صورت وہ چار نفر تھے، (أَنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ) ان لوگوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو جنگِ اُحد سے واپس ہو کر گئے تھے،

۲۰۱۔ اور یہ جماعت کوئی بڑی جماعت نہ تھی، ان میں کچھ افراد ایسے بھی تھے جو اُن افراد سے علیحدہ تھے جن کے لئے جمع کیا جا رہا تھا، خبر دینے والے دونوں جماعتوں سے علیحدہ تھے، لوگوں کی اکثریت اپنے شہروں میں تھی، نہ وہ جامع تھے نہ وہ جن کے لئے جمع کیا جا رہا ہو نہ وہ تھو جو خبر دینے والے ہوں،

۲۰۲۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مِّثْلُ  
فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ  
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ  
يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ  
وَإِنْ يَسْأَلُهُمُ الذُّبَابُ شَيْعًا  
لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ، ضَعُفَ  
الطَّالِبُ وَالْهَاطِلُوبُ،  
(سورۃ الحج: ۳۰)

اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو  
کان لگا کر سنو، (وہ یہ ہے کہ) اس میں کوئی شبہ نہیں  
جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ  
ایک (ادنیٰ) مکھی تو پیدا کر ہی نہیں سکتے، گوسب  
کے سب بھی دیکھو نہ جمع ہو جائیں، اور (پیدا  
کرنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے عاجز ہیں کہ) اگر ان  
سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو کھڑا ہی نہیں سکتے،  
ایسا عابد بھی پھر اور ایسا معبود بھی پھر“ (تھانوی)

۲۰۳۔ شافعیؒ نے فرمایا:

چنانچہ (یہاں) عبارت کے الفاظ ایسے عام ہیں جو تمام انسانوں پر صادق آتے ہیں، لیکن جو  
لوگ عربی زبان کے عالم ہیں اُن کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ اس عام لفظ سے بعض انسان  
مراد ہیں اور بعض نہیں ہیں، کیونکہ اس عبارت سے صرف ایسے لوگوں کو خطاب کیا  
جاسکتا ہے جو خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بناتے ہوں، اللہ تعالیٰ اُن کے اس قول سے  
بہت بلند ہے جو اس کے متعلق یہ (کفار کہتے یا کرتے) ہیں، کیوں کہ ان لوگوں میں مؤمن  
مخلوبِ عقل لوگ اور نابالغ بچے بھی تھے جو خدا کے ساتھ غیر کو معبود بنانے کی سمجھ ہی  
نہ رکھتے تھے،

۲۰۴۔ منبر مایا:

جو عربی زبان سے واقف ہیں اُن کے نزدیک یہ آیت سابقہ آیت کے مثل ہے، لیکن اس آیت سے بھی پہلی آیت غیر اہل علم کے نزدیک زیادہ واضح ہے، کیونکہ اس میں (معنی مقصود پر) کثرت سے دلائل موجود ہیں،

۲۰۵۔ شافعیؒ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ آفَضُوا مِنْ حَيْثُ آفَضَ النَّاسُ،  
”تم لوگ وہیں سے چلو جہاں سے دوسرے سب لوگ چلتے ہیں“

یہاں پورے علم کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرفہ میں تمام لوگ جمع نہیں ہوئے تھے، اور اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ہمراہیوں کو خطاب ہر، لیکن کلام عرب کے ذوق کے لحاظ سے یہ عبارت (لَا بَأْسَ بِالْكَفْلِ) صحیح ہے، (افضوا من حيث افاض الناس) یعنی جہاں سے (دوسرے) بعض لوگ چلتے ہیں تم بھی وہیں سے چلو،

۲۰۶۔ یہ آیت بھی سابقہ دو آیتوں کے ہم معنی ہے، اور عربوں کے نزدیک اس کا مفہوم کیسا ہر، البتہ زبان عرب سے ناواقف لوگوں کے لئے پہلی آیت دوسری آیت کے مقابلہ میں اور دوسری آیت تیسری کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہے، لیکن ساتھ ہی عربوں کے نزدیک ان آیتوں کی وضاحت مختلف نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک کم سے کم واضح بیان کافی ہے، زیادہ واضح بیان کی ضرورت نہیں ہوتی، سننے والا صرف کہنے والے کی بات کو سمجھنا چاہتا ہے تو کم سے کم واضح بیان جس سے بات سمجھ میں آجائے اس کے لئے کافی ہوتا ہے،

۲۰۷۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَوَّضْنَا النَّاسَ وَالْجِبَارَ،  
”جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں“  
(البقرة: ۲۴)

یہاں کتاب اللہ رہنمائی کر دیتی ہے کہ جہنم کے ایندھن صرف بعض لوگ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا  
الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُعَذَّوْنَ  
”جن لوگوں کو ہماری طرف سے پیشگی بھلائی حاصل ہو چکی صرف وہی لوگ اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے“  
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

# باب

وہ صنفِ کلام جس کا سیاق خود اُس کے معنی کو بیان کر دیتا ہے

۲۰۸۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

”ان سے اس بستی کے متعلق دریافت کیجئے جو سمندر کے کنارے آباد تھی، جہاں کے لوگ سینچر کے دن حد سے تجاوز کرتے تھے، کیونکہ سینچر کے دن مچھلیاں انھیں بڑی کثرت سے دستیاب ہوتی تھیں، اور جب سینچر کا دن نہ ہوتا تو وہ مچھلیاں بھی انھیں نہیں ملتی، ان کی بد اعمالی کی بناء پر ہم ان کی آزمائش اسی طرح کیا کرتے تھے۔“

۲۰۹۔ یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر اس طرح فرمایا کہ ”ان لوگوں سے اس بستی کے بارے میں دریافت کیجئے جو سمندر کے کنارے آباد تھی“ پھر جب یہ فرمایا کہ ”جہاں کے لوگ سینچر کے دن حد سے تجاوز کرتے تھے“ تو اس بات کی رہنمائی ہو گئی کہ بستی سے مراد صرف بستی کے رہنے والے ہیں، کیونکہ بستی (قریہ) بذاتِ خود نہ حد سے تجاوز کرتی ہے اور نہ سینچر وغیرہ کی پابندیوں توڑ کر فاسق ہی بنتی ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے ”عدوان“ سے مراد گاؤں کے صرف اُن لوگوں کو لیا ہے جن کی آزمائش اُن کی بد اعمالیوں کی بناء پر کر چکا ہے،

۲۱۰۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”اور کتنی ہی ظالم بستیوں کو ہم نے کچل ڈالا، اور ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کر دیا، پھر جب انھوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو یکایک وہ اس سے بھاگنے لگے۔“

وَكَمْ قَصَصْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ، فَلَمَّا أَحْسَسُوا بِآزَابِنَا إِذْ أَهْمُ مِنْهَا يَرْكُضُونَ،

(الانبياء: ۱۱، ۱۲)

(الانبياء: ۱۱، ۱۲)



۲۱۱۔ یہ آیت بھی اپنی ماقبل آیت کے ہم معنی ہے، اس آیت میں اولاً قریہ (بستی) کے کچل دینے کا ذکر فرمایا، آگے چل کر جب یہ ذکر فرمایا کہ وہ ظالم تھے، تو سننے والوں پر یہ واضح ہو گیا کہ ظلم کرنے والے صرف اہل قریہ تھے، نہ کہ قریہ اور اس کے منازل جو ظلم نہیں کر سکتے، پھر جب اُن کی جگہ دوسری نئی قوم کا ذکر فرمایا، اور ساتھ ہی تباہی کے موقع پر اُن کے عذاب کو محسوس کرنے کا ذکر کیا، تو اس سے بخوبی علم ہو گیا کہ وہ آدمی ہی ہیں جو عذاب کو پہچانتے ہیں،

—————

# باب

وہ صنف کلام جس کا لفظ ظاہری مفہوم سے ہٹ کر باطنی معنی پر دلالت کرتا ہے،

۲۱۲۔ اللہ تبارک و تعالیٰ برادرانِ یوسفؑ کا وہ قول نقل کرتے ہوئے جو انھوں نے اپنے والد سے کہا تھا فرماتا ہے:

وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا  
لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ، وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ  
الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا  
فِيهَا وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ،  
ہم نے نہیں گواہی دی مگر اپنی معلومات کی بناء پر، اور ہم غیب کی بات تو نہیں جانتے تھے، اور آپ اُس قریہ سے دریافت کر لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے معلوم کیجئے جس میں ہم آئے ہیں اور البتہ ہم یقیناً سچے ہیں۔  
(یوسف: ۸۱، ۸۲)

۲۱۳۔ یہ آیت اپنے معنی اور مطلب میں سابقہ آیات کی طرح ہے، زبانِ عربی کے علماء کے نزدیک ان آیات میں کچھ فرق نہیں ہے، ان لوگوں نے اپنے والد کو مخاطب کر کے صرف گاؤں کے رہنے والوں اور قافلہ والوں ہی سے سوال کرنے کو کہا، کیونکہ قریہ (گاؤں) اور قافلہ اُن کی سچائی کی خبر نہ دیتے،

—————

## باب

کلام اللہ کے وہ منزل الفاظ جو عام تھے اور سنت نے خاص طور پر رہنمائی کر دی کہ اُن سے مراد خاص معنی ہے

۲۱۴۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُور اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے اس کے متروکہ میں سے چھٹا حصہ ہے، بشرطیکہ میت کی اولاد ہو، اور اگر اس کی اولاد نہیں ہے اور صرف والدین ہی اُس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کو تہا ملے گا، اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، اس وصیت کے بعد جو اس نے کیا قرض کے بعد

وَلَا بَوَیْہٖ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَهُ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَهُ وَلَدٌ وَ وَّرِثَہٗ اَبَوَاہٗ فَلَا یَمَہُ الثَّلَاثُ فَاِنْ کَانَ لَهُ اِخْوَةٌ فَلَا یَمَہُ الشُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِہَا اَوْ ذَیْنٍ، (البقرۃ: ۱۰)

۲۱۵ اور فرماتا ہے:

”اور تمھارے لئے تمھاری بیویوں کے متروکہ کا نصف حصہ ہو بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو، لیکن اگر ان کی اولاد ہو تو تمھارے لئے اُن کے متروکہ مال سے ایک چوتھائی حصہ ہوگا اس وصیت کے بعد جو انھوں نے کیا یا قرض کے بعد اور ان بیویوں کو تمھارے متروکہ سے ایک چوتھائی حصہ ملے گا، بشرطیکہ تمھاری اولاد نہ ہو لیکن اگر تمھاری اولاد ہو تو ان بیویوں کو تمھارے متروکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا، اس وصیت کے بعد

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ کَانَ لَہُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَکُنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْنَ بِہَا اَوْ ذَیْنٍ وَلَہُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ فَلَہُنَّ النِّصْفُ مِمَّا تَرَکْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصَوْنَ بِہَا اَوْ ذَیْنٍ، (البقرۃ: ۱۲)

کے بعد جو تم نے کی ہو یا قرض کے بعد“

”اور اگر میت مرد یا عورت ہو جس کے اصول و فروع میں کوئی وارث نہیں اور اس میت کا کوئی بھائی یا بہن ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو سب کے سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے اس وصیت کے بعد جو میت نے کی ہے یا قرض کی ادائیگی کے بعد بغیر کسی کو ضرر پہنچائے، یہ اللہ کی وصیت ہے اور اللہ علم والا اور بردبار ہے“

۲۱۶۔ قرآن مجید نے بیان کر دیا کہ والدین اور زن و شو کے لئے مذکورہ حالات میں بیان کردہ حصے ملیں گے اور یہ عام حکم تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے بتلایا کہ یہاں تمام والدین اور زن و شو مراد نہیں ہیں، بلکہ بعض والدین اور بعض زن و شو مراد ہیں، یہ اس طرح کہ والدین اور اولاد نیز زن و شو کا دین ایک (یعنی اسلام) ہو، نیز یہ کہ وارث قاتل یا غلام نہ ہو،

۲۱۷۔ اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ عام ہیں کہ ”کی ہوئی وصیت کے پوری کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد وراثت تقسیم کی جائے گی،

۲۱۸۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ وصیت ایک تہائی مال میں محدود ہے اس سے تجاوز نہیں کرے گی، اور باقی دوثلث وارثوں کے لئے ہے، اور آپ نے یہ بھی بتلادیا کہ وصیت اور میراث دونوں میں قرض مقدم ہے، اور یہ کہ وصیت اور میراث اس وقت تک جاری نہ ہوگی جب تک کہ قرض خواہ اپنا قرضہ پورا وصول نہ کر لیں،

۲۱۹۔ اگر سنت کی رہنمائی نہ ہوتی اور لوگوں کا اجماع نہ ہوتا تو وصیت یا قرض کی ادائیگی کے بعد ہی میراث تقسیم ہوتی، اور نہ وصیت اس بات سے تجاوز کرتی کہ دین سے پہلے ادا کی جاتی، یا وصیت اور دین دونوں کو برابر درجہ دیا جاتا،

۲۲۰۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

”جب تم نماز کی تیاری کر دو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو، اور مسح کرو اپنے سروں کا اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھو ڈالو“

۲۲۱۔ یہاں اللہ جل شانہ نے چہرے اور ہاتھوں کی طرح دونوں پاؤں کے دھونے کا حکم فرمایا ہے، اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ دونوں پاؤں کے لئے دھونا ہی کافی ہے جو

چہرے کے لئے کفایت کرتا ہے یا مسح ہی کفایت کرتا ہے جو سر کے لئے کافی ہے، یہ بھی احتمال تھا کہ دونوں پاؤں کے دھونے یا مسح کرنے سے صرف بعض وضو کرنے والے مراد ہیں، بعض نہیں،

۲۲۲۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چرمی موزوں پر مسح فرمایا اور اس شخص کو بھی اس کا حکم دیا جس نے کامل طہارت کے بعد اپنے دونوں پاؤں کو موزوں میں داخل کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے رہنمائی کر دی، کہ پاؤں کے دھونے یا مسح کرنے کا حکم صرف بعض وضو کرنے والوں کے لئے ہے، اور بعض اس حکم میں نہیں آتے،

۲۲۳۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا  
اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا  
بِغْلًا مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَزِيزٌ  
حَكِيْمٌ، (المائدہ: ۳۸)

”چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو، ان کے کئے ہوئے عمل کے بدلے میں، خدا کی طرف سے یہ عبرتناک سزا ہے“

۲۲۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت بیان فرمادی کہ پھل یا شگوفہ کے توڑنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، نیز ہاتھ صرف اسی کاٹا جائے گا جس کے چوری کئے ہوئے مال کی قیمت چوتھائی دینا یا زیادہ ہو،

۲۲۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا  
كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ (النور)

”زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کے تلو کوڑے مارو“

۲۲۶۔ اور باندیوں کے حق میں فرمایا،

وَإِذَا أَحْصَنَ وَإِنْ آتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ  
يُصْغَبُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ  
الْعَذَابِ، (النساء: ۲۵)

”جب وہ نکاح کر لیں اور پھر زنا فاحشہ کی مرتکب ہو جائیں تو ان پر شادی شدہ (آزاد) عورتوں کی نصف سزا لازم ہے“

۲۲۷۔ تو قرآن نے اس بات کی رہنمائی کر دی کہ تلو کوڑے کی سزا آزاد مرد و عورت کے زنا کی سزا ہے، باندیوں کے لئے نہیں، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زانیوں کو رجم (سنگسار) کیا، اور انھیں کوڑے نہیں مارے تو سنت

رسول اللہ اس بات کی دلیل ہے کہ زانیوں کو تنو کوڑے مارنے کی صورت میں صرف آزاد غیر شاہی شدہ مرد و عورت مراد ہیں، اور یہ کہ چوری میں قطعید سے مراد وہ چور ہے جو بھلائی رکھے ہوئے مال میں سے چوری کرے، اور اس کے چورائے ہوئے مال کی قیمت ربع دینار تک پہنچے، ہر چور اور ہرزائی جس پر چوری اور زنا صادق آئے مراد نہیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۲۲۸۔ وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (الأنفال: ۴۱)

”تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ بھی غنیمت تم حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور ذوی القربی، یتامی، مساکین اور مسافروں کے لئے ہے“

۲۲۹۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربی کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا تو سنت رسول و ولایت کرتی ہے کہ وہ ذوی القربی جس کا اللہ تعالیٰ نے خمس میں حصہ رکھا ہے بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں دوسرے لوگ نہیں،

۲۳۰۔ حالانکہ تمام تشریش بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت والے ہیں، بلکہ قرابت کے لحاظ سے بنو عبد شمس بنو مطلب کے برابر ہیں، کیونکہ وہ سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہیں، اگرچہ باعتبار ولادت بنو مطلب کے بعض افراد بنو ہاشم سے الگ ہو جاتے ہیں، اور باقی دوسرے الگ نہیں ہوتے،

۲۳۱۔ پس جب کہ ان بنو مطلب کو جو باعتبار ولادت بنو ہاشم سے منفرد تھے خمس کا حصہ دیا گیا تو یہ اس امر کی دلیل ہوئی کہ دوسروں کو چھوڑ کر خصوصیت کے ساتھ بنو ہاشم کو جو حصہ دیا گیا تھا وہ اصل نسب قرابت کی بنا پر تھا، حالانکہ وہ (شعب ابی طالب) میں (محصوری کے دوران) نیز اس سے قبل اور اس کے بعد یہ سارے خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں اور ان امور میں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان سے چاہا ہو۔ شریک رہے،

۲۳۲۔ خود بنی ہاشم کی قریش میں اولاد تھی، لیکن ان میں کسی کو باوجود ہاشمی ہونے کے خمس میں سے کچھ نہیں دیا گیا، اور بنو نوفل بھی اصل نسب میں (بنو ہاشم، مطلب) کے مساوی تھے، اگرچہ وہ ان سے اس لحاظ سے الگ ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک علیحدہ



ماں کی اولاد ہیں،

۲۳۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ  
فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ،  
(الانفال: ۱۴۱)

متمتعین معلوم ہو کہ جو چیز بھی تم غنیمت سے حاصل  
کرو، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے  
رسولؐ کا ہے،

۲۳۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر قتل کرنے والے کو مقتول کا سامان مرحمت فرمایا  
تو سنت نبویؐ اس بات کی دلیل ہے کہ کتاب اللہ میں جو پانچویں حصہ غنیمت کا ذکر ہر وہ  
کافر مقتول سے حاصل شدہ کے سوا ہے، سلب وہ غنیمت ہو جس کو مسلمان مجاہد  
میدان جنگ میں آگے بڑھ کر کسی کافر کو قتل کر کے حاصل کرتا ہے، وہ جمع کئے ہوئے  
اسباب جو میدان جنگ میں حاصل کئے گئے ہیں، اور دشمنوں کا بچھا کر کے حاصل  
نہیں کئے گئے وہ سب از روئے سنت غنیمت میں شمار ہوں گے، جن کا خمس دوسرے  
اموال کے ساتھ نکالا جائے گا،

۲۳۵۔ اگر سنت سے استدلال نہ کیا جائے، اور ہمارا فیصلہ تشرآن کے ظاہری الفاظ کے مطابق  
ہو تو ہم ہر اس شخص کا ہاتھ قطع کر دیں گے جس پر چوری کا لفظ صادق آتا ہو، اور ہر زانی  
کے تنوؤ دے لگائیں گے، خواہ وہ شادی شدہ اور آزاد ہی کیوں نہ ہو، اس طرح ہم ہر  
قربدار کو جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی رشتہ داری بھی ہوگی ذوی القربہ  
حصہ دیدیں گے اگرچہ وہ عرب کے مختلف قبائل تک جا پہنچے، کیونکہ ان میں بھی آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کی گنتی ہوتی رشتہ داریاں ہیں، اس طرح ہم کسی مسلمان کے اپنے مقتول  
سے چھینے ہوئے سامان کو مال غنیمت میں شامل کر کے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیں گے  
کیونکہ یہ سامان دوسرے غنیمت کی طرح مال غنیمت ہے،

—————

## باب

اس بات کا بیان کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے نبیؐ کی سنت کی پیروی فرض فرما دی ہے؛

۲۳۷۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور فرض و کتاب کے پرچار کرنے کو اپنے رسولؐ کو ایک ایسے مقام پر فائز کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے آپؐ کو اپنے دین کے لئے ایک نمایاں رہنما بنایا ہے، جن کی فرماں برداری کو فرض اور نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے، اور آپؐ کی فضیلت کو اس طرح ظاہر فرمایا کہ اپنی ذات پر ایمان لانے کے ساتھ اپنے رسولؐ پر ایمان لانے کا حکم صادر فرمایا،

۲۳۸۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِۦ وَلَا تَقُوْلُوْا  
ثَلَاثَةً، اَنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ  
اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّ اَحَدٌ سُبْحٰنَہٗ اِنْ  
یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ، (النساء: ۱۷۱)

”ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور تین (فعل)  
مت کہو، اس سے باز آ جاؤ، یہ تمھارے لئے بہتر ہو  
اللہ صرف ایک ہی معبود ہے، وہ اس سے پاک  
ہو کہ اس کے کوئی اولاد ہو“

۲۳۸۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا  
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعًا  
عَلٰی اَمْرٍ جَامِعٍ کَمَیْدٍ یَّهْبُوْا حَتّٰی  
یَسْتَاْذِنُوْہٗ، (النور: ۶۲)

”بلاشبہ مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ  
پر ایمان لائے، اور جب وہ سب اُن کے ساتھ  
اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو رسولؐ کی اجازت کے بغیر  
وہاں سے نہیں جاتے،

۲۳۹۔ پس اللہ تعالیٰ نے ابتداءً ایمان کا کمال جس کے ماسوا سب امور اس کے تابع ہیں، اللہ

اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کو قرار دیا،

۲۲۰۔ تو اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے لیکن اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لائے تو اس پر ہرگز کمال ایمان کا اطلاق نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ وہ اللہ کے ساتھ اللہ کے رسولؐ پر بھی ایمان لے آئے،

۲۲۱۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کے بارے میں اس سنت کو اختیار کیا جس کے ایمان کا امتحان لیا،

۲۲۲۔ مالکؒ نے بلال بن اسامہ عطار بن یسارؓ عمر بن لُحَم کی وساطت سے یہیں بتایا کہ عمر بن لُحَم نے کہا میں ایک باندی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک گردن آزاد کرنا لازم ہے، کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں؟ حضورؐ نے اس باندی سے فرمایا ”اللہ کہاں ہے؟“ اس نے کہا ”آسمان کیا پھر آپؐ نے فرمایا ”اور میں کون ہوں؟“ اس نے کہا ”آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔“ تب آپؐ نے مجھ سے فرمایا، ”اس کو آزاد کر دو“

۲۲۳۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: عمر بن حکم دراصل معاویہ بن حکم ہیں، کیونکہ مالکؒ کے علاوہ دوسروں نے ایسے ہی (معاویہ بن حکم کے نام سے) روایت کیا ہے، اور میرا خیال ہو کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کا نام محفوظ نہ رکھ سکے،

۲۲۴۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنی وحی اور اپنے رسولؐ کی سنتوں کی اتباع کو مشرّع کر دیا،

۲۲۵۔ چنانچہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا  
مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ  
وَلُعَلَّهُمْ أَكْتُبَ وَالْحِكْمَةُ  
وَيُزَكِّيهِمْ، إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ (البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! اُن کے لئے اپنی میں سے ایک رسولؐ مبعوث فرما، جو اُن پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور اُن کو پاک کر دے، یقیناً تو عزت والا اور حکمت والا ہے۔

۲۲۶۔ اور اللہ جل شانہ نے فرمایا:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ

جیسا کہ ہم نے تم میں تمھارے ہی اندر سے ایک

رسول مبعوث کیا، جو تم میں ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور تم کو پاکیزہ بناتا ہے، اور تم کو کتابِ حکمت کی تعلیم دیتا اور تم کو وہ کچھ سکھاتا جو تم نہیں جانتے تھے“

يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ  
(البقرة: ۱۵۱)

۲۲۷۔ اور فرمایا:

”بلاشبہ اللہ نے مومنین پر اس لئے احسان جتایا کہ اُن کے لئے اُن ہی میں سے ایک کو رسول (پیغمبر) بنالیا جو اُن کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاکیزہ بناتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے قبل واضح گمراہی میں تھے“

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَيَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ، (ال عمران: ۱۶۳)

۲۲۸۔ اور اللہ جل شانہ نے فرمایا:

”وہی ہے جس نے ایموں میں سے اپنی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن پر آیات اللہ تلاوت کرتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ قبل ازیں وہ کھلی گمراہی میں تھے“

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَيَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ،  
(الجمعة: ۲۰)

۲۲۹۔ اور فرمایا:

”اور اپنے آپ پر اللہ کی نعمت یاد کرو اور اُن چیزوں کو جو میں نے تم پر کتاب و حکمت سے نازل کیں، جن کے ذریعہ وہ تمہیں نصیحت کرتے ہیں“

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِيُعْظِمَكُمْ بِهِ،  
(البقرة: ۲۳۱)

۲۵۰۔ اور فرمایا:

”اللہ نے تم پر کتاب و حکمت نازل کی، اور تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے، اور تم پر

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

تَعْلَمُ، وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ اللَّهُ كَبْرًا فَضْلُ هِيَ  
عَظِيمًا، (النساء: ۱۱۳)

۲۵۱۔ اور فرمایا:

”اے بیویو! تمہارے گھروں میں جو کچھ اللہ کی آیات اور حکمت تلاوت کی جاتی ہے اس کا ذکر کرتی رہو، بیشک اللہ (تعالیٰ) مہربان اور خبردار ہے“

۲۵۲۔ چنانچہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو کتاب کا ذکر کیا، جو قرآن ہے، اور حکمت کا ذکر کیا، مجھ کو اطمینان ہے کہ حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے،

۲۵۳۔ اور یہ تفسیر فرمودہ آئی سے زیادہ مشابہ ہے، واللہ اعلم،

۲۵۴۔ کیونکہ قرآن مجید کے ذکر کے بعد حکمت کا ذکر کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذریعہ اپنی مخلوق پر اپنا احسان بیان فرما رہا ہے، لہذا یہاں سنت رسول اللہ کے سوا کسی چیز کو (واللہ اعلم) حکمت کہنا جائز نہیں،

۲۵۵۔ اور یہ اس لئے کہ (حکمت) کتاب اللہ کے ساتھ متصلاً مذکور ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے، اور آپ کے حکم کی پیروی کو لازمی قرار دیا ہے، پس کسی قول کو سوائے کتاب اللہ کے پھر سنت رسول اللہ کے فرض نہیں کہا جاسکتا،

۲۵۶۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر ایمان لانے کو اپنے اوپر ایمان لانے کے ساتھ مقرون کیا ہے،

۲۵۷۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ کی سنت ہی قرآن پاک کے خاص و عام معنی مراد لینے کی رہنمائی کرتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ساتھ ہی حکمت کا ذکر کیا، اور حکمت کو کتاب کے تابع بنایا، اپنے رسول کے سوا دوسری مخلوق میں سے کسی کو یہ شرف نہ بخشا،

—————

# باب

اللہ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ فرض کیا ہے اور طاعت رسول کا ذکر جدا گانہ بھی فرمایا ہے،

۲۵۸۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”کسی مومن مرد یا مومن عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرمادیں تو اپنے معاملہ میں اپنے من کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ بے شک کھلی گمراہی میں جا پڑا،“

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُبِينًا،

(الاحزاب: ۳۶)

۲۵۹۔ اور فرمایا:

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اور اپنے اربابِ حل و عقد کی اطاعت کرو، پھر اگر کسی بات میں تمھارے درمیان تنازعہ ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف پلٹ دو، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر اور انجام کے لحاظ سے خوب تر ہے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُذِلِّي الْأَمْرَ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا،

(النساء: ۵۹)

۲۶۰۔ بعض اہل علم نے ”ادلی الامر“ کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان سے مراد رسول اللہ کے بھیجے ہوئے دستوں کے امیر ہیں، واللہ اعلم، ہمیں ایسی اطلاع ملی ہے،



۲۶۱۔ اور یہ قول فرمانِ الہی سے واللہ اعلم زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ مکہ کے اطراف میں جو عرب آباد تھے امارت (فرمانِ روائی) سے متعارف نہ تھے وہ آپس میں ایک دوسرے کی فرمانروائی کی بنا پر اطاعت کرنے کو معیوب سمجھتے تھے،

۲۶۲۔ پھر جب ان لوگوں نے رسول اللہ کی اطاعت قبول کر لی تو وہ رسول اللہ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کو درست نہیں سمجھتے تھے،

۲۶۳۔ لہذا انہیں حکم دیا کہ اُن اولی الامر کی اطاعت کرو جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر مقرر فرمادیں، خواہ اُن کے فیصلے تمہارے حق میں ہوں یا تمہارے خلاف، یہ اطاعت مشروط ہوگی مطلق نہیں، چنانچہ فرمایا کہ اگر کسی بات میں تمہارے اور ان کے درمیان تنازعہ ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ اور رسولؐ کو یاد کرو، اگر تمہارے درمیان کسی امر میں اختلاف واقع ہو جائے (تو اللہ اور رسولؐ کو سونپو)،

۲۶۴۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: یہ انشاء اللہ ایسا ہی حکم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ”اولی الامر“ کے بارے میں فرمایا، مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ اگر مسلمان اور ان کے امراء جن کی فسرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے کے درمیان تنازعہ ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ، یعنی واللہ اعلم، اللہ کے فرمان کی طرف واپس کرو، اور رسولؐ کے فرمان کی طرف پھیر دو، اگر تم اس کو جانتے ہو، اگر فرمان کو نہیں جانتے تو رسولؐ سے ملنے پر پوچھ لو، یا اس شخص سے پوچھ لو جو تم میں سے رسولؐ سے مل چکا ہے، اس لئے کہ یہ دہی فریقہ ہے جس میں تمہارے لئے کسی نزاع و اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ”کسی مؤمن یا مؤمنہ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کے بعد یہ حق نہیں پہنچتا کہ انہیں اپنے معاملہ میں کسی قسم کا اختیار باقی رہے،

۲۶۵۔ اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی معاملہ میں باہم اختلاف کرتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ اپنے معاملہ کو اللہ کے فیصلہ کی طرف واپس کریں، پھر اس کے بعد رسولؐ کے فیصلہ کی طرف رجوع کریں، اگر مستنازع فیہ معاملہ میں ان دونوں میں سے کسی کا کوئی حکم بطور نص موجود نہیں ہے تو پھر اس معاملہ کو قیاس کے طور پر ان دونوں میں سے کسی کے فیصلہ سے مقابلہ کریں، جیسا کہ میں پہلے ”قبلہ اور عدل اور مثل“ کے متعلق بیان کر چکا ہوں، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ایسا ہی بیان فرمایا ہے،

۲۶۷۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ  
مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَ  
الشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ  
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا، (النساء: ۶۵)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت  
کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھی ہوں گے جن کو  
اللہ نے انعام بخشا، مثلاً انبیاء، صدیقین،  
شہداء، صالحین، اور یہ لوگ بہترین رفیق  
ہیں۔

۲۶۸۔ نیز فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا  
اللَّهَ وَرَسُولَهُ، (الانفال: ۲۰)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے  
رسول کی۔

—————

## باب

اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے،

۲۶۹۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (الفتح: ۱۰)

”بلاشبہ جو لوگ آپؐ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان سب کے ہاتھوں کے اوپر ہے، سو جس نے عہد توڑ دیا اس کا وبال اس کے نفس پر پڑے گا، اور جس نے اپنے اس عہد کا جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ایفاء کیا تو خدا اس کو بہت جلد ایک بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا“

۲۷۰۔ اور فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، (النساء: ۸۰)

”جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی“

۲۷۱۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتایا کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت ہوتی ہے، اور اسی طرح انھیں یہ بھی بتایا کہ

جب وہ رسول اللہ ص کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ اللہ کی اطاعت ہوتی ہے،

۲۷۲۔ اور فرمایا:

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا

”قسم ہے تیرے رب کی وہ جو من نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے اختلافی امور میں آپؐ کو حاکم نہ بنالیں، اور پھر آپؐ کے فیصلہ پر اپنے نفس میں کسی قسم کی تنگی نہ محسوس کریں، اور اس کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتاب کا سب سے بڑا مفت مرکز

تَسْلِيْمًا، (النساء: ۶۵) پر اور تسلیم نہ کر لیں «

۲۷۳- ہماری اطلاع کے مطابق یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس نے حضرت زبیرؓ سے کسی زمین کے سلسلہ میں جھگڑا کیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمین کا فیصلہ حضرت زبیرؓ کے حق میں کر دیا تھا، واللہ اعلم،

۲۷۴- اور آپؐ کا یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، قرآن پاک کا منصوص حکم نہیں ہے،

۲۷۵- جو کچھ میں نے بیان کیا اس کی طرف، واللہ اعلم، قرآن پاک رہنمائی کرتا ہے، اس لئے کہ اگر (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن پاک (کی کسی آیت) کے موافق فیصلہ کرتے تو کتاب اللہ کا حکم منصوص ہوتا، اور یہ مناسب ہوتا کہ جب ایسے امر میں جو مشکل نہیں ہے کتاب اللہ کے منصوص حکم کو نہ تسلیم کریں تو مومن نہ رہیں، جب تنزیل (قرآن) کے حکم کو رد کر دیا اور اس کو تسلیم نہیں کیا (تو ظاہر ہے کہ مومن نہ رہے)،

نوٹ: انہم لیسوا بمؤمنین اذ ردوا حکم التنزیل فلم یسلموا (تبشک وہ مومن نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے قرآن کے حکم کو رد کر دیا مگر قرآن کے حکم کو تسلیم نہیں کیا)۔

۲۷۶- اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا، قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَسْتَلْلُونَ مِنْكُمْ يَؤَاظِرْ، فَلْيُحْذِرِ الَّذِينَ يَخْافُونَ عَنْ أَمْرِهِمْ إِنَّ نُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، (النور: ۶۳)

”جہنے درمیان رسول کی دعوت کو آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کی طرح نہ سمجھو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا جو آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں پس ان لوگوں کو جو اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا انھیں دکھ دینے والا عذاب نہ پہنچ جائے“

۲۷۷- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ

”اور جب اُن کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرنے تو ان میں سے ایک فریق اعراض کرتا ہے، اور اگر حق

الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ، أَلَمْ  
 قُلُوا بِهِمْ مَرَضٌ آمَأَزْتَابُوا، أَمْ  
 يَخَافُونَ أَنْ يَخِيفَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
 وَرَسُولُهُ، بَلْ أُولَئِكَ هُمُ  
 الظَّالِمُونَ ۝ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ  
 الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَ  
 رَسُولِهِ لِيُحْكَمَ بَيْنَهُمْ أَنْ  
 يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ  
 هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ  
 وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَتَقِيقَهُ  
 فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

(سورۃ نور: ۱۸، ۲۵)

ہوں گے

اُن کی موافقت میں ہو تو وہ اسے تسلیم کر لیتے ہیں،  
 کیا اُن کے دلوں میں مرض ہے یا وہ شک میں مبتلا  
 ہو گئے ہیں؟ یا انھیں پھر اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ  
 اور اس کا رسول اُن پر ظلم کرے گا؟ بلکہ (درحقیقت)  
 یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں، بلاشبہ جب اللہ اور اس کے  
 رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ اللہ ان کے درمیان  
 فیصلہ کر دے، تو مؤمنین کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ  
 ہم نے سنا اور فرمانبرداری کی "ایسے ہی لوگ کامیاب  
 ہونے والے ہیں، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول  
 کی اطاعت کرتے ہیں، اور خدا سے ڈرتے ہیں اور  
 تقویٰ اختیار کرتے ہیں، تو ایسے ہی لوگ فائز (الراہ)

۲۷۸۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتلایا کہ باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لئے  
 لوگوں کو اللہ کے رسول کی طرف بلانا (درحقیقت) بعینہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی طرف  
 بلانا ہے، کیونکہ ان کے درمیان حاکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جب لوگوں نے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول کر لیا تو انھوں نے آپ کے فیصلہ کو اللہ تعالیٰ  
 کے فرض کرنے کے موافق تسلیم کیا،

نوٹ:- آیہ کریمہ وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ اور مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ  
 فَخُذُوْهُ کی طرف اشارہ ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کو چاہتا ہے، نیز اِئْتُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
 دغیرہ بھی مؤید ہیں،

۲۷۹۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ کا حکم ہے، اس اعتبار  
 سے کہ اللہ ہی نے آپ کی اطاعت فرض کی ہے، اور اللہ جل شانہ کے علم میں موجود تھا  
 کہ اللہ نے آپ کو بُرائیوں سے بچنے اور خیر و ہدایت کی سعادت بخشی ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے  
 خود آپ کی رہنمائی کرنے اور آپ کے حکم کی اتباع کی شہادت دی ہے،  
 ۲۸۰۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنے رسول کی اطاعت کو لازم قرار دے کر اور یہ

بتلا کر کہ رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اپنے فرض کو محکم بنا دیا،

۲۸۔ غرض اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے ان ساری باتوں کو جمع کر دیا :

۱۔ انھیں خبردار کر دیا کہ اللہ کے حکم اور اللہ کے رسول کے حکم کی پیروی اُن پر فرض ہے،

۲۔ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے،

۳۔ پھر لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ پر اپنے حکم کی پیروی کو فرض کیا ہے، بزرگ و برتر ہے اللہ کی تعریف،

————— بنے بنے بنے بنے بنے بنے بنے —————



## باب

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے یہ بیان کر دیا ہے کہ اس نے اپنے رسولؐ پر اپنی وحی کی متابعت فرض کی ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے اس امر کی شہادت دی ہے کہ اللہ کے رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کے دیئے ہوئے حکم کی پیروی کی، اللہ کی ہدایت پر رہے، نیز جو لوگ رسول اللہؐ کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت کرتا ہے،

۲۸۲۔ شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: اللہ جل ثناہ اپنے نبیؐ سے خطاب کرتا ہے:

”اے نبیؐ اللہ سے ڈرو، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانو، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے، اور جو وحی آپؐ کے رب کی طرف آپؐ پر بھیجی جاتی ہے اس کی پیروی کیجئے، اللہ تعالیٰ اُن سائے اعمال سے جن کو تم کرتے ہو خبردار ہے“

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا، وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِيَّاكَ مِنْ رَبِّكَ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا

(الاحزاب، ۱ اور ۲)

۲۸۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”آپؐ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپؐ پر وحی بھیجی جاتی ہے اس کے مطابق عمل کیجئے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہوا اور آپؐ مشرکین سے منہ پھیر لیجئے“

اتَّبِعْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (الانعام: ۱۰۶)

۲۸۴۔ اللہ کا فرمان ہے:

”پھر ہم نے آپؐ کو احکام کی ایک شریعت دی ہے، پڑھنا ہے، آپ اس کی متابعت کریں، اور اُن

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ

الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ،  
لوگوں کی خواہشوں کی متابعت نہ کریں جن کو کوئی علم نہیں (الجاثیہ: ۱۸)

۲۸۵۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق اپنے رسولؐ کو اس احسان سے مطلع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو اپنی مخلوق سے محفوظ رکھے گا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ  
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ  
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ، وَاللَّهُ  
يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ،  
(المائدہ: ۶۷)

اے رسولؐ! جو کچھ آپؐ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچائیے، اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو (سمجھ لیں) کہ آپ نے اس کی پیغام رسانی کا فریضہ انجام نہ دیا، اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا

۲۸۶۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کی شہادت دی ہے کہ آپؐ شدت سے حکیم الہی کے پابند رہے، خود ہدایت پر رہے، اور جس نے آپؐ کی پیروی کی وہ بھی ہدایت یافتہ ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا  
مِّنْ أَمْرِنَا، وَمَا كُنْتَ تَدْرِي  
مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ  
وَلَكِن بَحَثْنَا كُورًا مِّنْ دُونِ  
مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا، وَإِنَّكَ  
لَمَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ  
(سورۃ الشعراء: ۵۲)

”اور اسی طرح ہم نے آپؐ پر اپنے امر کی روح وحی کی، آپؐ نہ کتاب کے واقف تھے اور نہ ایمان سے، لیکن ہم نے (اس وحی کو) ایسا نور بنایا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، اور بلاشبہ آپ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں“

۲۸۷۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَ  
رَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ  
أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا  
أَنْفُسَهُمْ، وَمَا يَضُرُّوكَ مِنْ  
شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ

”اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپؐ پر نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ آپؐ کو راہ سے گم کر دیں، حالانکہ وہ اپنے نفسوں کے علاوہ کسی کو گمراہ نہیں کرتے اور آپؐ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اللہ نے

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَيْكَ مَا كَمْ تَكُنْ  
تَعْلَمُ، وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ  
عَظِيمًا (النساء: ۱۱۳)

عظیم فضل ہے

۲۸۸۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اُس نے اپنے نبیؐ پر اپنے احکام کی متابعت فرض کی، اور اللہ نے اس بات کی گواہی دی کہ رسول اللہؐ نے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا پیغام پہنچا دیا، اور خود آپؐ نے اپنی تبلیغ پر شہادت دی، اور ہم بھی آپؐ کے لئے گواہی دیتے ہیں تاکہ آپؐ پر ایمان کے ذریعہ ہم کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو، اور آپؐ کے کلمات کی تصدیق اللہ کے قرب کا وسیلہ بن جائے،

۲۸۹۔ ہمیں عبدالعزیز نے عمرو بن ابی عمرو مولیٰ مطلب کے واسطے سے اور انھوں نے مطلب بن حنطب کے واسطے سے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے ان امور میں سے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کسی امر کو نہیں چھوڑا، مگر میں نے تم کو ضرور اس کا حکم دیا، اور نہ میں نے اُن امور میں سے کسی کو چھوڑا جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا ہے، مگر میں نے تم کو ضرور اس سے منع کیا۔“

۲۹۰۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تو اب جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اٹل فیصلہ کے ذریعہ اپنے اس فضل اور اپنی اس رحمت کے متعلق بتلادیا جو اس نے حضورؐ کو بخشی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ نے آپؐ کو اس بات سے محفوظ کر لیا کہ آپؐ کو لوگ گمراہ کرنے کا ارادہ کریں، اور اس نے حضورؐ اور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیدی کہ یہ لوگ آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے،

۲۹۱۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس شہادت سے کہ آپؐ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو اللہ کا راستہ ہے، نیز اس بات کی شہادت سے کہ آپؐ نے رسالت کا فریضہ انجام دیا، اور اللہ کے حکم کی پیروی کی، اور اس بات کی وضاحت سے کہ اللہ نے رسولؐ کی اطاعت کو فرض کیا ہے جس کی تاکید ان آیات میں ہے جن کو میں نے ذکر کیا اللہ نے اپنی مخلوق پر یہ حجت قائم کر دی کہ وہ رسول اللہ کے حکم کو مانیں، اور اُن کی فرمانبرداری کریں،

۲۸۔ مشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس امر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم موجود نہ تھا، تو یہ طریقہ آپ نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے جاری فرمایا، ایسی ہی خبر ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی ہے:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ”اور بلاشبہ آپ اس صراط مستقیم کی صِرَاطِ اللہِ الَّتِي لَمْ يَكُنْ لَهَا مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (الشوریٰ: ۵۲)

۲۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی موجودگی میں کچھ طریقے (احکام) جاری کئے، اور کچھ احکام ان امور میں صادر فرمائے جن کے متعلق بعینہ کوئی حکم کتاب میں منصوص نہیں،

۳۰۔ بہر حال جو کچھ حضورؐ نے صادر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اس کی اطاعت کو لازم گردانا ہے، اور اس نے آپؐ کی پیروی میں اپنی اطاعت منحصر کر دی، اور آپؐ کی پیروی سے سہم تابی کو ایسی معصیت قرار دیا، جس کے لئے کسی مخلوق کو معذور نہیں سمجھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں (سنن) کی پیروی کے سوا کوئی عذر کسی کے لئے روا نہیں رکھا، ان سب کی دلیل وہ آیات ہیں جن کو میں بیان کر چکا ہوں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

۳۱۔ سفیان نے سالم سے انھوں نے ابو النضر مولیٰ عمر بن عبد اللہ سے انھوں نے عبید اللہ بن ابی واضح کو اپنے والد کی وساطت سے یہ روایت کرتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تم میں سے کسی کو اپنے تخت پر آرام کرتے ہوئے ہرگز نہ پاؤں کہ اس کے سامنے میرے اوامر و نواہی میں سے کوئی حکم یا مانعت آجائے تو کہے کہ میں کچھ نہیں جانتا ہم نے جو کچھ کتاب اللہ میں پایا اس کا اتباع کیا،

۳۲۔ سفیانؒ نے فرمایا کہ محمد بن مسکد نے ہم سے اس حدیث کو مرسل روایت کیا،

۳۳۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: اس روایت میں اریکہ سے مراد تخت ہے،

۳۴۔ کتاب اللہ کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ کتاب اللہ میں نص موجود ہے، جن کی پیروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق کی، دوسری صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ

میں ایک جملہ مذکور ہو جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمادیا کہ اس جملہ سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے، پھر آپ اس حکم کے فرض کی کیفیت بیان فرمادیں، کہ یہ حکم عام ہے یا خاص، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے اس کی بجا آوری کس طرح چاہتا ہے، درحقیقت ان دونوں صورتوں میں آپ نے کتاب اللہ کی پیروی کی ہے،

۲۹۹۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اہل علم میں سے کسی کے متعلق یہ علم نہیں ہوا کہ اس نے اس امر میں مخالفت کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں تین قسموں پر منقسم ہیں جن میں سے دو قسمیں ایسی ہیں جن پر تمام علماء متفق ہیں،

۳۰۰۔ یہ دو صورتیں باہم ملتی بھی ہیں اور جدا جدا بھی ہیں، ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کے بارے میں نص کتاب اللہ ہے، اور رسول اللہ نے کتاب اللہ کے نص کے مطابق حکم بیان فرمادیا، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں بطور اجمال بیان کیا، اور رسول اللہ نے اللہ کی طرف سے اس کے ان معانی کی وضاحت فرمادیا جن کو اللہ تعالیٰ نے مراد لیا ہے، یہ ہیں سنت کی دو صورتیں جن میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے،

۳۰۱۔ تیسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ نے کسی معاملہ میں ایک حکم صادر فرمادیا اس کے بارے میں کتاب اللہ میں کوئی نص موجود نہ ہو،

۳۰۲۔ تو اس صورت میں اہل علم کا اختلاف ہے، ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اطاعت فرض کی ہے، اور اس کے علم سابق میں یہ بات موجود ہو کہ وہ آپؐ کو اپنی رضامندی کی توفیق بخشے گا، آپؐ کو اللہ کی طرف سے یہ اجازت ہو کہ آپ جس معاملہ میں کتاب اللہ کا کوئی منصوص حکم موجود نہ ہو اس کے متعلق اپنی سنت اور اپنا حکم صادر فرمادیں،

۳۰۳۔ بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے کوئی سنت ایسی نہیں جاری کی جس کی اصل کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے، جیسے نمازوں کی تعداد اور اس کی علی شکل بیان کرنے میں آپؐ کی سنت کا دار و مدار قرآن مجید کا وہ اجمالی حکم ہے جس میں نماز فرض قرار دی گئی ہے، اور اسی طرح خرید و فروخت وغیرہ کے متعلق جو احکام آپؐ نے صادر فرمائے ان کی بنا



قرآنی حکم پر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم  
بِالْبَاطِلِ (النساء: ۲۹) نہ کھاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور ربا کو حرام“

چنانچہ جن چیزوں کو رسول اللہؐ نے حرام یا حلال کیا اُن کو آنحضرتؐ نے خدا کی نجات سے واضح فرمایا، جیسا کہ آپؐ نے نماز کی توضیح فرمائی،

۳۴۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ سنت اللہ تعالیٰ کے پیغام کے ذریعہ آپؐ کے پاس آئی تھی تو آپؐ کی سنت اللہ کے فرض کرنے پر ثابت ہوئی،

۳۵۔ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ ہر وہ سنت جس کو آپؐ نے جاری کیا وہ آپؐ کے قلب میں بر

القا ہوئی تھی، اور آپؐ کی سنت ہی وہ حکمت ہے جو خدا کی طرف سے آپؐ کے احکام پر القاء کی گئی، تو جو کچھ آپؐ کے قلب پر وارد ہوا وہی آپؐ کی سنت قرار پائی نعمتوں پر

۳۶۔ ہمیں عبدالعزیز نے عمرو ابن عمرو اور مطلب کے واسطے سے خبر دی کہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”روح الامین نے میرے قلب میں یہ بات ڈالی کہ کوئی نفس اُس وقت کرسکتی، بلکہ یہ نہیں مرتاجب تک کہ اپنا رزق پورا حاصل نہ کر لے، لہذا تم رزق کے طلب احکام کرنے میں اپنے طریقوں کو اختیار کرو“

۳۷۔ لہذا جو چیز حضور انورؐ کے قلب میں ڈالی گئی وہی آپؐ کی سنت ہے، اور وہی حکمت

ہو جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور جو وحی کتابی صورت میں آپؐ پر نازل

ہوئی وہ کتاب اللہ ہے، اور جو کچھ بھی آپؐ کو دیا گیا وہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادے

کے مطابق خدا کی دیگر نعمتوں کی طرح ہے، یہ اگرچہ اپنی خصوصی شکل میں ایک دوسرے

سے علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہیں، لیکن نعمت کے لفظ میں جمع ہو جاتی ہیں، خدا ہم کو عصمت

www.KitaboSunnat.com

و توفیق عطا فرماتے،

۳۸۔ بہر صورت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی الاعت کے فرض ہونے کو واضح فرمادیا،

اور یہ جاننے کے بعد کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اپنی مخلوق میں سے کسی



کے لئے اس کی مخالفت کا کوئی عذر باقی نہ چھوڑا، اور یہ واضح کر دیا، کہ تمام لوگ اپنے دین میں رسول اللہ کے محتاج ہیں، اور لوگوں پر یہ حجت قائم کر دی کہ کتاب اللہ میں مذکورہ فرائض سے اللہ تعالیٰ کے معافی مراد کو بیان کرنے والی سنت رسول ہی ہے، تاکہ ہمارے سابقہ بیان کی روشنی میں ہر شخص یہ یقین کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت خدا کی طرف سے اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کی جس کتاب کی وہ تلاوت کرتے ہیں اس میں بیان کردہ فرائض سے اللہ تعالیٰ کے کون معافی مراد ہیں، اور جن امور میں کتاب اللہ کی نص موجود نہیں دوسری سنتیں اُن کے ثبوت میں وہی شان رکھتی ہیں جو کتاب اللہ میں بیان کردہ فرائض کے حق میں اُن کی شان ہے، خواہ وہ کسی معاملہ میں ہوں، اللہ تعالیٰ کا حکم رسول کے حکم سے مختلف نہیں ہو سکتا، بلکہ ہر حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہے، اُس حدیث کے بھی یہی معنی ہیں جس کو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان لیا حضرت ابو رافع کے ۲۹۵ پر روایت کیا ہے،

جن کو اللہ انشاء اللہ تعالیٰ، ایسی سنت کا جو کتاب اللہ کے منصوص اور غیر منصوص کو نہیں ہے وہ ہو عنقریب ذکر کریں گے،

۳۰۱۔ تیسری صم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو بیان کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں منصوصہ امور کو بیان کرتی ہو، چنانچہ اس کے مجملہ اولاً وہ احادیث جو کتاب اللہ کے نسخ و منسوخ پر دلالت کرتی ہوں، پھر فرائض منصوصہ کے متعلق جو کچھ سنت نے واضح کیا ہو، پھر اُن مجمل فرائض کا بیان جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی طرف سے ان کی کیفیت بیان کی ہو اور ان کے اوقات بتلائے ہوں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اُن احکام عامہ کو بیان کریں گے جن سے مراد بھی عام ہی ہو، پھر اُن عام احکامات کو جن سے مراد خاص ہو، پھر اُس سنت کو ذکر کریں گے جو ایسے امر میں ہو کہ اس کے متعلق کتاب اللہ میں کوئی نص موجود نہیں،

—————

## ابتداء مناسخ و منسوخ

۳۱۱۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے سابق علم کے لحاظ سے اپنی مخلوق اور ان کی تخلیق سے جو کچھ بھی ارادہ فرمایا اس کے مطابق اس نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا، اس کے حکم کو کوئی پیچھے نہیں ڈال سکتا، اور وہ حساب بھی بہت جلد لینے والا ہے،

۳۱۲۔ اور ہر شے کے بیان پر مشتمل کتاب اُن کو عطا فرمائی، جو اُن کے لئے ہدایت اور رحمت بنی، اس میں کچھ ایسے فرائض معسر فرمائے جو ناقابل منسوخ تھے، اور کچھ ایسے جن کو منسوخ فرمایا گیا، یہ اپنی مخلوق سے بوجھ ہلکا کرنے اور ان کے اعمال میں وسعت پیدا کرنے کے لئے اس کی رحمت کا تقاضا تھا، یہ درحقیقت ابتدائی نعمتوں پر مزید نعمت کا اضافہ سمجھنا چاہئے، پھر آخر میں فرائض مستررہ کی، بجا آوری پر ثواب عطا فرما کر اور اپنے عذاب سے نجات دے کر اس نعمت کی انتہاء فرمادی، خلاصہ یہ کہ احکام غیر منسوخہ و منسوخہ دونوں اس کی رحمت عامہ کے پیش نظر ہیں، تو پھر اس کی نعمتوں پر اس کی تعریف سزاوار ہے،

۳۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اس امر کو بھی واضح کر دیا کہ کتاب اللہ کے احکام کتاب اللہ ہی کے ذریعہ منسوخ ہو سکتے ہیں، سنت ان احکام کو منسوخ نہیں کر سکتی، بلکہ یہ کتاب اللہ کے تابع ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کتاب اللہ کے منصوص احکام ہیں اس کی تابع ہے، ہاں کتاب اللہ کے محل احکام کی مفسرہ ضرور ہے،

۳۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَنْتَلِ عَلَيْهِمْ اَيَاتِنَا يَتَّبِعُ  
قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا  
اَتَيْتَ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا وَبَدَّلَ لَهُ  
قُلُومًا يَكُونُ فِيْ اَنْ اُبَدِّلَ لَهُ مِنْ  
تِلْكَ نَفْسٍ اَنْ اَتَّبِعَ اِلَّا مَا يُوحٰى  
اِلٰى اَتٰى اَخَاتُ اَنْ عَصَيْتُ رِبِّىْ  
عَنْ اَبِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ، (یونس: ۱۵)

اور جب اُن کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہو (آپسے) یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا (دورا، قرآن لائے یا رکم سو کم) اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے، آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں، بس میں تو اُس کا اتباع کروں گا، جو میرے پاس

وحی کے ذریعہ سے پہنچائے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کر دوں تو میں ایک بڑے بھاری  
 عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں“

۳۱۶۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ اطلاع دیدی کہ اس نے اپنے نبی پر وحی کی اتباع فرض  
 کر دی ہے، اور اُن کو یہ حق نہیں دیا کہ اس میں اپنی ذات سے کوئی ترمیم کر سکیں،

۳۱۷۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں (مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبْدِلَهُ مِنْ تَلْقَاءُ نَفْسِي)  
 اسی بات کا بیان ہے جو ہم نے پہلے کہی ہے، کہ کتاب اللہ کو کتاب اللہ ہی منسوخ کر سکتے  
 ہیں، جس طرح ابتداءً فرض کرنے کا حق اس کو ہے اسی طرح احکام کو نسخ کرنے  
 اور ثابت رکھنے کا حق بھی اسی بڑی تعریف والی ذات کو ہے، اس کی مخلوق میں سے  
 کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا،

۳۱۸۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ  
 عِنْدَهُ أُمَمٌ أَمْكَتَابٍ،

اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور ثابت رکھتا  
 ہے، اصل کتاب اسی کے پاس ہے“

(سورۃ الرعد: ۳۹)

(سورۃ الرعد: ۳۹)

۳۱۹۔ بعض اہل علم نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا ہے کہ اس آیت میں اس امر پر دلالت  
 موجود ہے کہ جس معاملہ میں کتاب اللہ میں کوئی حکم نصاً موجود نہیں ہے، اس میں اللہ کے  
 رسول کو یہ حق ہے کہ بتوفیق اللہ اپنی طرف سے اس پر کوئی حکم مرحمت فرمادیں، اللہ عالم  
 ۳۲۰۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یمحو اللہ ما یشاء کے یہ معنی ہیں کہ جس فرض کو خدا چاہے منسوخ  
 فرمائے اور جس کو چاہے ثابت رکھے، دیگر اقوال کی نسبت سے یہ قول زیادہ بہتر ہے، واللہ اعلم

۳۲۱۔ نیز کتاب اللہ میں اس مسئلہ پر اور دلیل بھی موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا تَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِمَّا أَوْ مِثْلَهَا، أَلَمْ تَعْلَمْ  
 أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

”ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا آیت  
 ہی کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں، تو ہم اچھے  
 آیت سے بہتر یا اُس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں“

(سورۃ البقرہ: ۱۰۶)

۳۲۲۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ خبر دی ہے کہ قرآن کی کسی آیت کا موقوف کرنا یا اس کے  
 نزول میں تاخیر یہ دونوں امر کتاب اللہ ہی جیسی چیز سے ہو سکتے ہیں،

۳۲۲۔ اور فرمایا:

وَلَا تَبْدِلْ لَنَا آيَةً مِّمَّا كُنَّا آيَةً فِيهِ ،  
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْزُلُ ، قَالُوا  
اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ ،  
(سورة النحل: ۱۰۱)

”اور جب ہم کسی آیت کو بجائے دوسری آیت کے بدلتے ہیں، اور حالانکہ اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے، تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ افتراء کرنے والے ہیں“

۳۲۳۔ اسی طرح سنت رسول صلعم کو سنت ہی منسوخ کر سکے گی، اور اگر کسی امر میں رسول صلعم کی معترکہ ہوئی سنت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی دوسرا حکم صادر کیا گیا ہوگا، تو رسول ہی اس حکم کو بطور سنت مقرر فرمادیں گے، حتیٰ کہ لوگوں سے اس کی بھی وضاحت فرمادیں گے کہ یہ دوسری سنت پہلی مخالف سنت کے لئے ناسخ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں یہ طریقہ موجود ہے،

۳۲۴۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن کا قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کر دینا تو ہمارے نزدیک ثابت و موجود ہے، کیونکہ قرآن کے نسخ کے لئے اس کا کوئی مثل موجود نہیں، تاکہ اس کے ذریعہ نسخ تصور کیا جاسکے، لیکن آپ سنت میں بھی ہم کو یہ ثابت کر کے دکھائیں؟

۳۲۵۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس سے قبل میں نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنے رسول کی اتباع فرض کی ہے، اور اسی وجہ سے سنت رسول کا مقبول کیا جانا خدا کی طرف سے تصور کیا جائے گا، اب جو شخص بھی سنت کی اتباع کرے گا وہ کتاب اللہ کے حکم کی بناء پر کرے گا، اور کسی خیر کو بندوں پر لازم ہونے کے لئے ہم کتاب اللہ اس کے بعد سنت رسول اللہ صلعم سے زیادہ بہتر کسی چیز کو نہیں پاتے، تو اب جبکہ میرے بیان کے مطابق سنت کی یہ شان ہے، تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے کلام کو سنت سے مشابہت نہیں ہو سکتی، اور اس بناء پر سنت کو وہی شے منسوخ کر سکتی ہے جو سنت کی مثل ہو، سنت کی مثل کا سوائے سنت رسول اللہ صلعم کے وجود نہیں، کیونکہ جو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے، وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں عطا فرمایا، بلکہ مخلوق پر آپ کی اتباع میں آپ کے حکم کی بجا آوری لازم فرمادی، اس طرح تمام مخلوق آپ کی تابع ہے، اور تابع کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس کی اتباع اس پر فرض ہے اس کے خلاف کرے، اور جس شخص پر سنت

رسول اللہ کی اتباع فرض کی گئی ہے، اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ سنت کے خلاف کر دے اور نہ اس کا یہ مقام ہے کہ سنت سے کسی چیز کو منسوخ کر سکے، ۳۲۷۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ سنت منسوخ تو ہم تک نقل ہو کر پہنچ گئی ہو، اور سنت نسخہ نقل ہو کر نہ پہنچی ہو؟

۳۲۸۔ لیکن اس کا احتمال نہیں ہے، اور یہ احتمال ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ جو چیز موقوف کی گئی ہو وہ تو ہم تک منقول ہو کر پہنچ جائے اور جس امر کو فرض کیا گیا ہو وہ ہم تک نہ پہنچے؟ کیونکہ اگر یہ جائز مان لیا جائے تو پھر عام لوگوں کے حق میں عام سنتیں معطل ہو کر رہ جائیں گی کیونکہ وہ یہ کہہ سکیں گے کہ شاید یہ سنت منسوخ ہو گئی ہو، حالانکہ کوئی فرض ایسا نہیں ہے کہ جس کے منسوخ ہونے کے بعد اس کے مقام پر دوسرا فرض معتبر نہ کیا گیا ہو، مثلاً بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ کیا گیا تو اس کی جگہ کعبۃ اللہ کو قبلہ معتبر کیا گیا چنانچہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے ہر منسوخ کی یہی عورت ہے،

۳۲۹۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ کیا سنت قرآن کے ذریعہ بھی منسوخ ہو سکتی ہے؟ ۳۳۰۔ کہا جائے گا کہ اگر قرآن کے ذریعہ کسی سنت کو منسوخ کیا گیا تو اس نسخ کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت ہی بیان کرے گی کہ سابقہ سنت کا حکم اس دوسری سنت سے منسوخ ہو گیا، اور یہی امر لوگوں پر حجت ہو جائے گا کہ ایک شے اپنے مثل کے ذریعہ منسوخ ہوئی (نہ کہ کسی دوسرے ذریعہ سے)،

۳۳۱۔ اگر قائل یہ کہے کہ آپ کے قول پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟

۳۳۲۔ تو میں نے اپنی اسی کتاب میں اپنے مقام پر جو یہ بتایا ہے کہ آپ رسول اللہ صلعم اللہ تعالیٰ کے فرائض سے اللہ کے معنی مراد کو بیان کرنے والے تھے، بغیر حکم خداوندی آپ کچھ نہ فرمایا کرتے، اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کے کسی حکم کو منسوخ فرماتا تو آپ سابقہ سنت کے مقام پر دوسری سنت مقرر فرما دیتے (یہی میرا بیان میرے قول کی دلیل ہے)۔

۳۳۳۔ اور اگر جائز تسلیم کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت قرآن کے ذریعہ منسوخ ہو گئی، اور اس منسوخ ہونے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلعم سے کوئی سنت ہم تک منقول ہو کر نہیں پہنچی، تو پھر یہ بھی جائز ہو جائے گا کہ یہ کہہ دیا جائے



جب نبی پیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمائی ہیں وہ سب اس آیت (وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الزَّيْنَةَ) کے نازل ہونے سے قبل حرام فرمائی تھیں، اور زانیوں میں جن لوگوں کو آپ نے جہم کیا اس میں احتمال ہے کہ آیت (وَالزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ) کے ذریعہ منسوخ ہو گیا ہو، اور مسیح علی الخفین میں یہ کہا جائے کہ وضو کی آیت نے اس کو منسوخ کر دیا ہے، اور یہ بھی جائز ہو گا کہ چوری کی چوری میں کہہ دیا جائے خواہ چور پر غیر محفوظ مال سے چوری کرے یا دینار کی قیمت کے کم درجہ سے کرے (اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، کیونکہ قطع ید کے لئے آیت میں محفوظ اور غیر محفوظ یا ربع دینار وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا) چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو“ کیونکہ چوری کا لفظ ہر اس شخص کے فعل پر صادق آتا ہے جو کسی کا مال بغیر حق کے لیے، خواہ کم ہو یا زیادہ، محفوظ ہو یا غیر محفوظ،

اور جائز ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث کو یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ حضور نے اس طرح نہیں فرمایا ہو گا، کیونکہ تنزیل میں اس کی مثال موجود نہ پائے گا،

خلاصہ یہ کہ ان مذکورہ دو طریقوں سے لازم آتا ہے کہ ہر وہ سنت رسول کہ جس میں کتاب اللہ کی موافقت کا صرف احتمال ہو رد کر دی جائے، حالانکہ ہمیشہ ہر سنت کتاب کے موافق ہی ہو ا کرتی ہے، کیونکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو اس میں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ اس کا لفظ ایک طرز پر تنزیل کے مخالف نظر آئے اور یہ احتمال ہوتا ہے کہ اس کے معنی تنزیل کی نسبت سے کچھ زائد مفہوم کو بتلائے ہوں، اور یہ بھی کہ کسی ایک شکل میں بالکل ہی مخالف ہوں،

۳۳۔ اور کتاب اللہ و سنت رسول گزشتہ تمام امور کی مخالفت اور بہائے بیان کی تائید میں ہیں،

۳۴۔ اور کتاب اللہ کل بیان ہی (وہ بیان ہی) جو ایمان پان کے لئے شفاء ہو، اور اسی میں خدا کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس درجہ کا بیان ہے جو کتاب اللہ اور اس کے دین و آپ کی اتباع اور خدا کی جانب سے آپ کے قیام کے متعلق ہے،



## وہ ناخ و منسوخ جس کے بعض حصہ کو کتاب اللہ اور بعض حصہ کو رسول کی سنت بیان کرتی ہے؛

۳۳۶۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض اہل علم نے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازوں کی فرضیت سے قبل نماز کا ایک فرض نازل فرمایا تھا، ارشاد فرمایا تھا:

يَا أَيُّهَا الْمَرْمِلُ، قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا، نَصَفَهُ أَوْ انْقَضَ مِنْهُ قَلِيلًا، أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَبُّكَ الْقَرُّ أَنْ تَرْتِيلًا

لے پڑوں میں لیٹنے والے رات کو (نمازیں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی رات، یعنی نصف رات، ذکر اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو، یا اس نصف سے کسی قدر تھوڑا سا کم کر دو، یا نصف سے کچھ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو کہ ایک ایک حرف الگ معلوم ہو،“

(سورۃ مزمل: ۴)

پھر اسی سورت میں ساتھ ہی اس حکم کو منسوخ فرمادیا گیا، ارشاد فرمایا:

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنَصَفَهُ وَ ثُلُثُهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَنَعَكَ، وَاللَّهُ يَقِينٌ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ، عَلِمَ أَنَّ لَكَ مَخْصُوعَةً فَتَابَ عَلَيْكَ فَاقْرَأْ أَمَّا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ، عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنكُمْ مَّرْضَىٰ وَ الْآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَ الْآخَرُونَ يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَأْ أَمَّا تيسَّرَ مِنْهُ وَ اَيِّمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ،

(سورۃ المزمل: ۲۰)

۳۲۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے نصف شب کے قیام یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ کا حکم دے کر یہ ذکر فرمایا: اَذِّنِي مِنْ لَيْلِي اللَّيْلِ وَنِصْفَتِهَا وَتِلْكَ مِنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ، تو فرماتے ہوئے فرمادیا: عَلِمَ اَنْ سَتَكُوْنَ مِنْكُمْ مَرَضِي (الى اخر الاية)

۳۳۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لہذا کتاب اللہ میں رات کا قیام اور اس کا نصف اور اس سے کم اور اس سے زیادہ کا فَاَقْرُؤْ مَا تَشَاءُ مِنْهُ کے ذریعہ منسوخ کیا جانا واضح ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاَقْرُؤْ مَا تَشَاءُ مِنْهُ میں دو معنی کا احتمال ہے:

۳۴۔ ایک تو یہ کہ ناسخ فرض ثابت ہو، کیونکہ اس کے ذریعہ اس کا غیر فرض منسوخ کیا گیا۔

۳۵۔ دوسرے یہ کہ یہ بھی کسی دوسرے فرض کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا ہو، اسی طرح جیسے کہ اس کے ذریعہ اس سے قبل کا فرض منسوخ کیا گیا، اور یہ احتمال اللہ کے اس فرمان سے پیدا ہوا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ، عَلَى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا، تو اب احتمال ہے کہ یہ فرمانا دَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ سے مراد اس فرض کے علاوہ جو فَاَقْرُؤْ مَا تَشَاءُ مِنْهُ سے کیا گیا تھا تہجد پڑھنا مراد ہو،

۳۶۔ لہذا ہم پر واجب ہوا کہ ان دو احتمالوں میں سے کسی ایک کے متعلق ہم سنت سے استدلال کریں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہم کو یہ معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں کے علاوہ اور کوئی فرض نہیں ہے، اور ان کے علاوہ ان سے قبل جو کچھ فرض تھا وہ سب ان پانچ نمازوں کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا، چنانچہ قیام لیل اور اس کا نصف اور تہائی اور جو قرآن سے پڑھنا آسان ہو اس کے منسوخ ہونے پر فتہجّد بہ نَافِلَةً لَّكَ سے استدلال کیا گیا،

۳۷۔ لیکن کسی کے حق میں ہم یہ اچھا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب کے ذریعہ تہجد کو سہولت کے پیش نظر نفل قرار دیا ہے، اُس کو چھوڑ دے، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے، یہ معاملہ جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی ہم کو زیادہ محبوب ہوگا،

۳۸۔ ہم کو مالکؒ نے اپنے چچا ابو سہیل بن مالک سے بروایت اُن کے والد کی خبر دی کہ انہوں نے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کو فرماتے سنا: اہل نجد میں سے ایک عربی پر آگندہ ہال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جس کی آواز کی جھنجھٹا تو ہم سن رہے تھے، لیکن اُس کی بات سمجھ میں نہ آرہی تھی، حتیٰ کہ وہ ہم سے قریب ہوا تو

پتہ چلا کہ وہ سوال کر رہا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دن درات میں پانچ نمازیں، اس نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ مجھ پر کچھ اور بھی نمازیں فرض ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا، نہیں، الا یہ کہ تم بطور نفل ادا کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے رمضان مبارک کے روزوں کا ذکر کیا، اس نے کہا اس کے علاوہ کچھ اور بھی؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تم نفلی طور پر رکھو، چنانچہ وہ اعرابی یہ کہتا ہوا واپس چل دیا کہ: خدا کی قسم! نہ میں اس میں زیادتی کروں گا اور نہ اس میں کمی کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر اس نے سچ بولا ہے تو یہ کامیاب ہو گیا،

۳۴۵۔ اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس طرح) روایت کیا ہے:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، لہذا جو شخص ان کے حقوق کو معمولی نہ سمجھ کر ان کو ضائع نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا اس سے یہ وعدہ ہے کہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔“

————— بنجبنبنجبنبنجبنبنجبنبنجبن —————

## باب

فرض نماز جس کیمتعلق کتاب و سنت نے یہ بتلایا ہے کہ عذر کی بنا پر  
کن لوگوں سے ساقط ہوتی ہے، اور معصیت کی وجہ سے کن لوگوں  
کی نماز، نماز نہیں رہتی،

۳۴۶۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ، قُلْ هُوَ أَذًى، فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ، وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ، فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝

(سورۃ البقرہ: ۲۲۲)

رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے،

۳۴۷۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نماز ادا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ نے طہارت فرض فرمائی  
ہے، خواہ وضو کی صورت میں ہو یا غسل، جنابت کی صورت میں ہو، چنانچہ ناپاک شخص کی  
نماز نہیں ہوگی، اب اللہ تعالیٰ نے حیض کا ذکر فرماتے ہوئے عورتوں کے حیض سے  
پاک ہونے تک اُن سے قربت کو منع فرمادیا، اب جبکہ وہ لپچھے طور پر پاکی حاصل نہ کر لیں  
تو اُنے جانے کی اجازت ہوگی، اس حکم سے ہم نے یہ استدلال کیا کہ حیض ختم ہونے  
کے بعد جب وہ غسل کر لیں رتبہ اُن کے پاس جانا چاہئے، کیونکہ شہر میں قیام کی صورت  
میں عمومی حالات میں پانی موجود ہو اہی کرتا ہے، لہذا بغیر حیض ختم ہوتے، محض پانی سے

غسل کرنے کی بناء پر حائضہ پاک نہ سمجھی جائے گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خوب طور پر پاکی حاصل کرنے سے قبل محض پاکی کا ذکر فرمایا ہے، اس سے (معلوم ہوا) کہ اچھے طور پر پاکی یہ ہوگی کہ حیض آنا ختم ہو (اس کے بعد پھر) (اگریں) یہی کتاب اللہ کا منشاء ہے، اور یہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے،

۳۴۸۔ مالک نے بروایت عبد الرحمن بن قاسم اُن کے والد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، حضرت عائشہ نے آنحضرتؐ کے ہمراہ اپنے احرام کا اور پھر اپنے حائضہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ حضورؐ نے ان کو حکم دیا تھا، جو کچھ حاجی کیا کرتے ہیں وہ بھی تمام افعال انجام دیں، صرف بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کریں جب تک حیض سے پاک نہ ہو جائیں،

۳۴۹۔ پس ہم نے (اس سنت سے) استدلال کیا کہ فرض نماز کی ادائیگی (طہارت کے ساتھ) ہونے سے اللہ تعالیٰ کی مراد وہ پاکی ہے جو وضو یا غسل کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو، لیکن حائضہ عورت (بحالتِ حیض) دونوں طریقوں میں سے کسی طریقے کے اختیار کرنے سے پاک نہیں ہو سکتی عورت کے لئے حیض کا آنا ایک تخلیقی امر ہے، خود عورت اپنی ذات میں اس کو کبھی چکر نہیں لاتی ہوتا کہ وہ نافسرمان سمجھی جائے، چنانچہ حیض کے ایام میں نماز کا فرض اس سے ساقط کر دیا گیا ہے، لہذا جس وقت میں اُس کا فرض اس سے ساقط ہوا، اُس وقت کی نماز کے ترک کرنے پر اُس فرض کی قضاء عورت پر لازم نہیں ہوگی،

۳۵۰۔ اور ہم اس شخص کے متعلق جس پر سیہوشی (مرگی) کا دورہ پڑ گیا ہو، یا بحکم الہی کسی عارضہ کی وجہ سے مغلوب العقل ہو گیا ہو، حائضہ پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس سے بھی نماز کا فرض ساقط ہوگا، کیونکہ جب تک وہ شخص اس غیر معمولی حالت میں ہے عقل نہیں رکھتا، اور تکلیف کا مدار عقل پر ہے۔

۳۵۱۔ اور اہل علم میں یہ (حدیث) مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کو نماز قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا ہے، اور یہی مشہور ہے کہ اس کو روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا ہم نے دونوں فرضوں کے درمیان میں فرق پر اہل علم کی نقل اور ان کے اجماع سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ میں نے بیان کیا،

۳۵۲۔ اور نماز و روزے میں اس حیثیت سے بھی فرق ہے کہ مسافر رمضان کے روزے کو



رمضان سے مؤخر کر سکتا ہے، لیکن سفر کی نماز جس کو ادا نہ کیا ہو اس کے وقت سے مؤخر نہیں کر سکتا، اور روزے بارہ ماہ میں سے صرف ایک ماہ کے فرض ہیں، گیا رہ ماہ اُن کی (فرضیت) سے خالی ہیں، لیکن کوئی نماز کی طاقت رکھنے والا شخص نماز کی (فرضیت) سے خالی نہیں ہے،

۳۵۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو:۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ، حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِجِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا،

۳۵۴۔ بعض اہل علم قول ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے قبل نازل ہوئی ہے، پس قرآن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب تک نشہ والے کو اتنا ہوش نہ آجائے کہ اپنی کسی ہوئی بات سمجھ سکے اُس وقت تک اس کی نماز نہ ہوگی، کیونکہ (آیت) میں ابتداء نماز کی مانعت فرمائی ہے، اس کے ساتھ اس شخص کا ذکر کیا جس پر غسل فرض ہو گیا ہو اس لئے تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ پلید (غسل) کی ضرورت رکھنے والا شخص جب تک پاکی حاصل نہ کر لے اس کی نماز نہ ہوگی،

۳۵۵۔ اور اگر نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی مانعت شراب کے حرام ہونے سے قبل تسلیم کی جائے تو پھر شراب کے حرام ہونے کے بعد (نشہ کی حالت میں) بطریقہ اولیٰ نماز ادا کرنا حرام ہوگا کیونکہ اس صورت میں دو سبب گنہگار ہوگا، ایک تو یہ کہ اس نے ایسی حالت میں نماز ادا کی جس میں ادا کرنا ممنوع تھا، دوم یہ کہ اس نے شراب استعمال کی (جس کا استعمال حرام کر دیا گیا تھا)۔

۳۵۶۔ نماز، قول و عمل اور ایسی اشیاء سے (جو نماز سے باہر حلال تھیں) ٹھہر جانے کو کہتے ہیں لیکن جب انسان قول و عمل اور اس سے رُک جانے کو سمجھتا ہی نہ ہو تو پھر جس نماز کا اس کو حکم دیا گیا تھا اس نماز کو اس نے ادا نہ کیا، لہذا یہ نماز اس کے لئے ناکافی ہوگی، اور افاتے کے بعد اس پر قضاء واجب ہوگی،

۳۵۷۔ لیکن وہ شخص جو کسی عارضِ سادی کی وجہ سے مطلوبِ عقل ہو گیا ہو جس کے عارض ہونے میں

یعنی نشہ والا جس طرح نشہ کی حالت میں نماز نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح جس کو غسل کی ضرورت ہو جنابت کی حالت میں نماز نہیں پڑھ سکتا، بلکہ ان دونوں حالتوں کے بدل جانے کے بعد نماز کی ادائیگی صحیح ہوگی،



وہ لاچار ہو، اس میں اور نشہ والے شخص میں یہ فرق ہے کہ نشہ والے نے بالقصد اپنے آپ کو اس میں مبتلا کیا، بخلاف مغلوب العقل کے کہ اس نے اپنے اختیار و ارادے سے اپنی ذات میں کوئی ایسی شے پیدا نہیں کی جو اس کی عقل کو مغلوب کر دے، اور اس کی وجہ سے وہ عاقل تصور کیا جاتے،

۳۵۹۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کی حالت میں (دوسرے) قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا، اس نسخ سے قبل بیت المقدس وہ قبلہ تھا کہ جس کے علاوہ کسی دوسری جانب توجہ کرنا حلال نہ تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے قبلہ ہونے کو منسوخ فرما دیا تو اب کسی کے لئے قیامت تک یہ جائز نہ رہا کہ وہ کعبۃ اللہ و بیت الحرام کے علاوہ کسی دوسری جانب فرضوں میں متوجہ ہو،

۳۶۰۔ شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر قبلہ اپنے اپنے وقت میں حق تھا، چنانچہ جس وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو بیت المقدس کی طرف متوجہ فرمایا تھا اُس وقت بیت المقدس قبلہ حق تھا، پھر جب اس کو منسوخ کر دیا تو اب بیت الحرام کی طرف ہمیشہ کے لئے متوجہ ہونا حق ہو گیا، یہ درست نہ رہا کہ فرضوں میں سوائے خوف کی حالت کی بعض صورتوں کے یا سفر ہی تو اہل ادا کرنے کی صورت کے (جن کی استثناء کتاب و سنت سے ثابت ہے کسی دوسری سمت توجہ کی جائے،

۳۶۱۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کے تمام دیگر منسوخ احکام کو تصور کر لیجئے، اور ”نسخ“ کے یہ معنی ہیں کہ جو فرض اپنے وقت میں حق تھا اس کو ترک کر دیا، اور جب اللہ تعالیٰ نے اُس کو منسوخ فرما دیا تو اس کا ترک حق ہو گیا، لہذا جو شخص نے ناخن و منسوخ دونوں کا زمانہ پایا وہ دونوں پر عمل کرنے کی وجہ سے مطیع و تراز پایے گا، اور جس نے صرف ناخن کا زمانہ پایا وہ فرضِ ناخن کی اتباع کی بنا پر مطیع و تراز پایے گا۔

۳۶۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا ہے:

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

ہم آپ کے منہ کا رویہ (یا بار بار آسمان کی طرف اٹھانا دیکھ رہے، اس لئے ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے (لیجئے) پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (مکہ) کی طرف

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ، کیا کیجئے، اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنا رخ

(سورۃ ) چہروں کو (اسی مسجد حرام) کی طرف کیا کرو؟

۳۱۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ (اس آیت میں) یہ ذکر کہاں ہے کہ لوگوں کو ایک قبلے سے دوسرے کی طرف پھیر دیا گیا؟

۳۲۔ تو (یہ امر) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے :

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّيْتُمْ عَنْ قِبْلَتِكُمْ الشَّيْءِ كَانُوا عَلَيْهَا ، قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ، يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (سورۃ )

اُب تو (یہ) بیوقوف لوگ ضرور کہیں گے ہی کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (دبات) نے بدل دیا، آپ فرمادیجئے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے لئے ہیں، جس کو اللہ ہی چاہیں (یہ) سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں ۱

۳۲۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عبد اللہ بن دینار حضرت ابن عمر رضے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز میں مشغول تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کسی آنے والے نے یہ کہا کہ آج رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیدیا گیا ہے، لہذا تم لوگ اس طرف متوجہ ہو جاؤ، اس وقت لوگوں کے چہرے ملک شام کی طرف تھے، چنانچہ سب کعبہ کی جانب پھر گئے،

۳۳۔ مالک نے بواسطہ یحییٰ بن سعید حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا، فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز ادا فرمائی، پھر بدر کے واقعہ سے دو ماہ قبل قبلہ کی تحویل عمل میں آئی،

۳۴۔ شافعی نے فرمایا: خوف کی نماز کے متعلق کتاب اللہ کی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے،

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ، ”پس اگر تم کو خوف ہو تو پیادہ پایا سوار (جس حالت میں ہو نماز ادا کرو)“ (سورۃ )

لہذا فرض نماز پڑھنے والے کو خوف کی حالت کے علاوہ سواری کی حالت میں نماز جائز

نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ نے (یہاں) قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں فرمایا،  
۳۶۸۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں صلوٰۃ خوف کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر خوف کی حالت اس سے بھی زیادہ شدید ہو تو پیادہ یا سوار قبلہ کو متوجہ ہو یا نہ ہو (ہر حالت میں) نماز ادا کرو،

۳۶۹۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل سفر کی حالت میں اپنی سواری پر جس طرف وہ متوجہ ہوئی ہو ادا فرماتے ہیں، اس مسئلہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ و انس ابن مالک رضی اللہ عنہما وغیرہ سے محفوظ حدیث مروی ہے، لیکن فرض نماز سفر میں بھی آپ زمین پر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ہی ادا فرماتے تھے،

۳۷۰۔ ابن ابی فدیہ نے بواسطہ ابن ابی ذئب بروایت عثمان بن عبد اللہ بن سراقہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بنی النضار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے اپنی سواری پر نماز ادا فرمائی تھی،

۳۷۱۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :  
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ  
عَلَى الْقِتَالِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَكُمْ  
عِشْرٌ وَنَاصِرُونَ يَعْلَبُوا  
وَأَتَتَيْنِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَكُمْ  
مِائَةٌ يُغْلَبُوا الَّذِينَ  
كَفَرُوا، يَا أَيُّهَا قَوْمُ لَا يَفْقَهُونَ ه

یعنی اے نبی مومنین کو جنگ پر آمادہ کیجئے، اگر تم (مسلمانوں) میں سے بیس صبر کرنے والے (مسلمان) ہوئے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں ایک سو (ایسے) ہوئے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب رہیں گے کیونکہ یہ کافر بے سمجھ قوم ہے ۷

(سورۃ انفال: ۶۵)

۳۷۲۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ بیان فرمادیا کہ ایک مومن کا دس کافر سے مقابل ہونا ان مومنین سے معاف کر دیا گیا، اور اس کی جگہ یہ مختل کر دیا گیا کہ ایک مسلم دو کافروں کا مقابل ہو لہذا فرمادیا:

أَلَا نَحْفَظُكَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ  
أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا، فَإِنْ يَكُفُّ  
بِكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَعْلَبُوا

یعنی اب اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر ضعف معلوم کر کے تمہارے حق میں تخفیف فرمادی، پس اگر تم (مسلمانوں) میں سے ستوا افراد صبر کرنے والے ہوئے

يَا مَعْشَرَ الْإِنسَانِ، ذُرِّيَّتُكَ يَنْتَعِمُ  
أَلْفٌ يَخْلُقُوا أَلْفَيْنِ بِأَذْنِ  
اللَّهِ، وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝  
(سورۃ الانفال: ۶۶)

تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب رہیں گے، اور اگر تم  
میں سے ایک ہزار (لیے) ہوئے تو وہ خدا کے حکم  
سے دو ہزار (کافروں) پر غالب رہیں گے، اللہ تعالیٰ  
صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۝

۳۴۔ ہم کو سفیان نے بواسطہ عمرو بن دینار حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے  
خبر دی، انھوں نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرٌ صَابِرِينَ  
يَغْلِبُوا مِائَتِينَ، اس سے مسلمانوں پر یہ واجب کیا گیا کہ بیس مسلمان دو سو کافروں کے  
مقابلے سے نہ بھاگیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: اَلَا نَخَفُّكَ اللَّهُ  
عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنْ فِيكُمْ ضَعْفًا ۖ الْآيَةُ، اس سے یہ فرض کر دیا کہ ایک تنو مومن دو سو  
کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگیں،

۳۵۔ شافعیؒ نے فرمایا: اس آیت کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا  
ہی، اور اللہ تعالیٰ نے (خود) آیت ہی میں اس معنی کو واضح کر دیا ہے جس کے بعد  
کسی تفسیر کی ضرورت ہی نہیں ہے،

۳۶۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللَّائِي يَأْتِيَنَّ الْمَفَاحِشَةَ مِنْ  
نِسَاءِكُمْ، فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ  
أَرْبَعَةً مِنْكُمْ، فَإِنْ شَهِدُوا  
فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى  
يَتَوَقَّاهُنَّ الْمَوْتُ، أَوْ يَجْعَلَ  
اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۖ وَالَّذِينَ  
يَأْتِيَانَهَا مِنْكُمْ فَأَذُوهُمَا،  
فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرَضُوا  
عَنْهَا، إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا  
(سورۃ النساء: ۱۵، ۱۶)

اور جو عورتیں بیجائی کا کام کریں، تمھاری بیویوں  
سے، سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں  
سے گواہ کر لو، سو اگر وہ گواہی دیں، تو تم ان کو  
گھروں کے اندر مقید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا  
خاتمہ کر دے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ  
تجویز فرمادیں، اور جو نے دُشخص بھی وہ بے حیائی  
کا کام کریں، تم میں سے تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ  
پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں، تو  
ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ  
توبہ قبول کرنے والے ہیں، رحمت والے ہیں ۝

۳۷۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس قید اور اذیت دینے کو اپنی کتاب ہی کے ذریعہ منسوخ فرمایا



ہذا نسر مایا:

أَلَا زَانِيَةٌ وَالزَّانِي قَاجِلٌ وَا  
كُلٌّ وَاحِدٌ مِّمَّنْهُمَا مِائَةٌ جَذَنٌ،  
زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد  
سوان میں ہر ایک کے تودڑے مارو

(سُورَةُ النُّورِ، ۲)

۳۷۷۔ چنانچہ (یہاں) سنت نے یہ بتلایا کہ تودڑے کنواری عورت و مرد کی (نمرا ہے)  
۳۷۸۔ ہم سے عبد الوہاب نے بواسطہ یونس ابن عبید بن زریعہ حضرت حسن حضرت عبادہ  
بن صامت سے روایت کر کے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”مجھ سے لو، مجھ سے لو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے راستہ تجویز فرمادیا، اور  
کنوارا مرد کنواری عورت سے زنا کرے، تو اس کی حدیں سو کوڑے اور ایک سال کے  
لئے (مرد کو) جلاوطن کر دینا ہے، اور شادی شدہ شادی شدہ سے ایسا کرے تو سو کوڑے  
اور سنگسار کر دینا ہے“

۳۷۹۔ اب علم میں سے ایک ثقہ شخص نے یونس ابن عبید، حسن، حطان الرقاشی سے حضرت  
عبادہ بن صامتؓ کی روایت نقل کرتے ہوئے ہم سے وہی سابق مضمون بیان کیا،  
۳۸۰۔ شافعیؒ نے فرمایا: اب سنت نے یہ بتلایا کہ سو کوڑے کنوارے آزاد مرد و عورت  
کی (حد) ہیں، اور شادی شدہ کے حق میں منسوخ ہیں، شادی شدہ آزاد مرد و عورت  
کے حق میں صرف سنگساری (مفت کی گئی ہے)

۳۸۱۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا: ”مجھ سے لو“ ان عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے راستہ  
تجویز فرمادیا، کنواری عورت و کنوارے مرد کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کے لئے  
جلاوطنی ہے، اور شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور سنگساری ہے،  
یہ پہلی وہ آیت ہے جس کے ذریعہ دوزنا کرنے والوں سے قید اور اذیت کی (سابقہ)  
نمرا منسوخ کی گئی ہے،

۳۸۲۔ اب جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ کو (جو کہ شادی شدہ تھے) صرف سنگسار کیا  
اور دُڑے نہ مارے، اور حضرت امینؓ کو دوسرے دن صبح جاکر اسلمی عورت کے (زنا)  
کے استہرار کے بعد (صرف) رجم کرنے کا حکم دیا، (آپ کے اس عمل نے) اس امر  
دلائل کی کہ آزاد شادی شدہ زانیوں سے دُڑوں کی حد منسوخ ہو کر صرف سنگسار

باقی رہی، کیونکہ ہمیشہ اول کے بعد ہر حکم آخری شمار ہوتا ہے،  
 ۳۸۴۔ پس کتاب اللہ پھر سنت نبیؐ نے یہ بتلایا کہ ملوک و غلام اور باندی، زانی اس حکم سے خارج ہیں،

۳۸۴۔ غلام اور باندیوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاۤاَاحْصِنْۙ اِنَّ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍۙ  
 فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصِنَاتِ  
 مِنَ الْعَدْلِۙ اَب (سورۃ النساء: ۲۵)

تھیں جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جائیں پھر اگر وہ  
 بڑی بے حیائی کا کام (زنا) کریں تو ان پر اس سزا سے  
 نصف سزا ہوگی جو آزاد عورتوں پر ہوتی ہے ۛ

۳۸۵۔ چونکہ دُڑوں کی تعداد کے حصے ہو سکتے ہیں لہذا اس کا نصف کیا جاسکے گا، لیکن سنگسار  
 کرنا جو قتل کے درجہ میں ہے، اس کا نصف نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس کو سنگسار کیا جا رہا  
 ہو وہ اس پہلے پتھر سے بھی مر سکتا ہے جو اس کے مارا گیا ہو، اور اس کے بعد دوسرے  
 پتھر کی نوبت ہی نہ آئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہزاروں سے زائد پتھر مارنا پڑیں،  
 تاکہ وہ مرجائے، لہذا اس کے نصف کی کسی طرح حد معسر نہیں کی جاسکتی، اور حد  
 میں نفس کا تلف کرنا مقصود ہے، اور (اب اس) تلف کرنے کی حد رکھیں، تو دُڑوں کی  
 تعداد کے ذریعہ معسر کر دی گئی ہے، اور رکھیں، ہاتھ کاٹنے کے ساتھ، ان میں سے  
 ہر امر معروف ہے، لیکن سنگساری کا نصف کیا جانا معروف (و مشہور) نہیں ہے،

۳۸۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”تم لوگوں میں سے جب کسی کی  
 لونڈی زنا کرے تو اس کے دُڑے مارو ۛ یہ نہیں فرمایا کہ رجم کر دو، نیز غلام اور لونڈی کے  
 زنا کے مسئلہ میں سنگساری کی حد جاری نہ ہونے میں مسلمانوں کا بھی کوئی اختلاف  
 نہیں ہے،

۳۸۷۔ اور لونڈی کا اسلام اس کے محصنہ ہونے کے لئے (دکانی) ہے،

۳۸۸۔ اور ہم نے اپنے اس قول پر سنت و اکثر اہل علم کے اجماع سے استدلال کیا ہے،

۳۸۹۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ ”اگر تم میں سے کسی کی لونڈی زنا  
 کرے تو وہ اس کے کوڑے مارے ۛ اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ (محصنہ ہو یا غیر محصنہ ہو) اس  
 ہم نے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو لونڈیوں کے حق میں فرمایا ہے: ”يَاۤاَاحْصِنْۙ  
 اِنَّ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍۙ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصِنَاتِ مِنَ الْعَدْلِۙ“ اس سے



مراد یہ ہے کہ وہ اسلام لے آئیں، یہ مراد نہیں کہ جب وہ نکاح (صحیح) کر لیں، اور پھر اس نکاح میں شوہر صحبت بھی کر لے، نہ یہ کہ جب آزاد ہو جائیں خواہ نکاح نہ کریں رتبہ محصنہ ہوں گی۔

۳۹۰۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے تو احصان کے مختلف معنی مراد لے لئے ؟

۳۹۱۔ کہا جائے گا، جی ہاں ! احصان کے مکمل معنی یہ ہیں کہ انسان کے لئے محرمات کے

ارتکاب سے (ہر طرح) محفوظ ہونے کے اسباب موجود ہوں، لہذا اسلام لانا ایک سبب حفاظت ہے، اسی طرح حریت ایک سبب ہے، نکاح کرنا اور شوہر کا اس نکاح میں زوجہ سے ہمبستر ہونا ایک سبب ہے، گھروں میں مقید کر کے نگرانی رکھنا بھی ایک سبب ہے، (خلاصہ یہ کہ) ہر وہ چیز جو (حرام کے ارتکاب سے) مانع ہوگی محصن بنائے گی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

وَعَلَّمَنَّاكَ صِنْعَةَ لِبَاسٍ لِّكَمُ  
لِتَحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ  
(سورۃ الانبیاء : ۸۰)

”اور ہم نے اُن کو زورہ بنانے کی صنعت تم لوگوں کو (نفع کے واسطے سکھلائی، تاکہ وہ (زورہ) تم کو لڑائی (میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے“

اور فرمایا ہے :

لَا يُقَاتِلُوْكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قَرْيٍ  
مُّحَصَّنَةٍ، (سورۃ الحشر : ۱۳)

”یعنی یہ لوگ (تو) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں“

یعنی جو ان کو اذیت پہنچنے سے مانع آسکیں،

۳۹۲۔ شافعیؒ نے فرمایا : (آیت) میں کلام کا آخر و اول یہ بتلا رہے ہیں کہ احصان جس کے معنی (ابھی) ذکر کئے گئے جو بعض جگہ مراد ہوتے ہیں بعض جگہ نہیں، یہاں اس سے مراد (مخصوص طور پر صرف) اسلام ہے، نکاح اور حریت اور گھروں میں نگرانی کرنا، اور پاکدامن رہنا مراد نہیں ہے، حالانکہ احصان کا لفظ ان مجموعہ معانی پر صادق آتا ہے،

لہٰذا یعنی تودہ کی محصنہ ہونے کے لئے اس کا صرف اسلام لے آنا کافی متصور ہوگا، بخلاف ایک آزاد عورت کے کہ اس کے محصنہ ہونے میں اسلام اور نکاح صحیح سے موطو نہ ہونا اور آزاد ہونا شرط ہے،

## اس ناسخ و منسوخ کی بحث جس پر سنت و اجماع دلالت کرتا ہو

۳۹۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدُكُمُ  
الْمَوْتَ أَنْ تَرَاقِبَ خَيْرَ الْوَصِيَّةِ  
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ  
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ،

(سورة البقرة: ۱۸۰)

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک  
معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو  
تو والدین و اقارب کے لئے معقول طور پر دیکھ جو  
ایک ثلث سے زائد نہ ہو، کچھ بٹلا جاوے (اس کا نام  
وصیت ہو) جس کی خدا کا خوف ہو اس کیلئے یہ ضروری ہے

۳۹۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْكُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ  
أَرْوَاجًا وَهَيْئَةً لَا زَوَاجَهُمْ  
مَتَاعًا إِلَى الْخَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ،  
فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ  
مَعْرُوفٍ، وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ،

(سورة البقرة: ۲۲۰)

یعنی اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے، اور  
چھوڑ جاتے ہیں بیبیاں، وہ وصیت کر جایا کریں اپنی  
بیبیوں کے واسطے ایک سال تک منتقع ہونے کی، اس  
طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جاویں، ہاں اگر خود نکال جاویں تو  
تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدے کی بات میں جس  
کو وہ اپنے بچے میں کریں، اور اللہ تعالیٰ زبردست  
ہے اور حکمت والے ہیں

۳۹۔ پس اللہ تعالیٰ نے والدین اور دیگر اقارب جو ان کے بعد یا ان کے ساتھ ساتھ وارث  
ہوں گے، ان کی وراثت کا اور زوج کی میراث جو زوجہ سے اس کو ملے گی اور زوجہ کی میراث  
جو اس کو زوج سے ملے گی، اس کا حکم نازل فرمایا،

۳۹۔ پس ان دونوں آیتوں میں اس کا احتمال ہے کہ والدین و اقارب و زوج کے لئے وصیت  
کو ثابت کرنے والی ہوں، اور یہ لوگ میراث اور وصیت اور دونوں (حصوں کو لیں)  
اور احتمال ہے کہ میراث (کا حکم) وصیت کے لئے ناسخ ہو،

۳۹۔ لہذا جب یہ دونوں آیتیں ہماری بیان کردہ معنی کا احتمال رکھتی ہیں تو اہل علم پر واجب  
ہے کہ وہ کتاب اللہ سے کسی ایک احتمال سے تعین کی تلاش کریں، اگر نصاً کتاب اللہ میں  
(حکم) موجود نہ ہو تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاش کریں، پس اگر وہاں موجود

پائیں تو جو کچھ وہ رسول اللہ سے قبول کریں گے، وہ اللہ تعالیٰ سے قبول کرنا ہوگا، کیوں اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت فرض کر دی ہے،

۳۹۸۔ اور اہل فتویٰ و علم المغازی کے جانے والے قریشی دیگر قریشی علماء سے جو کچھ ہم کو معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، لَا دَصِيَّةَ لَوَارِثٍ وَلَا يُقْتَلُ مُؤَمِّنٌ بِجَانِبِيَّ وَارِثٍ کے حق میں وصیت (درست) نہیں، اور کافر کے عوض مسلمان قتل نہ کیا جائے گا۔ اور علم المغازی سے واقفیت رکھنے والے علماء ایسے حضرات سے جنہوں نے آنحضرت کے اس ارشاد کو محفوظ رکھا تھا (مسلل) نقل کرتے چلے آ رہے ہیں،

۳۹۹۔ لہذا یہ حدیث مشہور قرار پائی جو کہ فردوس الغرر و واحد سے نقل کی ہوئی حدیث سے زیادہ قوی ہے، اور اسی پر ہم نے اہل علم کا اجماع چلایا،

۴۰۰۔ فرمایا: بعض شامی راویوں نے حدیث کو ایسی سند سے روایت کیا ہے جو اہل حدیث کے نزدیک صحیح نہیں، کیونکہ اس میں بعض راوی مجہول ہیں، اور ہم نے اس کو منقطع حدیث کی صورت میں روایت کیا ہے،

۴۰۱۔ اور ہم نے جو اس کو قبول کیا، جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا، اہل مغازی کی نقل اور علماء کے اجماع کی بناء پر کیا، اگرچہ اس سلسلہ میں ہم نے حدیث بھی نقل کی ہو، (لیکن اعتماد ہمارا عام اہل مغازی کی نقل اور لوگوں کے اجماع پر ہی ہے،

۴۰۲۔ ہم کو سفیان نے خبر دی بواسطہ سلیمان اخول کے مجاہد سے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا، لَا دَصِيَّةَ لَوَارِثٍ، وارث کے حق میں وصیت (درست) نہیں،

۴۰۳۔ چنانچہ جب عام اہل مغازی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نقل کیا کہ وارث کے حق میں وصیت درست نہیں جیسا کہ ہم اس کو پہلے بیان بھی کر چکے ہیں، اس سے پہلے اُس حکم پر استدلال کیا کہ والدین و زوجہ کے حق میں میراث کی آیت وصیت کی آیت کے لئے ناسخ ہے، اس کے ساتھ ہی اس حکم پر حدیث منقطع و اجماع عام بھی موجود ہے،

۴۰۴۔ اسی طرح عام علماء کی اکثریت نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اقرباء کے حق میں وصیت کا فرض زائل و منسوخ ہو چکا ہے، اگر یہ لوگ حالاً وارث ہیں تو میراث کے ذریعہ (حصہ) پالیں گے، اور اگر حالاً وارث نہیں ہیں تو بھی وصیت کیا جانا اُن کے حق میں فرض نہیں ہے

۴۱۔ البتہ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تھوڑے متبعین کا یہ قول ہے کہ صرف والدین کے حق میں وصیت منسوخ ہوئی ہے، دیگر اقرباء جو حالاً وارث نہ ہوں ان کے حق میں (بدستور) ثابت ہے، لہذا جو شخص (ایسے اقرباء کے ہوتے ہوئے) اجنبی کو وصیت کرے گا یہ وصیت جائز نہ ہوگی،

۴۲۔ اب جبکہ آیت میں حضرت طاؤسؓ کے اس قول کا کہ ”قرباوت داروں کے لئے وصیت ثابت ہے“ احتمال موجود ہے، کیونکہ اہل مغازی کی منقولہ روایت میں تو یہ الفاظ ہیں ”لَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ“ وارث کے لئے وصیت نہیں، تو ہم جیسے اہل علم پر یہ واجب ہو گیا کہ ہم اس پر غور کریں کہ آیا طاؤسؓ کے قول کی موافقت کی جائے، یا اس کے خلاف مذہب پر عمل کیا جائے؟

۴۳۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ ایک ایسے شخص کے متعلق جس کا (چچ) غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا، اور اس نے ان تمام غلاموں کو مرنے سے قبل آزاد کر دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تین حصے کئے، پس دو غلام (ایک حصہ) آپؐ نے آزاد قرار دیا۔ اور باقی چار غلام (دو حصے) غلام (ہی کے حکم میں) رہنے دیئے،

۴۴۔ ہم سے عبد الوہاب بواسطہ ایوب ابو قلابہ سے بردایت ابوالمہلب حضرت عمران بن حصینؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی،

۴۵۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں سنت کی دلالت اس امر پر دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کی آزادی کو مرض موت کی وصیت کا درجہ دیا،

۴۶۔ اور جس شخص نے آزاد کیا تھا وہ عرب تھا، اور عربی عجمیوں میں سے ایسے افراد کا مالک ہوتا ہے کہ اُس عربی اور ان کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہوتی، (لیکن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں وصیت جائز رکھی،

۴۷۔ لہذا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ اگر غیر اقرباء کے حق میں وصیت ناجائز ہوتی تو ان (دو) آزاد شدہ غلاموں کے حق میں باطل فترار پاتی، کیونکہ یہ غلام آزاد کرنے والے کے رشتہ دار نہ تھے،

۴۸۔ اور اس سنت نے یہ بھی بتلایا کہ میت کی وصیت ثلث مال سے زائد میں جائز



نہیں، اور یہ کہ ثلث سے زائد مال میں باطل کر دی جائے گی، اور یہ کہ (آزاد شدہ غلاموں سے) سچی (مال بذریعہ کسب و اداکر نے) کا مطالبہ بھی باطل ہے، اور قرعہ و تقسیم کا عمل کیا جانا جائز ہے،

۲۱۳۔ اور والدین کے حق میں وصیت و ارث ہونے کی وجہ سے باطل ہوگی، اُن کے حق میں میراث کا حصہ) ثابت ہوگا،

۲۱۴۔ اور جس شخص کے حق میں میت وصیت کرے، اور وہ میت کا قریبی اقربا ہو لیکن فی الحال وارث نہ ہو اس کے حق میں وصیت جائز ہوگی،

۲۱۵۔ میرے نزدیک تو مستحب یہ ہے کہ ایسے ہی قرابت دار کے حق میں وصیت کرے،

۲۱۶۔ اور قرآن میں اس کے علاوہ بھی نسخ و منسوخ موجود ہیں جن کو کتاب احکام القرآن میں اپنے موقع پر تفصیلاً بیان کیا گیا ہے،

۲۱۷۔ (یہاں) میں نے اُن میں سے معدودے چند کا بیان کیا ہے، تاکہ ان کے ذریعہ (آیات) اس کے ہم معنی ہیں اُن پر استدلال کیا جاسکے، اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جن کے بیان سے میں نے خاموشی اختیار کی ہے اُن کی حقیقت (معلوم) کرنے کے لئے کافی ہوگا، **وَأَسْأَلُ اللَّهَ الْعِظَمَةَ وَالْتَّوْفِیْقَ**،

۲۱۸۔ اس کے بعد اب میں اُن آیات میں سے جو علم الفرائض کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مفسر و مجمل نازل فرمائی ہیں کچھ اپنا تحریر شدہ حصہ بیان کرتا ہوں، جس کے ساتھ ہی اس سلسلہ میں سنت (رسول اللہ) کا ذکر بھی کروں گا، تاکہ جو شخص اس کتاب سے استفادہ کرے اس کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور دین دہل دین کے حق میں اپنے نبی کو کیا مرتب فرمایا ہے،

۲۱۹۔ اور لوگ یہ سمجھ لیں کہ رسول اللہ کے حکم کی اطاعت اللہ کے حکم کی اطاعت ہی، اور کتاب کے حق میں آپ کی سنت کتاب کے تابع ہے، اور کسی وقت میں کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہو

۲۲۰۔ اور جو اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ یہ جان لے کہ بیان کی چند اقسام ہیں، یہ نہیں کہ صرف ایک ہی طریقہ ہو، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل علم کے نزدیک بعض بیان کا طرز واضح ہوتا ہے، اور بعض کا مشتبہ ہوتا ہے، لیکن جو اہل علم ہونے سے قاصر ہے اس کا مختلف السببان نظر آتا ہے،

## باب

وہ فرايض جنکو اللہ تعالیٰ نے نصّاً (وضاحت) بیان فرمایا ہے

۴۱۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ  
فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً  
وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا  
وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

یعنی اور جو لوگ (زن کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو، اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں، تو ایسے لوگوں کو انسی دڑے لگاؤ، اور ان کی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہوئی، اور آخرت میں بھی مستحق سزائیں، اس وجہ سے کہ یہ فاسق ہیں)

(سورۃ النور: ۴)

۴۲۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں محصنات سے آزاد بالغ عورتیں مراد ہیں، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احصان کے مختلف معانی آتے ہیں،

۴۳۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاحَهُمْ  
وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ  
فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ  
بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۝  
وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ  
إِنْ كَانَ مِنَ التَّكَذِّبِينَ ۝ وَيَذَرَأُ  
عَنْهَا لَعْنًا إِنْ تَشْهَدُ أَرْبَعَ  
شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ

”یعنی اور جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیبیوں کو (زنا) کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے رہی دعوے کے، اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کا تعداد میں چار ہونا چاہئے) تو ان کی شہادت (جو کہ واقع جس یا حدیث قدس ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بیشک میں سچا ہوں، اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر حسد کی لعنت ہو، اگر میں جھوٹا ہوں، اور (اس کے بعد) اس عورت سے (سزائے جس یا حدیث زنا) اس طرح



۱۲۰ اَلْكَافِرِينَ ۝ وَالْعَاصِمَةَ اَنْ تَحْصَبَ  
 اللّٰهُ عَلَيْهِمَ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ  
 (سورۃ النور: ۶، ۹)  
 غصب ہوا اگر یہ سچا ہو!!

۴۲۴۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے رتہمت لگانے والے (شوہر اور رتہمت لگانے والے) غیر شوہر کے حکم میں فرق کر دیا، اور رتہمت لگانے والے غیر شوہر پر (شوہر کے علاوہ) دوسری حد معتز رکھی، مگر یہ کہ یہ شخص چار گواہ پیش کر دے تو یہ حد اُس سے ساقط ہو جائے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (خود) بیان فرمایا ہے، اور رتہمت لگانے والے شوہر کو اس حد سے خارج کر کے (اس کے لئے) لعان کا طریقہ مقرر فرمایا، تو یہ اس امر کی دلیل ہوئی کہ محصنات پر رتہمت لگانے والے جن کو کوڑے لگائے جائیں گے ان سے مراد آزاد بالغہ عورتوں پر شوہر کے غیر لوگوں کا رتہمت لگانا ہے،

۴۲۵۔ اور اس میں میرے اُس بیان پر بھی دلیل موجود ہے کہ قرآن عربی ہے، اس کے ظاہری (الفاظ) عام ہوتے ہیں، اور اس سے مراد خاص (معنی) ہوتے ہیں، (یہاں) یہ صورت نہیں ہے، کہ ایک آیت نے دوسری آیت کو منسوخ کیا ہو، بلکہ ان آیتوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے حکم میں اُسی طرح ثابت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، لہذا ان آیتوں میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے تفریق کی ہے اسی طرح تفریق رکھی جائے گی اور جس طرح جمع کیا ہے جمع رکھا جائے گا،

۴۲۶۔ لہذا جب شوہر لعان کر لے گا حد سے بری ہو جائے گا، جس طرح اجنبی لوگ گواہ لے آئیں گے تو حد سے بری ہو جائیں گے، اور اگر (شوہر نے) لعان نہ کیا اور اس کی زوجہ حرة بالغہ ہوئی تو (شوہر پر) حد جاری ہوگی،

۴۲۷۔ شافعیؒ نے فرمایا: لعان کی آیت (عویم) عجلانی اور اس کی زوجہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا، ان دونوں کے درمیان لعان کے طریقہ کو سہل ابن سعد ساعدیؒ اور ابن عباسؓ نے نقل کیا ہے، اور ابن عمرؓ نے تو لعان کے وقت حضورؐ کے پاس اپنا حاضر ہونا نقل کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی وہ الفاظ نہیں نقل کئے ہیں، جو آنحضرتؐ نے ان دونوں سے لعان کا حکم دیتے ہوئے فرمائے تھے،

۳۲۸۔ اور ان سب حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ایسے احکام نقل کئے ہیں جو قرآن میں نصاً موجود نہیں ہیں، جن کے مجملہ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متلعینین کے درمیان تفسرین فرمادی، اور یہ کہ بچے کو اس مرد کا قرار نہ دیا، یہ کہ آپؐ نے فرمایا ”اگر فلاں فلاں صفت کا بچہ پیدا ہو تو وہ اس شخص کا ہوگا جس کے ساتھ تہمت لگائی گئی ہو“ اور جب وہ بچہ پیدا ہوا تو اسی صفت پر تھا، اور یہ کہ فرمایا تھا، معاملہ بالکل واضح ہو گیا ہی اگر خدا کا وہ حکم نہ ہوتا جو نازل ہو چکا ہے (تو میں اس کو سنگسار کر دیتا) اور حضرت ابن عباسؓ نے اپنی روایت میں یہ نقل کیا ہے کہ پانچویں مرتبہ قسم کے وقت حضورؐ نے فرمایا تھا اس کو (قسم کھانے سے) روک دو (کیونکہ یہ قسم واجب کر دے گی)۔

۳۲۹۔ (اس سے) ہم یہ بھی سمجھے کہ راویان حدیث، حدیث میں بعض ایسی چیزوں کو چھوڑ بھی دیتے ہیں جن کے بیان کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اور بعض چیزوں کو نقل ہی نہیں کرتے، چنانچہ بہتر یہ تھا کہ یہ حضرات یہ بھی روایت کرتے کہ آنحضرت صلعم نے ان دونوں مرد و عورت کے درمیان کس طرح لعان کرایا تھا، اس طریقہ کے معلوم ہونے میں اگر کوئی صورت ہو سکتی ہو تو یہی کہ کتاب اللہ کا عالم اس پر لفظ ڈالنے کے بعد یہ کہے، جیسے قرآن میں نازل ہوا ہے (غنا) آپؐ نے بھی لعان اسی طرز پر کرایا ہوگا،

۳۳۰۔ چنانچہ ان مذکورہ حضرات نے تعداد اور شہادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے بیان ہی پر کفایت کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو جو لعان کے وقت آپؐ فرماتے ہوں گے نقل نہیں کیا،

۳۳۱۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: کتاب اللہ میں (خود ہی) لعان اور اس کی تعداد کے متعلق کافی بیان موجود ہے،

۳۳۲۔ پھر بعض (صحابہؓ) نے دونوں کی تفریق کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کیا ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں،

۳۳۳۔ اور سنت رسول اللہ صلعم کا جو تعلق کتاب اللہ سے ہے وہ ہم نے اس سے قبل (کئی مقام پر) بیان ہی کر دیا ہے،

۳۳۴۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِيَامُ مِمَّا كُنْتُمْ

یعنی تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے

راہتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اُس موقع پر کہ تم روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ متقی بن جاؤ، تھوڑے دنوں کے روزے (رکھ لیا کرو) یعنی پس جو کوئی حاضر ہو اس ماہ میں اس کو ضرور روزے رکھنے چاہئے اور جو مریض ہو ۛ

عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ، أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا، (سورۃ البقرۃ: ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵)

۴۳۵۔ پھر یہ بیان فرمایا کہ وہ (روزوں کا) مہینہ کونسا ہے، تو ارشاد فرمایا:

”یعنی وہ ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھی آیا ہے، جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لیے (ذریعہ) ہدایت ہو اور (دوسرا وصف) واضح الدلائل ہی منجملہ ان کتب کے جو (ذریعہ) ہدایت (یعنی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں، سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس ماہ میں روزہ رکھنا چاہئے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (امراہی) شمار کر کے، اُن میں روزہ رکھنا (اس پر وجہ) ہو، اللہ تعالیٰ کو تمھارے ساتھ (احکام میں) آسانی کر منظور ہے، اور تمھارے ساتھ (احکام و قوانین میں) کرنے میں، دشواری منظور نہیں، اور تاکہ تم لوگ

شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانُ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْقُرْآنِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ، وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (سورۃ بقرہ: ۱۸۵)

ایام ادا یا قضاء کی شارکی تکمیل کر لیا کرو، اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (و ثناء) بیان کیا کرو، اس کے تم کو (ایک ایسا) طریقہ بتلادیا (جس سے تم برکات و ثمرات صیام سے محروم نہ رہو) اور تاکہ شکر ادا کیا کرو ۛ

۴۳۶۔ شافعیؒ نے فرمایا: اپنے سے پہلے علماء حدیث میں سے ہم نے کسی کو بھی ایسا نہ پایا کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرنے کا تکلف گوارا کیا ہو کہ جس ماہ کے روزے فرض ہیں وہ رمضان کا وہ ماہ ہے جو شعبان اور شوال کے درمیان واقع ہوا ہے کیونکہ تمام سال کے مہینوں میں سے رمضان کے مہینہ کو وہ لوگ پہچانتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی علم پر کفایت فرمائی،

۴۳۷۔ البتہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنے اور اس کے افطار کرنے اور کیفیتِ قضاء کے (حالات) اور اس کے مشابہ امور... جن میں کتاب اللہ کی کوئی نص موجود نہ تھی، (ان احکام کے) محفوظ کرنے میں اُن حضرات علمائے نے تکلف فرما کر اُن کو روایت کیا ہے،

۴۳۸۔ اور نہ علماء میں سے کسی کے متعلق مجھے یہ معلوم ہو سکا کہ اس نے رمضان کے ماہ کے بارے میں یہ سوال کیا ہو کہ وہ کونسا ہے اور (کیا) اس کے روزے واجب ہیں یا نہیں؟

۴۳۹۔ اور یہی نوعیت اُن تمام فرائض کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رانسانوں پر نازل فرمائے ہیں اس طریقہ پر کہ اُن پر جو طاقت رکھتے ہیں نماز، زکوٰۃ، حج (فرض) ہے، اور زنا و قتل اور ان کے مثل (افعال) حرام ہیں،

۴۴۰۔ اور ایسے تمام مسائل میں کہ جن کے متعلق قرآن کی نص موجود نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (موجود) ہے، جس سے رسول اللہ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ ان فرائض سے کیا مراد ہے، اور ان میں سے کچھ کے فروعات کے متعلق علمائے نے کلام کیا ہے، جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی سنت منصوص نہ تھی،

۴۴۱۔ ان (مسائل) میں سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ  
 فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا، (سورۃ البقرہ: ۲۳۰)

”یعنی، پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال رہے گی اس کے بعد، یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے، پھر اگر یہ اس کو طلاق دیدے تو

ان دونوں پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جاویں“

۴۴۲۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد (حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ) میں (ایک تو) یہ احتمال ہے کہ اُس عورت سے دوسرا مرد (صرف) نکاح کر لے، اور اس کلام سے جس شخص کو مخاطب کیا جائے گا تو اُس کے ذہن کی طرف (اس کلام سے) یہی معنی سبقت کریں گے کہ جب عورت (کسی کے) عقد نکاح میں آجلی تو (سمجھ لو کہ) اس نے نکاح کر لیا،

۴۴۳۔ اور (دوسرا) احتمال یہ ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت سے (باقاعدہ) صحبت کرے، کیونکہ نکاح کا لفظ جس طرح عقد پر بولا جاتا ہے اسی طرح جماع (مرد کے عورت سے صحبت) کرنے پر بھی بولا جاتا ہے،

۴۲۴۔ اب جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا (جس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدی تھیں، اور اس عورت نے دوسرا شوہر کر لیا تھا) تم (اول کے لئے) اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتیں جب تک تم اس سے لذت نہ حاصل کر لو، اور وہ تم سے لذت نہ حاصل کرے۔ یعنی یہ دوسرا شوہر تم سے جماع نہ کرے، (یہی) جماع نکاح کہلاتا ہے،

۴۲۵۔ اگر کوئی شخص یہ مطالبہ کرے کہ جو آپ نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) بیان کیا ہے اس کے بارے میں کوئی حدیث نقل کریں؟

۴۲۶۔ جواباً کہا جائے گا! ہم کو خبر دی سفیان نے بواسطہ ابن شہاب بردایت عودہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ”رفاعہ کی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ رفاعہ نے مجھے قطعی طلاق دیدی تھی، اور (پھر) عبدالرحمن ابن الزبیر نے مجھ سے نکاح کر لیا، لیکن اُن کے پاس کپڑے کے پلو کی طرح ہے (قوتِ مردانگی نہیں رکھتے) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمھارا ارادہ رفاعہ کے پاس جانے کا ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا جب تک تم اُن (عبدالرحمن) سے لذت نہ حاصل کر لو اور وہ تم سے حاصل نہ کر لیں؟

۴۲۷۔ شافعیؒ نے فرمایا: اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد اول کے لئے حلال ہونے کے یہ معنی بیان فرمادیئے کہ دوسرا شوہر اس نکاح میں صحبت بھی کرے،

## اَنْ فَرَّائِضٍ مِّنْصَوْصِهٖ كَابِيَانِ

جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (کچھ) مقرر فرمایا

۴۲۸۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یعنی جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھو اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیں سمیت، اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور دھو اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت، اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو۔

وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ  
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ  
إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا  
بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى  
الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا  
فَاغْسِلُوا رُءُوسَكُمْ وَمَسَحُوا

(سورۃ المائدہ: ۶)

فَأَطِيعُوا رُءُوسَكُمْ وَمَسَحُوا



۲۴- اور فرمایا ہے،

وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ  
حَتَّى تَغْتَسِلُوا (سورة النساء: ۴۳)  
یعنی ”اور نہ حالتِ جنابت میں، مگر یہ کہ تم راستہ گزری ہو، جب تک کہ غسل نہ کرو“

۲۵- چنانچہ بیان فرمادیا کہ جنابت کی طہارت غسلِ گہرا ہے وضو نہیں،

۲۵- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا وہی طریقہ اختیار فرمایا جو خدا کی طرف سے

نازل فرمایا گیا تھا، چہرہ دھویا، کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، سر کا مسح کیا، اور دونوں ٹخنوں تک پاؤں دھوئے،

۲۵- ہم کو خبر دی عبد العزیز بن محمدؒ نے بواسطہ زید ابن اسلمؒ بروایت عطاء ابن یسار

حضرت امین عباسؓ سے نقل کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ”آپؐ نے صرف ایک ایک مرتبہ وضو فرمایا“

۲۵- ہم کو خبر دی مالکؒ نے بواسطہ عمرو بن یحییٰؒ اپنے والد سے کہ انھوں نے عبد اللہ بن زیدؒ

سے جو کہ عمرو بن یحییٰؒ کے دادا تھے کہا، کیا آپؐ یہ کر سکتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت (آنکھوں سے) دکھادیں؟ عبد اللہؒ نے فرمایا ہاں! چنانچہ

انھوں نے پانی طلب کر کے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈالا، دوسرے ہاتھ کو دھویا، پھر

گلی کی، ناک میں پانی ڈالا تین مرتبہ، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک

دو دو مرتبہ، پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا، اور ہاتھوں کو آگے پھیلے گئے، سر کے

اگلے حصہ سے (مسح) کی ابتداء کی، پھر ان کو گدھی کی طرف لے گئے، اور پھر اسی مقام پر

لے گئے جہاں سے ابتداء کی تھی، پھر دونوں پاؤں دھو ڈالے،

۲۵- (آیت مذکورہ میں) اللہ تعالیٰ کا (یہ) ارشاد رَفَاعَ عِصْلُكُمُ اَوْ جَوْهَكُمْؑ ظاہر ایک مرتبہ

دھولینے پر صادق آتا ہے، اور یہ دھونے کا کمتر درجہ ہے، لیکن اس سے زیادہ مرتبہ دھونے

کا بھی (آیت میں) احتمال موجود ہے،

۲۵- لہذا کتاب اللہ کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک ایک مرتبہ جو دھونے کا کمتر درجہ تھا وہ اختیار فرمایا، اور اکثر کا بھی احتمال تھا،

اور (پھر) دو مرتبہ و تین مرتبہ بھی فرمایا،

۲۵- اس سے ہم نے استدلال کیا کہ اگر ایک مرتبہ کافی نہ ہوتا تو آپؐ ایک ایک مرتبہ وضو



کر کے نماز ادا نہ فرماتے، اور یہ کہ ایک ایک مرتبہ سے زائد کرنا بیعتیاری چیز ہے، فرض نہیں ہے، فرض صرف ایک ایک مرتبہ ہے، اس سے کم نہ ہونا چاہئے،

۴۵۷۔ اور اس فرض کی بھی وہی نوعیت ہے جو اس سے قبل کے فرائض میں میں نے بیان کی، کہ اگر حدیث سے قطع نظر کی جائے تو (خود) کتاب ہی (بیان وضو کے لئے) کافی ہوگی لیکن جب حدیث بھی سامنے رکھی جائے تو یہ اس امر پر دلالت ہوگی کہ کتاب کے ساتھ ہی حدیث کی اتباع ہو،

۴۵۸۔ اور غالباً ان حضرات نے حدیث روایت بھی اس لئے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل (اعضاء) وضو کو تین (تین) مرتبہ دھونا کثرت سے ہوا تھا، ان حضرات نے یہ چاہا کہ (لوگوں کو یہ بتلادیں کہ) تین مرتبہ کا درجہ نہایت سیاری ہے، یہ (نہ سمجھ لیا جائے) کہ فرض ہے، جس کے بدون صحیح نہ ہوگا، اور جب کہ تین مرتبہ (اعضاء وضو) دھونے کے بعد حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے، ”جس شخص نے اس طرح وضو کیا، اور خلوص کے ساتھ دو رکعت ادا کیں تو بخش دیا جائے گا“ تو اس سے ان حضرات کو یہ بتانا مقصود ہے کہ (تعداد کی یہ) زیادتی وضو میں بطور نفل کے فضیلت حاصل کرنے کے لئے ہے،

۴۵۹۔ (وضو) کی آیت میں کہنیوں اور ٹخنوں کے سلسلہ میں ایک احتمال تو یہ تھا کہ ان دونوں کو بھی دھونے میں شامل کیا جائے (دوسرا) یہ احتمال تھا کہ ان دونوں (عضو) تک دھونا اور ان کو دھونے میں شامل نہ کیا جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو دھونے میں شامل کیا، تو غالباً ان حضرات نے یہی حالت ظاہر کرنے کے لئے حدیث روایت کی۔ اور آیت کے ظاہری مفہوم سے زیادہ قریب بھی یہی (معنی) ہیں کہ ان دونوں (عضو) کو دھونے میں شامل کیا جائے،

۴۶۰۔ اور یہ وہ صورت ہوئی جس میں کتاب اللہ کے بیان کے ساتھ ہی سنت کا بیان بھی (موجود) ہو،

۴۶۱۔ اہل علم کے نزدیک یہ آیت اور اس سے قبل کی آیات اپنے فرض ثابت کرنے میں قرآن کے (علاوہ دوسرے) امور سے مستغنی ہیں، (لیکن) غیر اہل علم کے نزدیک مختلف (محموس) ہوتی ہیں،

۴۶۲۔ اور غسل جنابت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غسل سے قبل) شرمگاہ کو دھونا

اور نماز کے جیسے وضو کرنے کا طریقہ مقرر فرمایا، لہذا ہم بھی یہی پسند کرتے ہیں کہ اسی طرح کریں (جیسا کہ حضورؐ نے کیا)،

۳۶۲۔ اور میرے علم کی حد تک اس مسئلہ میں تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی طرز پر بھی اپنے پورے جسم کو غسل جنابت میں مکمل طور پر دھو ڈالے گا، تو اس کا یہ غسل اس کے لئے کافی ہوگا، اگرچہ پسندیدہ طریقہ کوئی دوسرا ہی صحیح، کیونکہ غسل کا فرض اتنے ہی (عمل سے) پورا ہو جاتا ہے، اس میں وضو کی طرح حد بندی نہیں ہے،

۳۶۱۔ اور جن امور میں وضو واجب ہوتا تھا اور جس جنابت میں غسل واجب ہوتا تھا ان میں کچھ سنتیں مقرر فرمائیں جن کے متعلق کتاب میں (کوئی) نص موجود نہ تھی،

وہ منصوص فرض جس کے خاص معنی مراد ہونے پر سنت دلالت کرتی ہو،

۳۶۰۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ أَمْرًا كَانَ لَمِنْ أَمْرِكَ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ

یعنی لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلامہ کے باب میں حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے ایک (یعنی یا علاقائی) بہن ہو، تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملیگا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا، اگر اس کے اولاد نہ ہو (اور والدین بھی نہ ہوں) ۴

(سورۃ النساء: ۶، ۱۷)

۳۶۰۔ اور فرمایا ہے:-

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ، نِصِيبًا مِّمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ، نِصِيبًا

یعنی مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت قریب کے رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، سواء وہ چیز قلیل ہو یا کثیر، ہر حصہ قطعی مقرر کیا ہوا ۵

(سورۃ النساء: ۷)

۴۶۸- اور ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا بَوَیْہٖ لِكُلِّ وَاحِدٍ  
مِّنْهُمَا الشُّرْکُ مِمَّا تَرَکَ  
اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ، فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ  
لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ اَبَوَاهُ فَلِامَّةٍ  
الْثُلُثُ، فَاِنْ كَانَ لَهُ اِخْوَةٌ  
فَلِامَّةٍ الشُّرْکُ مِمَّنْ بَعْدِ  
وَصِیَّتِهِ یُوصِی بِهَا، اَوْ ذَیْنٍ،  
اَبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ  
اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا،  
فَیُضِیئَةُ مِنَ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ  
كَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا، وَلَكُمْ  
فِیْضُ مِمَّا تَرَکَ اَزْوَاجُكُمْ  
اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهِنَّ وَلَدٌ، فَاِنْ  
كَانَ لَهِنَّ وَلَدٌ فَذَکُمْ الرُّبْعُ  
مِمَّا تَرَکُنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّتِهِ یُوصِیْنَ  
بِهَا اَوْ ذَیْنٍ، (سورۃ النساء: ۱۱، ۱۲)

یعنی اوراں باپ کے لئے یعنی دونوں میں ہر ایک  
کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہو اگر  
میت کے کچھ اولاد ہو، اور اگر اس میت کے کچھ اولاد  
نہ ہو، اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں  
تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے، اور اگر میت کے ایسا  
زیادہ بھائی بہن ہیں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملیگا  
وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت  
کر جائے، یا ذین کے بعد، تمہاری اصول و فروع جو  
ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے ہو کہ ان میں  
کو شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے  
یہ حکم منجانب اللہ مستر کر دیا گیا، بالیقین اللہ تعالیٰ  
بڑے علم و حکمت والے ہیں، اور تم کو آدھا ملے گا  
ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں، اگر ان کے کچھ  
اولاد نہ ہو، اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو تو تم  
ان کے ترکہ سے چوتھائی ملے گا وصیت نکالنے کے  
بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں، یا ذین کے

۴۶۹- اور ارشاد فرمایا ہے: وَلَهُنَّ الشُّرْبُ، میراث کی دیگر آیات کے ساتھ دہڑھ جائے  
۴۷۰- چنانچہ (اس موقع پر) سنت نے یہ بتلایا کہ (اللہ تعالیٰ نے موارث کے بیان میں)  
بھائی بہن، بیٹے، افسریہ، والدین اور ازواج و دیگر وہ تمام ورثاء جن کا حصہ کتاب میں  
نامزد کر کے فرض کیا ہے، ان (ورثاء) سے خاص قسم کے ورثاء مراد ہیں،

۴۷۱- اور اس کے (بتلانے کی) صورت یہ ہے کہ وارث اور موروث کا دین ایک ہو  
اور یہ کہ دونوں دارالاسلام کے رہنے والے ہوں، یا یہ کہ ایسا شخص ہو کہ جس نے مسلمانوں  
سے عہد و پیمان کے ساتھ اپنی جان و مال کے لئے امان حاصل کر لی ہو، یا یہ کہ دونوں ہی  
مشرک ہوں تو (دین) مشرک کے لحاظ سے باہم متوارث ہوں گے،

۴۶۔ ہم کوفیانیان نے خبر دی بواسطہ زہری بروایت علی بن حسین، بروایت عمرو ابن عثمان، حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی مسلم کافر کا وارث نہ ہو سکے گا اور نہ کافر کسی مسلم کا“

۴۷۔ اور یہ کہ وارث و موروث دونوں آزاد مسلم ہوں،

۴۸۔ (چنانچہ) ابن عیینہ نے بذریعہ ابن شہاب بروایت سالم بواسطہ اپنے والد کے ہم سے حدیث بیان کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اپنا غلام فروخت کرے اور اس غلام کے پاس مال ہو تو یہ مال فروخت کرنے والے کی ملکیت ہوگا، مگر اس صورت میں جب کہ خریدنے والا (اپنے حق میں ملکیت) کی شرط کر لے“

۴۹۔ شافعیؒ نے فرمایا جب کہ سنت رسول اللہؐ سے یہ امر واضح ہے کہ غلام مال کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ وہ جو کچھ مال حاصل کرے گا اس کے آقا کی ملکیت ہوگی، مال کی نسبت غلام کی طرف صرف اس وجہ سے ہوئی ہے کہ مال عن غلام کے قبضہ میں ہوتا ہے، اس وجہ سے نہیں کی گئی کہ غلام مال کا مالک ہوتا ہے، اور مالک ہو بھی کس طرح سکتا ہے جب کہ وہ خود اپنی ذات کا مالک بھی نہیں ہوتا (بلکہ یہ ملوک ہوتا ہے جس کو فروخت کیا جاسکتا ہے، بہہ کیا جاسکتا ہے، وراثت میں شامل کیا جاسکتا ہے، اور وراثت میں) اللہ تعالیٰ نے قویٰ کی ملکیت کو زندوں کی طرف منتقل کیا ہے، لہذا یہ اُس تمام مال کے مالک ہوں گے جس کی میت مالک تھی، (اب) اگر غلام (کسی میت) کا باپ ہو یا ایسا کوئی وارث ہو جس کا حصہ مقرر کیا جا چکا ہو اور اس کو ہم میت کی میراث کا حصہ دلوادیں تو یہ مال اس کے آقا کی ملکیت ہو جائے گا، (حالانکہ) آقا نہ تو اس میت کا باپ ہے اور نہ ایسا وارث ہے کہ جس کے لئے (کتاب اللہ) میں حصہ عترت رکھا گیا ہے، لہذا اب اگر ہم نے غلام کو میت کا باپ ہونے کی وجہ سے وراثت کا حصہ دیا تو گویا ہم نے اس کے آقا کو دیا جس کے لئے وراثت کا کوئی حق نہ تھا، یعنی ہم نے ایسے شخص کو وارث بنایا جس کو اللہ تعالیٰ نے وارث نہ بنایا تھا، چنانچہ یہ وہ سبب ہے جس کی بنا پر ہم غلام کو میت کا وارث نہیں بتاتے، اور نہ کسی ایسے شخص کو وارث بناتے ہیں جو قاتل ہو یا اس میں حریت و اسلام موجود نہ ہو،

۵۰۔ اس کی وجہ وہ روایت ہے جس کو مالکؒ نے یحییٰ ابن سعید بروایت عمرو بن شعیب، روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قاتل کو کچھ نہ ملے گا“



۴۷۷۔ چنانچہ مقتول کے قاتل کو ہم وارث نہیں بناتے، اور جو شخص عداً قاتل ہو اس کے لئے میراث سے محروم کر دیا جانا خیف ترین سزا ہے، اس نے اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کا غصہ حاصل کیا، تو ایسے شخص کی سزا جو قتل کا ارتکاب کر کے خدا کی نافرمانی کرے یہی ہو سکتی ہے کہ (دکم سے کم) دراشت کے حق سے اس کو محروم کر دیا جائے،

۴۷۸۔ اور میں نے جو یہ کہا ہے کہ مسلمان کا وارث وہ مسلمان ہو گا جو آزاد ہو، اور قاتل عمدی نہ ہو یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں اہل علم بلاد اسلامیہ میں سے کسی عالم کا اختلاف نہیں پایا جاتا

۴۷۹۔ اور ہمارے بیان کردہ مسئلہ پر ان کا اجماع کر لینا یہ ایک ایسی حجت ہے جو ان اہل علم پر یہ لازم کر دیتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت میں بھی اختلاف نہ کریں،

اس لئے کہ جب سنت ایسے مقام پر جو فرض منصوص علیہ کے درجہ میں ہے (اثر انداز) ہوئی تو ایسے مقام پر کہ جہاں شرآن میں فرض کے اسم میں بعض افراد داخل ہوں، اور بعض داخل ہوں، اسی طرح اثر انداز ہوگی، اور اسی طرح اس مقام پر بھی کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی منصوص حکم موجود نہ ہوگا،

۴۸۰۔ ایک عالم کے حق میں یہی بہتر ہے کہ سنت کی (اتباع) کے لازم ہونے میں شک نہ کری،

اور یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور پھر اس کے رسولؐ کے احکام باہم مختلف نہیں ہو کرتے، بلکہ ایک ہی طرز پر جاری رہتے ہیں،

۴۸۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ يَٰٓأَبَٰلِٰٓءٍ  
إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ قَرَٰضٍ  
مِّثْلُكُمْ، (سورۃ النساء، ۲۹)

۴۸۲۔ اور فرمایا ہے:

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ  
الرِّبَا، وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ  
الرِّبَا، (سورۃ البقرۃ، ۲۷۵)

۴۸۳۔ (لیکن اس کے باوجود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ایسی (بیوع سے) (بھی) منع فرمایا ہے کہ جن میں بائع اور مشتری دونوں کی رضامندی موجود ہوتی ہے، سونے کا سونے

کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ خرید و فروخت کرنا حرام فرمادیا گیا، مگر جب کہ دونوں برابر وزن میں ہوں (تو حلال ہے) اور اسی طرح سونے کو چاندی کے عوض فروخت کرنا، اس طرح کہ ایک جانب نقد ہو اور دوسری جانب کی ادائیگی کسی میعاد پر رکھی گئی ہو، اور دیگر ایسی بیوع کو جو اسی کے مثل ہوں، جہاں بیع میں کوئی خطرہ نہیں ہو، اور نہ کوئی ایسا امر موجود ہو، تو اسے کہ جس سے بائع اور مشتری لاعلم رہے ہوں،

۲۸۴۔ پس سنت یہ بتلایا کہ خدائے جن بیوع کو حلال کیا ہے حرام نہیں کیا، اُن سے وہ بیوع مرا نہیں ہیں جن کو اس کے رسولؐ نے حرام فرمایا ہے،

۲۸۵۔ پھر (مذکورہ) بیوع کے علاوہ دیگر بیوع اور بھی ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت موجود ہے، جن کے مجملہ ایک یہ کہ (اگر) بائع اپنے غلام کا عیب مشتری پر پوشیدہ رکھ کر غلام کو فروخت کر دے تو مشتری کو اس غلام کی واپسی کا اختیار ہوگا، اور (اس دوران میں) غلام کی آمدنی مشتری کی ملوکہ ہوگی، کیونکہ غلام اس کی ضمان میں آچکا تھا،

اسی میں سے ایک یہ ہے کہ جس شخص نے اپنا غلام فروخت کیا، اور غلام کے قبضہ میں (کچھ) مال تھا تو یہ مال فروخت کرنے والے (بائع) کا ہوگا، الا یہ کہ مشتری اپنے لئے ہونے کی شرط رکھ لی ہو،

اسی میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا درخت فروخت کرے جس کے پھل تیاری کے قریب ہوں تو یہ پھل بائع کے ملوکہ ہوں گے، مگر یہ کہ مشتری اپنی ملکیت کی شرط کر لے، (لہذا ان تمام احکام میں) لوگوں پر لازم ہے کہ وہ ان کو اختیار کریں، اس چہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے حکم کی بجا آوری لازم کر دی ہے،



## دیگر فرائض مجملہ

۲۸۶۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
كِتَابًا مَوْقُوتًا (سورة النساء: ۱۰۳)

”یعنی مومنین پر نماز یقینی طور سے وقت معسرہ پر  
فرض کی گئی ہے“

۲۸۷۔ اور فرمایا ہے:

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ،

”یعنی نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو“

(سورة البقرة: ۸۳، ۴۳)

۲۸۸۔ اور اپنے نبی سے فرمایا ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ  
وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا، (سورة البقرة: ۱۰۳)

”یعنی اُن کے اموال سے صدقہ لے کر ان کو (ظاہری)  
اور (باطنی) طور پر اس صدقہ کے ذریعہ پاک کرو“

۲۸۹۔ اور فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ  
اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ،

”یعنی اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج  
کرنا ہے، یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے،  
وہاں تک جانے کے راستے کی“

(سورة ال عمران: ۹۷)

۲۹۰۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نماز، زکوٰۃ، حج کا فرض اپنی کتاب میں  
قطعی طریقہ پر مقرر کر دیا، اور اس فرض کی کیفیت اپنے نبی کی زبان سے بیان کرادی،

۲۹۱۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نمازوں کی تعداد بیلین ہزار دی کہ پانچ نماز  
ہیں، اور یہ بیان فرمایا کہ ظہر و عصر و عشاء کی نماز کی قیام کی حالت میں چار چار رکعتیں ہیں،  
اور مغرب کی تین اور صبح کی دو رکعتیں ہیں،

۲۹۲۔ اور ان تمام نمازوں میں قرأت معسرہ فرما کر بتلایا کہ مغرب و عشاء و صبح کی نماز میں چہر

کیا جائے گا، اور ظہر و عصر کی نمازوں میں خاموشی سے پڑھا جائے گا،

۴۹۳۔ اور معتسر فرمایا کہ ہر نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر (تحریم) فرض ہے، اور نماز سے خارج ہونے کے وقت سلام، اور یہ کہ پہلے تکبیر کہی جائے، پھر قرأت کی جائے، پھر رکوع اور رکوع کے بعد دو سجدے (کئے جائیں) اور اس کے علاوہ نماز کے دیگر حدود (بیان فرمائے)،

۴۹۴۔ اور سفر کی حالت میں جن نمازوں کی چار رکعتیں ہیں ان میں اگر مسافر خواہش مند ہوں تو قصر کی سنت جاری فرمائی، مغرب اور صبح کی نماز کو اسی حالت پر قائم رکھا، جس حالت پر وہ (شہر میں) قیام کی حالت میں تھیں،

۴۹۵۔ اور یہ (بیان فرمایا) کہ سوائے ایک صلوٰۃ خوف کے تمام نمازیں خواہ مقیم ہو یا مسافر، قبلہ کی طرف توجہ کر کے ادا کی جائیں گی،

۴۹۶۔ اور نوافل کے بارے میں معتسر فرمایا کہ وہ بھی فرائض کی طرح بغیر طہارت جائز نہ ہونگے اور بغیر قرأت صحیح نہ ہوں گے، اور وہ تمام امور ہوں گے جن سے فرائض صحیح مانے جاتے ہیں (مثلاً) سجدہ رکوع اگر شہر میں یا سفر میں زمین پر ادا کر رہا ہے تو استقبال قبلہ ضروری ہوگا، اور یہ کہ اگر سواری کی حالت میں ادا کر رہا ہے تو ایسی حالت میں جس طرف سواری کا منہ ہوگا (نفل درست ہوں گے)۔

۴۹۷۔ ہم سے حدیث بیان کی ابن ابی فذیک نے بذریعہ ابن ابی ذؤب بواسطہ عثمان بن عبد اللہ بن سراقہ بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری غزوہ بنی انمار میں مشرق کی طرف رخ کئے ہوئے تھی، اور آپ اسی طرح اس پر نماز ادا فرما رہے تھے،

۴۹۸۔ اور مسلم نے بواسطہ ابن جبرج بروایت ابوالزہرہ حضرت جابرؓ سے اسی حدیث (مذکورہ) کے ہم معنی روایت نقل کی، یہ مجھے یاد نہیں کہ انھوں نے بنی انمار کا نام لیا یا نہیں، یا سفر میں نماز پڑھنے کے الفاظ ادا فرمائے،

۴۹۹۔ عیدین اور استسقاء کی نمازوں میں رکوع و سجدہ کی تعداد کے لحاظ سے وہی طریقہ جاری رکھا، جو دیگر نمازوں میں تھا، (لیکن) کسوف کی نماز میں ایک رکوع کا اضافہ فرما کر ہر رکعت میں دو دو رکوع مقرر فرمائے،

۵۰۰۔ (اس مضمون کو) ہم سے مالک نے بواسطہ یحییٰ بن سعید عمرہ سے بروایت حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا،

۵۰۱۔ اور مالک نے ہشام سے بواسطہ اُن کے والد کے حضرت عائشہؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے،

۵۰۲۔ اور مالک نے زید ابن اسلم سے بواسطہ عطاء بن یسار حضرت ابن عباسؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح،

۵۰۳۔ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی احادیث صلوٰۃ کسوف کے ابتدائی حصہ میں تو الفاظ کا کچھ اختلاف ہے لیکن اس امر میں دونوں حدیثیں متفق ہیں کہ کسوف کی نمازیں دو رکعتیں آپؐ نے ادا فرمائیں، اور ہر رکعت میں دو دو رکوع ادا فرمائے،

۵۰۴۔ اور اللہ تعالیٰ نے نماز کے متعلق فرمایا تھا:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا  
”مؤمنین پر نماز یقینی طور سے وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے“

۵۰۵۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ان اوقات کو بیان فرمایا، اور تمام نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا فرمایا، (البتہ) یوم احزاب میں جب آپؐ کا محاصرہ کر لیا گیا تھا تو آپؐ نماز اس کے (مقررہ) وقت میں ادا نہ فرما سکے تھے، اور عذر کی بنا پر اُن کو مؤخر فرما دیا تھا، یہاں تک کہ ظہر و عصر و مغرب و عشاء ایک ہی مقام پر ادا فرمائی تھیں،

۵۰۶۔ ہم سے بیان کیا محمد بن اسمعیل بن ابی ذریک بواسطہ ابن ابی ذئب بذریعہ مقبری بروایت عبدالرحمن بن ابی سعید کے ان کے والد سے فرمایا، یوم خندق میں ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے، حتیٰ کہ مغرب کے بعد رات کا اندھیرا چھا گیا، اس وقت ہم کو اطمینان ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے یہی معنی ہیں:

وَكَفَى اللَّهُ لِلْمُؤْمِنِينَ آتِئَاتٍ، وَ  
”اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مؤمنین کے لئے آپؐ ہی کافی  
ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا زبردست ہے“

(سورۃ الاحزاب: ۲۵)

لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) بلالؓ کو بلا کر حکم دیا، انھوں نے ظہر کی اقامت

کہی، اور آپ نے یہ نماز بڑی خوبی کے ساتھ اسی طرح ادا فرمائی جس طرح اس کے وقت میں ادا فرماتے، پھر انھوں نے عصر کی اقامت کہی، اس کو آپ نے اسی طرح ادا فرمایا، پھر مغرب کی اقامت کہی، اور آپ نے اسی طرح اُس کو ادا فرمایا، پھر عشاء کی اقامت ہوئی اور اس کو بھی آپ نے اسی طرح ادا فرمایا، (راوی نے) فرمایا کہ یہ صلوٰۃ خوف کی آیت فَرَجَالًا اَوْ رُكْبَانًا کے نازل ہونے سے قبل کا واقعہ ہے،

۵۰۸۔ شافعیؒ نے فرمایا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے یہاں یہ بیان فرمادیا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ خوف کی آیات نازل فرمائی تھیں اور جن آیت میں خوف کی نماز کا بیان ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَإِذَا ضَرَأْتُمْ فِي الْأَسْمَانِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ، إِنَّ خِفَافًا لَّيَقْتَنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا، إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا أَنْكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا، (سورة النساء: ۱۰۱)

”اور جب تم زمین میں سفر کر دو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا، (بلکہ ضروری ہے) کہ تم نماز کم کر دو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے، بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں“

اور فرمایا:

وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلَمْ يَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ، وَلْيَأْخُذْ وَاسِلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ، وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُسَلِّوْا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ، (سورة النساء: ۱۰۲)

”اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں، پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ ہتھیار لیں، پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجائے، اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے“

۵۰۹۔ ہم کو مالک نے خبر دی بواسطہ یزید بن رومان بروایت صالح بن خوات انھوں نے ایسے صحابی سے نقل کیا جنھوں نے یوم ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خوف کی نماز پڑھی تھی، (فرمایا) ایک طائفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صف بندی کی، اور ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں قائم رہا، حضورؐ نے اپنے

ہمراہیوں کے ساتھ نماز کی ایک رکعت ادا فرمائی، پھر آپ کھڑے رہے، اور ان لوگوں نے اپنی ایک رکعت باقی پوری کی اور وہاں سے واپس آکر دشمن کے مقابلہ میں صف بستہ ہو گیا، اور اب وہ دوسرا گروہ (آپ کے پیچھے) آگیا، جس نے نماز ادا نہ کی تھی، پس آپ نے اُن لوگوں کے ہمراہ اپنی ایک رکعت باقی رہی ہوئی ادا کی، پھر حضور قاعدے میں تشریف فرما رہے اور ان لوگوں نے اپنی باقی ایک رکعت بذات خود ادا کی، (اور تعدہ میں پہنچنے کے بعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ہمراہ سلام پھیر دیا،

۵۱۰۔ جس شخص نے عبداللہ بن عمر ابن حفص سے سنا تھا، اس نے مجھ سے روایت کیا، اُن کے بھائی عبید اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہوئے بروایت قاسم ابن محمد کے صالح بن خوات سے بروایت ان کے والد خوات ابن جمیرؓ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، وہی مضمون جو یزید بن رومان کی حدیث میں (بیان ہوا)

۵۱۱۔ اس حدیث میں میرے اُس مسئلہ پر بھی دلیل موجود ہے، جو اسی کتاب میں اس سے قبل بیان کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی معاملہ میں کوئی سنت معتبر فرماتے اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس مسئلہ میں کوئی دوسرا حکم نازل ہوتا جو سنت کے لئے ناسخ ہوتا، یا اُس سنت میں مزید وسعت پیدا کرنے والا ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسری سنت (اُس طرح) مقرر فرما دیتے، تاکہ یہ سنت لوگوں کے حق میں اس امر کی حجت ہو سکے، کہ آپ کی سنت کے ذریعہ سے اُن کو ایک دوسرا طریقہ سنت کی طرف پھیر دیا گیا ہے،

۵۱۲۔ چنانچہ خوف کی نماز میں اس کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمایا اس طرح کہ اُس کو اسی طرح (وقت میں) ادا کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے (دیگر نمازوں کے متعلق) نازل فرمایا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کے ذریعہ اُن کے اوقات بیان فرمائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُولیٰ سنت کو کتاب اللہ کی مابعد کی فرضیت سے اور اپنی ثانیہ سنت کے ذریعہ منسوخ فرما دیا، یعنی یہ کہ نماز کو اُس طریقہ پر جو میں نے ابھی بیان کیا اپنے وقت ہی میں ادا فرمایا،

۵۱۳۔ مالک نے نافع سے بروایت عبداللہ بن عمرؓ (میرا خیال ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، پس آپ نے خوف کی نماز کا بیان کرتے ہوئے فرمایا: اگر خوف آئے



بھی زیادہ شدت اختیار کر گیا ہو تو پھر لوگوں کو سوار یا پیادہ قبلہ یا غیر قبلہ ہر طرح نماز ادا کر لینا ضروری ہے،

۵۱۔ اسی حدیث کے ہم معنی ہم سے ایک شخص نے ابن ابی ذئب بواسطہ زہری بروایت سالم کے ان کے والد کی جانب روایت کیا، اس میں راوی نے حضرت سالم کے والد سے حدیث کے مروی ہونے میں کسی شک کا اظہار نہیں کیا، اور نہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں،

۵۲۔ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے یہ بتلادیا کہ فرائض میں قبلہ کو متوجہ ہونا ہمیشہ کے لئے فرض ہے، مگر جب کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ قبلہ کو متوجہ ہو کر نما پڑھنا ممکن ہی نہ ہو، اور یہ میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں جب جنگ کا سلسلہ جاری ہو تو قبلہ کو متوجہ رہنا ممکن نہیں ہوتا،

۵۳۔ (خلاصہ یہ کہ) سنت سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس طرح بھی نمازی کے لئے ممکن ہو، نماز اس کے وقت ہی میں ادا کرے،

## زکوٰۃ

۵۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ، ”نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔“

(سورۃ النساء: ۷۶)

اور فرمایا ہے:

وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ،

اور فرمایا:

قَوْلِ الْمَصْلُوبِينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ الَّذِينَ هُمْ مِرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (سورۃ الماعون: ۴، ۵)

”نماز میں لاپرواہی کرنے والوں کے لئے تباہی ہے جو لوگ ریاکاری سے کام لیتے ہیں، اور عاریۃ اشیاء دینے سے گریز کرتے ہیں۔“

۵۱۸۔ بعض اہل علم نے فرمایا آیات مذکورہ میں (زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے،

۵۱۹۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً  
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ  
بِهَا، وَصَلِّ عَلَيْهِمْ  
إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ  
وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ  
(سورۃ التوبہ: ۱۰۳)

یعنی آپ اُن کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو وہ لے  
آئے ہیں، لے لیجئے، جس کے لینے کے ذریعہ سے  
آپ ان کو رگنا) کے آثار سے پاک و صاف کریں گے  
اور اُن کے لئے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا اُن کے  
لئے موجبِ اطمینان (قلب) ہو، اور اللہ خوب سننے  
اور خوب جانتے ہیں

۵۲۰۔ اب آیت کا مصداق تو عام مال ہے، لیکن یہ احتمال ہے کہ اس سے مال کے بعض  
اقسام مراد ہوں اور بعض مراد نہ ہوں،

۵۲۱۔ چونکہ مال کی قسمیں بہت ہیں، جن کے منجملہ مولشی بھی ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے اونٹ اور بکریوں کی زکوٰۃ لی، اور ہم کو جو ردایت پہنچی ہے اس میں آپ نے  
مخصوص طور پر گائے سے بھی لینے کا حکم فرمایا (لیکن) ان کے علاوہ دیگر چوپایوں سے نہیں  
پھر ان (اقسام) میں سے بھی مختلف عدد کے ساتھ لیا، اُس طرح جس طرح اللہ تعالیٰ نے  
اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے فیصلہ کرایا، حالانکہ لوگوں کے پاس چوپایوں  
کے اقدام میں سے گھوڑے و گدھے و خچر بھی تھے، (لیکن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ان میں سے کچھ نہ لیا، (بلکہ) یہ سنت مقرر فرمائی کہ گھوڑوں میں کوئی صدقہ (واجب  
نہیں)، اس سے ہم نے استدلال کیا کہ صدقہ اُن ہی مولشی میں ہوگا جن سے آپ نے لیا اور  
ان میں سے نہ ہوگا جن سے آپ نے وصول نہ کیا،

۵۲۲۔ پھر لوگوں کے پاس کھیتیاں اور (مختلف پھلوں کے) درخت بھی تھے، مگر رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے صرف کجور اور انگور سے اندازہ کر کے بغیر اختلاف مقرر  
کے زکوٰۃ وصول کی، یعنی بارش یا چشمہ سے پیدا شدہ پھلوں میں دسواں حصہ، اور چرخ سے  
دیئے گئے پانی کے درختوں کی پیداوار سے بیسواں حصہ،

۵۲۳۔ بعض اہل علم نے کجوروں اور انگوروں پر قیاس کرتے ہوئے زمیتوں سے بھی زکوٰۃ  
لی ہے،

۵۱۔ اور کجور و انگور و زیتون کے علاوہ بھی لوگوں کے پاس اخروٹ، بادام، انجیر کے درخت بھی کثرت سے تھے، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ نہ لیا، اور نہ لینے کا حکم دیا اس سے ہم نے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا ہوا صدقہ بعض درختوں (کے پھلوں میں) ہے اور بعض میں نہیں ہے،

۵۔ اور کھیتی میں لوگ گیہوں، جو، جوار و دیگر مختلف قسم کے آناج بوتے تھے، (لیکن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ہم کو محفوظ ہوا وہ یہ کہ آپ نے صرف گیہوں، جو، جوار سے صدقہ لیا..... اور ہم سے پہلے علماء نے باجرہ (یا کنگنی) اور پیچیری جو (بغیر پوست کا جو) اور مسور و چاول اور ہر اُس آناج سے جو لوگوں کے کھانے میں آتا تھا روٹی بناتے یا حریہ یا ستویا کوئی سالن، یا مثلاً چنایا دیگر آناج جو اُبال کر استعمال ہوتے جن کی روٹی بھی بیتی اور ستود سالن بھی بنایا جاتا اسی حدیث پر قیاس کر کے جو ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ لینے کے سلسلہ میں بیان کی گئی اسی کا اتباع کرتے ہوئے صدقہ لیا، کیونکہ جن آناج کی قسموں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ لیا یہ آناج بھی اسی کے مثل تھے، لوگ ان میں کھیتی باڑی کر کے اُن کو اپنی قوت کا ذریعہ بناتے،

۵۔ ان کے علاوہ لوگوں کے پاس دوسری سبزیاں بھی موجود ہوتیں، لیکن اُن سے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ لیا، اور نہ آپ کے بعد کسی نے، معلوم ہوا کہ یہ زمین سے پیدا ہونے والی اشیاء اُن اشیاء کے ہم معنی نہیں سمجھی گئیں جن میں حضورؐ نے صدقہ وصول کیا، اور اس کی مثال مثلاً رائی، اسپنول، تخم کشنیز، تخم کسم و دیگر اُنکے شاہد دانوں میں سے زکوٰۃ نہیں لی گئی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کھیتی کی ہر پیداوار میں زکوٰۃ نہیں بلکہ بعض اقسام میں ہے،

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی میں زکوٰۃ فرض کی، آپ کے بعد مسلمانوں نے سونے سے وصول کی، اس کی علت یا تو کوئی ایسی حدیث ہوئی جو ہم تک روایت ہو کر نہ پہنچ سکی، یا سونے کا چاندی پر قیاس کر لینا ہے، کیونکہ دونوں نفدین ہیں، لوگ ان کو جمع کرتے ہیں، اپنی خرید و فروخت میں اشیاء کی قیمت میں اُن کو ادا کرتے ہیں، یہ سلسلہ تمام شہروں میں اسلام سے قبل بھی تھا، اور اسلام کے بعد بھی باقی چہلا آ رہا ہے،

۵۲۸۔ اور لوگوں کے پاس ان دونوں کے علاوہ اور دھاتیں بھی ہیں، مثلاً تانبہ، لوہا، رانگہ (سیسہ) (لیکن) جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد کسی نے بھی زکوٰۃ نہ لی، تو ہم نے بھی ان کی اتباع میں ان کو چھوڑ دیا، اور یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان کو اس سونے اور چاندی پر قیاس کر لیں جو تمام ملکوں میں عام طور پر اشیاء کی قیمت مستعمل دیئے گئے ہیں، کیونکہ ان (دھاتوں میں) ان دونوں کی صفت موجود نہیں، (اس لئے زکوٰۃ (بھی) نہیں، اور یہ بھی درست ہے کہ سونے چاندی کو دوسری دھاتوں کی قیمت میں دے کر معین مدت و معین وزن کے ساتھ فروخت کیا جائے،

۵۲۹۔ اور یا قوت و زبرد، سونے و چاندی سے بھی زیادہ قیمتی ہیں (لیکن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود ان سے لیا نہ لینے کا حکم دیا، اور نہ آپ کے بعد ہمارے علم کی حد تک کسی نے یہ دونوں اشیاء ایسی ہیں کہ خاص خاص لوگوں کی ملکیت میں ہو کر قیامت میں ہوں اور ایسا نہیں رکھتی تھیں کہ لوگ اشیاء کی قیمت میں ان کو ادا کریں، کیونکہ نقدی نہیں کہلا سکتی تھیں، لہذا ان میں سے صدقہ نہ لیا گیا،

۵۳۰۔ پھر عام احادیث چوپایوں اور نقدین کی زکوٰۃ کی متعلق جتنی مروی ہیں، ان سے یہی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ زکوٰۃ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ، ”یعنی کھیتی کٹانے کے دن اس کا حق ادا کرو“

(سورۃ الانعام: ۱۴۱)

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ معترف فرمایا کہ جتنی پیداوار زمین ہوتی ہو خواہ درختوں سے یا کسی دوسری (سیلوں وغیرہ) سے ان میں سے صدقہ اُسی دن لیا جائے جس دن ان کو کاٹا جا رہا ہے، اس کے علاوہ ان کے لئے اور کوئی وقت مقرر نہیں ہے،

۵۳۲۔ اور زمین میں دفن کئے ہوئے مال سے پانچواں حصہ لیا جانا آپ کی سنت ہے، یہ امر کی دلیل ہے کہ جس دن یہ مال نکلے اُسی دن اس سے (خمس) لے لیا جائے دوسرا کوئی وقت مقرر نہیں ہے،

۵۳۳۔ سفیان نے ہم کو خبر دی بروایت زہری بواسطہ سعید بن مسیب و ابوسلمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دینہ میں پانچواں حصہ صدقہ (میں معتبر رہے)

۵۔ لہذا اگر یہاں سنت کی رہنمائی نہ ہوتی تو ظاہر (آیات) قرآن سے تمام مال برابر تصور کئے جاتے، سب میں زکوٰۃ واجب ہوتی، یہ نہیں (ہوتا) کہ بعض اموال میں (زکوٰۃ) واجب ہو اور بعض میں واجب نہ ہو،

## ج

۶۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص پر حج فرض کیا جو راستے کی طاقت رکھتا ہو (اس کی توضیح میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو لہٰذا کہ راستے سے مراد زوارہ و سوارسی (کی طاقت رکھنا مراد ہے) اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے اوقات بتلائے، اور یہ کہ تلبیہ کس طرح کیا جائے، اور کون امور سنت ہیں، مگر امور سے حاجی کو پرہیز کرنا چاہئے یعنی کون لباس پہنے، خوشبو استعمال کرے (یا نہ کرے) اور ان کے علاوہ حج کے دیگر اعمال (مثلاً عرفہ اور مزدلفہ، رمی، حجار) سرمنڈانا، طواف وغیرہ کی (تفصیل بیان فرمائی)

۷۔ پس اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا کتاب اللہ کے ساتھ جو درجہ ہم نے بیان کیا ہے صرف اسی کا علم حاصل کر لے، یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے محفل طور پر نازل فرمایا اسی کے معنی بیان کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت مقرر فرمائی، اور یہ کہ جو اعمال اللہ نے فرض فرمائے سنت نے اُن کی یہ تفصیل بیان کی، کہ کیا حرام ہے کیا حلال ہے، اور جو فرض میں داخل ہے اور جو اس سے خارج، اور اس کے اوقات (بیان فرمائے)، اور جن اعمال سے (کتاب) نے سکوت فرمایا (ان کی توضیح کی)، تو اس شخص کے لئے یہ علم اس امر کی حجت ہو جائے گا کہ سنت رسول جب ایسے مقام پر جہاں اللہ تعالیٰ کے فرائض اس کی کتاب میں ایک یا زیادہ مرتبہ مذکور ہیں، یہ درجہ رکھتی ہے تو آئندہ بھی ہمیشہ کتاب اللہ کے لئے ایسی ہی حجت رہے گی،

۸۔ (اور اس شخص کے حق میں) یہ استدلال کیا جاسکے گا کہ سنت کبھی بھی کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہو کرتی، اور یہ کہ اگر کتاب اللہ میں کسی امر کے متعلق نص موجود نہ ہو تو اس امر میں سنت پر عمل لازمی ہوگا، جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا، جس کے ساتھ یہ بھی بتلایا کہ



اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی اطاعت ہمارے اوپر فرض کی ہے،

۵۳۸۔ اور اُس شخص پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ یہ سمجھنے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کے علاوہ

اپنی مخلوق میں سے کسی نافر د کو مذکورہ حق نہیں دیا ہے،

۵۳۹۔ اور ہر شخص کے قول و فعل کو ہمیشہ کتاب اللہ پھر اس کے رسولؐ کی سنت کے تابع

رکھنے کی کوشش کرے،

۵۴۰۔ اور اگر کسی عالم کا کوئی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقررہ سنت کے خلاف

اس کے علم میں آئے تو اس کے متعلق یہ تصور کرے کہ اس عالم کو سنت کی اطلاع ہوتی

وہ کہیں یہ مخالف قول خست یا رہ نہ کرتا، بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے قول سے اسی سنت کی

رجوع کر لیتا، (کیونکہ) اگر یہ (رجوع کا عمل) نہ کرے گا تو اس کے لئے جائز نہ ہوگا،

۵۴۱۔ اور جائز ہو بھی کس طرح، جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیؐ کی طاعت کے مندرجہ

ہونے کی تمام وکمال جتنیں قائم ہو چکی ہیں، اور (نبیؐ) کا جو درجہ وحی اور اللہ کے دین کے

ساتھ ہے وہ واضح کر دیا گیا ہے،

## ۵۴۲۔ (فریضہ) عدت کا بیان،

۵۴۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ

وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ

بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَ

عَشْرًا، (سورۃ بقرہ: ۲۳۴)

”اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں

چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو حپار مار

اور دس دن روکے رکھیں“

(سورۃ بقرہ: ۲۳۴)

اور فرمایا ہے:

وَلَيْسَ طَلَقَاتٍ يَتَرَبَّصْنَ

بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ،

”اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے

تین حیض تک روکے رکھیں“

(سورۃ البقرہ: ۲۲۸)

۵۴۳۔ اور فرمایا ہے:

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ

”اور بھاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں

مِنْ نِّسَاءِكُمْ إِنْ أَرَبْتُمْ  
فَعَلَّيْهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ،  
وَاللَّائِي لَمْ يَحْضَنْ وَأُولَاتُ  
الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ  
حَمْلَهُنَّ، (سورة الطلاق: ۴)

زیادتین کے، حیض کرنے سے ماہوس ہو چکی ہیں  
اگر تم کو (اُن کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو تو  
ان کی عدت تین مہینے ہیں، اور اسی طرح جن عورتوں  
کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا اور حاملہ  
عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے ۱۱

۵۲۔ چنانچہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو، اس کی عدت  
اللہ تعالیٰ نے چار ماہ دس یوم مقرر فرمائے ہیں، اور کہا ہے کہ حاملہ عورت کی عدت  
وضع حل مترادفی ہے، تو اگر کسی عورت میں دونوں باتیں جمع ہو جائیں، (یعنی حاملہ  
بھی ہو اور اس کا شوہر وفات بھی پا گیا ہو تو وہ دونوں عدتیں ایک ساتھ پوری کرے گی،  
بالکل اُسی طرح جس طرح کہ میں (اس عورت) کے ایک ایک فرض میں اُس فرض کی  
پوری پوری بجا آدری (ضروری) پاتا ہوں،

۵۳۔ شافعی فرماتے ہیں، اب جب کہ سبیحہ بنت حارث جس کے شوہر کی وفات کے  
چند دن بعد وضع حمل ہو گیا تھا، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم  
حلال ہو چکیں نکاح کر سکتی ہو، تو یہ فرمان اس بات کی دلیل ہوا کہ وفات کی عدت  
اور طلاق کے بعد حیض اور مہینوں کی عدت اُن عورتوں کے لئے ہے جو حاملہ نہ ہوں لیکن  
اگر حاملہ ہوئیں تو باقی (مذکورہ) تمام عدتیں اُن سے ساقط ہو جائیں گی،

## اُن عورتوں کا (بیان) جن سے نکاح حرام ہے

۵۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ  
وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ  
وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ  
وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ  
وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ  
مِنَ الرِّضَاعَةِ وَ

”تم پر حرام کی گئیں تمھاری مائیں، اور تمھاری  
بیٹیاں اور تمھاری بہنیں، اور تمھاری چھوٹیاں،  
اور تمھاری خالائیں، اور تمھاری خالائیاں،  
اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو  
(یعنی اُتا)، اور تمھاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی  
وجہ سے ہیں، اور تمھاری بیبیوں کی مائیں اور تمھاری

أُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ  
الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ  
الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فِإِنْ لَمْ  
تَكُونُوا دَخَلْتُمُ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ  
عَلَيْكُمْ، وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ  
الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ، وَأَنْ  
تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا  
قَدْ سَلَفَ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا  
رَحِيمًا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ  
إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، كَتَبَ اللَّهُ  
عَلَيْكُمْ، وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ  
ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ  
مُحْصَنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ، فَمَا  
اسْتَعْتَمْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ  
أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً، وَلَا جُنَاحَ  
عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ  
بَعْدِ الْفَرِيضَةِ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ  
عَلِيمًا حَكِيمًا

(سورۃ النساء: ۲۳، ۲۴)

والے ہیں، بڑے حکمت والے ہیں ۵

۵۴۔ پس آیت دو معنی کا احتمال رکھتی ہے، ایک یہ کہ جن متعینہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ

حرام قرار دیا وہ حرام ہوں، اور جن عورتوں سے سکوت خستیار فرمایا وہ حلال ہوں

اولاً اس وجہ سے کہ اُن سے سکوت فرمایا، دوسرے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ (اور ان عورتوں کے علاوہ تمھارے واسطے حلال

کر دی گئی ہیں) یہ معنی آیت سے، بالکل ظاہر ہے،

۵۴۸۔ اور آیت میں یہ امر واضح ہے کہ (دو عورتوں کے) جمع کی حرمت کے وہ معنی نہیں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

بیبیوں کی بیٹیاں، جو کہ تمھاری پرورش میں رہتی  
ہیں، اُن بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت  
کی ہو، اور اگر تم نے اُن بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو  
تو تم کو کوئی گناہ نہیں، اور تمھارے ان بیٹیوں کی  
کی بیٹیاں جو کہ تمھاری نسل سے ہوں، اور یہ کہ تم  
دو بہنوں کو (رضاعی ہوں یا نسی) ایک ساتھ کھا  
لیکن جو پہلے ہو چکا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے  
والے بڑی رحمت والے ہیں، اور وہ عورتیں جو کہ  
شوہر والیاں ہیں، مگر جو کہ تمھاری ملک ہو جائیں  
اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے  
اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمھارے لئے  
حلال کی گئیں ہیں، یعنی یہ کہ تم اُن کو اپنے مالوں  
کے ذریعہ سے چاہو، اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ  
صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو، پھر جس طریق سے تم  
عورتوں سے منتفع ہوتے ہو، سو اُن کو اُن کے  
دو، جو کچھ مستر رہ چکے ہیں، اور مستر نہ ہوں  
بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ، اس میں  
پر کوئی گناہ نہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے

جو (انسان کی) ماؤں کی حرمت کے ہیں، (بلکہ دونوں حرمتوں میں فرق ہے) لہذا جن عورتوں کا حلال ہونے میں نام لیا ہے وہ حلال ہیں، اور جن کا حرام ہونے میں نام لیا ہے وہ حرام ہیں، اور دو بہنوں کے حج کرنے کو جس طرح منع فرمایا، اس طرح ممنوع ہے،

۵۴۔ دو بہنوں کے حج کرنے کی مانعت اس امر کی دلیل ہے کہ صرف حج کرنا حرام ہے، اگرچہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ اپنی اصل کے لحاظ سے حلال ہے، اور اُن بہنوں کے علاوہ ماؤں اور بیٹیوں اور پھوپھیوں اور خالاؤں کا حرام ہونا اصل کے لحاظ سے ہے،

۵۵۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَا وَّرَاءَ ذٰلِكُمْ**، یعنی جن عورتوں کی تحریم اصل کے لحاظ سے ہے، یا رضاع کی وجہ سے ہے اصل تحریم کے مانند ہے، (اسکے) یہ معنی ہیں کہ (دیگر) عورتوں سے لوگ اُس طریقہ پر نکاح کر سکتے ہیں، جس طریقہ سے اُن کا نکاح حلال کیا گیا ہے،

(ربیع بن سلیمان نے کہا ہم کو شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اطلاع دیتے ہوئے فرمایا: **بسم اللہ الرحمن الرحیم**،

۵۵۔ پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ آپ کے (مذکورہ) بیان پر کیا دلیل ہے،

۵۵۔ بات یہ ہے کہ جو عورتیں مباح ہیں اُن میں سے بھی چار سے زیادہ سے نکاح حلال نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص (چار کے ہوتے ہوئے) پانچویں سے نکاح کرے گا تو نکاح فسخ کر دیا جائے گا، پس (معلوم ہوا) کہ مباح عورتوں میں سے کسی ایک سے نکاح اسی وقت حلال ہوگا جبکہ نکاح کا صحیح طریقہ اختیار کیا جائے، اور بلاشبہ پانچویں عورت کی وجہ حلت اور اسی طرح ایک عورت کی **وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَا وَّرَاءَ ذٰلِكُمْ** کے فرمان کے پیش نظر اُس طریقہ نکاح کے ذریعہ ہو سکے گی جو نکاح کا حلال طریقہ مقرر کیا گیا ہے، اور اسی شرط کو ملحوظ رکھ کر جس کے ساتھ اس کو حلال کیا گیا ہے نہ کہ مطلقاً،

۵۵۔ چنانچہ کسی شخص کا کسی عورت سے نکاح کرنا اس عورت کی پھوپھی یا خالہ کو اُس شخص کے لئے ہر حالت میں حرام نہیں کر دیتا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کی ماؤں کو ہر حالت میں حرام کر دیا ہے، چنانچہ پھوپھی اور خالہ اُن عورتوں میں داخل ہیں جن کو حلال کیا گیا ہے، (مگر) اُس طریقہ کے ساتھ جو اُن کی حلت کا مقرر کیا گیا ہے،

۵۵۔ جس طرح انسان کے لئے (پانچویں) عورت سے نکاح (اس شرط کے ساتھ) حلال ہے کہ وہ

اپنی چوتھی بیوی کو طلاق دے کر جدا کر دے، تو پھر پی جب کہ اس کی بھتیجی کو علیحدہ کر دیا جائے اس کے لئے حلال ہو جائے گی،

## کھانے کی اشیاء کی حرمت کا بیان

۵۵۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ارشاد فرمایا ہے:

”آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں اُن میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا ہوں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہو خون یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہو، یا جو (جانور) شکر کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نام ذکر دیا گیا ہو“

قُلْ لَا آجِدُ فِيهَا أَوْحًى إِلَّا نَهْيًا  
عَلَى طَائِعٍ يُطِيعُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونُ  
مَيْتَةً أَوْ دَمًا مُسْفُوحًا أَوْ  
لَحْمَ خَنْزِيرٍ، فَإِنَّهُ  
رِجْسٌ، أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِهِ  
اللَّهُ بِهِ، (سورۃ النعام: ۱۴۵)

۵۵۶۔ پس آیت مذکورہ میں دُوحی کا احتمال ہے، ایک تویہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کا نام لے کر بطور ہستیا ان کی حرمت فرمائی ہے، اور کوئی شے کھانے والے کے لئے حرام نہ ہو،

۵۵۷۔ اور یہ ایسے معنی ہیں کہ جب اس عبارت (سابقہ) سے کسی کو مخاطب کیا جائے گا تو اس کا ذہن فوری طور پر یہی مطلب لے گا کہ جن چیزوں کا نام اللہ تعالیٰ نے لیا ہے ان کے علاوہ دیگر کوئی شے حرام نہیں ہے، اور عبارت کے جو معنی اس درجہ میں ہوں کہ اس (اس عبارت کا) اظہار عام و اغلب معنی کہا جائے گا، اور ایسے معنی جو اس کے علاوہ آیت کا محتمل ہوا اہل علم کو اس معنی کے قابل ہونے کا حق حاصل ہے، لیکن اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے اس آیت کے کوئی محتمل معنی پر دلالت کی ہو تو اس وقت اُس عالم کو کہنا پڑے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مراد یہی سنت کا بیان کر دہ معنی ہیں،

۵۵۸۔ کتاب اللہ اور سنت میں اُس وقت تک کسی (معنی) کو خاص نہیں کیا جائے گا جب (اس کی تخصیص) پران و دخول یا ان میں سے کسی ایک کی دلالت موجود نہ ہو، اور یہ تخصیص بھی اُس وقت درست ہوگی، جب آیت اس کا احتمال رکھتی ہو، لیکن اگر آیت میں اُس معنی کا احتمال موجود ہی نہیں تو ایسی حالت میں آیت سے اس معنی کا مراد لینا جائز نہ ہوگا،



۵۵۔ اور آیت قُلْ لَا آجَلَ فِیْمَا اُوحِیَ اِلَیَّ مَحَرَّ مَا عَلٰی طَاعِیْمَ یَطْعُمُوْهُ میں (دوسرا) احتمال بھی ہے کہ صرف اس سوال کا جواب ہو جو کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہو،

۵۶۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ (مطلب یہ ہو) کہ جو کچھ تم لوگ کھاتے ہو اس میں مجھے بذریعہ وحی سوائے ان چند اشیاء کے اور کچھ حرام معلوم نہیں ہوتا، اور سنت کی دلالت سے یہ معنی دیگر معانی سے اولیٰ (نظر) آتا ہے،

۵۷۔ سفیان نے بواسطہ ابن شہاب، ابو اور یس خولانی، ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دانت سے پھاڑ کھانے والے دوندے کے رگوشت کھانے سے منع فرمایا ہے،

۵۸۔ ہم سے مالک نے بروایت اسمعیل بن ابی حکیم، عبیدہ بن ابی سفیان الحضرمی، ابو ہریرہ سے روایت کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دانتوں سے پھاڑنے والے دوندے کا کھانا حرام ہے۔

وہ دلائل جن سے معتدہ وفات کے بارے میں استدلال کیا گیا ہے !

۵۹۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَالَّذِیْنَ یَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ  
یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَتَرَبَّصْنَ  
بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا  
فَاِذَا ابَیَعْنَ اَجَابَهُنَّ فَلَکَ جَوَازُ  
عَلَيْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِی الْاَنْفُسِ  
بِاَمْرِ رُبُّنَّہُمْ، وَاللّٰهُ یَسْمَعُ لَوْنِ  
تَحْرِیْرُہ (سورۃ البقرہ: ۲۳۴)

”اور جو لوگ تم میں دنات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو (بجلاؤ وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن، پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا، ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (بجلاؤ) کی کریں، قواعد سے کہ موافق، اور اللہ تعالیٰ سمجھائے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔“

۵۹۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کی عدت کا ذکر سن فرمایا، اور وہ یہ کہ جب وہ عدت ختم کر لیں تو قواعد کے موافق وہ اپنے نفس کے حق میں مختار ہیں، اور ایسی کسی شے کا ذکر نہ فرمایا کہ جس سے عدت کے زمانے میں عورت پر مہر نہ کرے،

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

۵۶۵۔ شافعیؒ فرماتے ہیں، کتاب اللہ کی ظاہر آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ عدت گزارنے والی عورت عدت میں (دوسرا) نکاح کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھے، فقط مح اس کے کہ اُس مکان میں مقیم رہے،

۵۶۶۔ (اور (آیت میں) یہ احتمال (بھی) تھا کہ اپنے آپ کو نکاح سے باز رکھے، اور اس کے ساتھ ہی دوسری ایسی اشیا سے بھی پرہیز کرے جو عدت سے قبل اس کے لئے مباح تھیں مثلاً خوشبو (کے استعمال) اور زینت سے،

۵۶۷۔ اب جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتدہ وفات پر خوشبو وغیرہ سے احتراز کرنا بذریعہ سنت مقرر فرمایا، تو خوشبو وغیرہ سے اجتناب بذریعہ سنت کے فرض ہوا، اور نکاح کرنے و شوہر کے مکان ہی میں رہ کر عدت پوری کر نیکیے بذریعہ کتاب اللہ اور پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض ہوا،

۵۶۸۔ اور اس مقام پر دیگر مقامات کی طرح (سنت) کے بیان میں (دو احتمال) موجود ہیں (اول) یہ کہ سنت نے اس امساک (اجتناب و احتراز) کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہو جیسا کہ نماز، زکوٰۃ، اور حج کی کیفیات کو، دوم یہ (احتمال ہے) کہ سنت نے ایسے امر کا حکم بیان فرمایا ہو جس کے متعلق کتاب اللہ میں لصاً کوئی حکم موجود نہیں،

## احادیث کی علتوں کا بیان

۵۶۹۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مجھ سے کسی کہنے والے نے کہا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث تو ہم کو ایسی ملتی ہیں کہ جو کچھ ان میں ہے وہ قرآن میں نص کی صورت میں موجود ہے، اور دوسری قسم کی کچھ احادیث ایسی ہیں کہ ان کے مضمون (کا) مثل قرآن میں مجملًا پایا جاتا ہے، اور کچھ ایسی ہیں کہ ان کا مضمون (قرآن کے (مقابلہ میں) زیادہ ہے، اور کچھ ایسی کہ جن کا (مضمون) قرآن میں کچھ بھی موجود نہیں، اور کچھ (قرآن سے) متفق اور کچھ (قرآن سے) مختلف، اور کچھ ناسخ و منسوخ ملتی ہیں، اور کچھ (اس کیفیت سے) بھی مختلف، یعنی ان کے ناسخ و منسوخ ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہوئی، اور کچھ حصہ ایسا ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنر پائی جاتی ہے اور آپ اس منع کی ہوئی چیز کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے، اور کچھ حصہ ایسا کہ اُس میں

(بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبی موجود ہوتی ہے (لیکن) آپ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور کا امر وہی (اس مقام) پر ختمیاری طریقے پر ہے، تحریم کی صورت میں نہیں ہے، پھر ہم آپ کو ایسا کرتے پاتے ہیں کہ مختلف بعض احادیث کو آپ اپنا مذہب بنا لیتے ہیں اور (دوسری) بعض کو ترک کر دیتے ہیں، اور بعض احادیث پر آپ قیاس کا عمل جاری کرتے ہیں، پھر آپ کا قیاس اُن سے مختلف ہوتا ہے تو بعض کو ان میں سے چھوڑ دیتے ہیں، اُن پر قیاس نہیں کرتے تو آپ کے اس قیاس کے عمل و ترک عمل پر کیا دلیل ہے؟ پھر تمہارے اندر اس میں بھی افتراق ہے کہ بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے کچھ حصہ کو متروک (اعمال) کر دیتے ہیں، اور پھر اسی کے مثل (حکم) کو ایسی حدیث سے لے لیتے ہیں جو (سابقہ حدیث سے) سنداً بہت ضعیف ہوتی ہے؟

۵۷۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے اس شخص سے کہا: کتاب اللہ میں جہاں نص موجود ہوگی وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سنت مقرر فرمائیں گے وہ (اس نص) کے موافق ہی ہوگی، اور مجمل کی صورت میں (کتاب اللہ کا) بیان (مقصود) ہوگا، جو اللہ کی طرف سے ہوگا، اور بیانی شکل مجمل کے مقابلہ میں تفسیری حیثیت سے زیادہ ہی ہوا کرتی ہو، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مقام پر سنت مقرر فرمائیں کہ اس کے متعلق کتاب اللہ کی کوئی نص موجود نہیں تو وہاں ہم آپ کی اتباع اس لئے کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے عام طور پر ہمارے حق میں آپ کے حکم کی اتباع فرض کر دی ہے،

۵۸۔ باقی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ناخ و منسوخ، تو یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ایک حکم کو دوسرا حکم نازل فرما کر منسوخ فرمایا، یہ (طریقہ) کتاب اللہ میں عموماً (موجود) ہے، بس ایسی ہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی سنت کے ذریعہ منسوخ ہو جاتی ہے،

۵۹۔ اس تقریر سے قبل اسی کتاب میں میں نے بعض (دلائل) اس کے متعلق بیان بھی کئے ہیں جب میں میرے اس بیان کی وضاحت ہو جاتی ہے،

۶۰۔ باقی رہیں وہ احادیث مختلفہ، جن کے ناخ و منسوخ ہونے کا علم نہیں ہو سکا ہے تو وہ سب متفق ہیں صحیح ہیں، اُن میں (درحقیقت) کوئی اختلاف نہیں،

۶۱۔ (یہ آپ جانتے ہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان و زبان (دونوں) کے اعتبار سے

عربی تھے، کبھی آپ کلام عام فرماتے، اور اس کی مراد بھی عام ہوتی، اور کبھی (ظاہر میں) عام ہوتا اور مراد خاص ہو کر تھی، جیسا کہ میں نے اس سے قبل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے متعلق بیان کیا ہے،

۵۷۶۔ اور کبھی کسی شے کے متعلق آپ سے سوال کیا جاتا تو آپ صرف سوال کے مطابق جواب مرحمت فرمائیے اور (کبھی) آپ کی جانب سے خبر دینے والا پوری پوری خبر دیتا، اور (کبھی) مختصراً، اور کبھی حدیث کا بعض معنی ادا ہو جاتے بعض نہیں ہوتے،

۵۷۷۔ (کبھی) کوئی شخص آپ کی حدیث کا وہ حصہ نقل کر دیتا جو جواباً آپ نے فرمایا تھا، کیونکہ سوال کے موقع پر وہ موجود نہ تھا، تاکہ جواب کی حقیقت سمجھ سکتا، اور وہ سبب معلوم کر لیتا کہ جس کی بناء پر حضور نے وہ جواب دیا تھا،

۵۷۸۔ اور (ایسا ہوتا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شے میں ایک سنت مقرر فرمادینے اور اس کی مخالفت میں دوسری سنت مقرر فرماتے، پس بعض سامعین دونوں موقوف کے حالات کے اختلاف سے واقفیت حاصل نہ کر سکتے، جن کی بناء پر حضور نے ان کو ذیل امور میں سنت مقرر فرمائی ہوتی

۵۷۹۔ (کبھی) ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک معنی منصوص میں سنت معتبر فرماتے، اور ایک حافظ (حدیث) اس کو محفوظ کر لیتا، پھر دوسرے معنی میں جو کہ اول معنی کے بعض حیثیت میں مخالف ہوتا اور بعض حیثیت میں موافق ہوتے، پہلی سنت کے غیر سنت مقرر فرمادیتے جس کا سبب حالتوں کا اختلاف ہوتا، اور پھر اس آخری حکم سنت کو، کوئی دوسرا حافظ محفوظ کر لیتا، اب جبکہ ان دونوں حافظان حدیث میں سے ہر ایک اپنی اپنی حفظ کی ہوئی بات کو نقل کرتا تو بعض سامعین اس کو اختلاف تصور کر لیتے، حالانکہ ان میں سے کوئی سنت ایک دوسرے کی مخالف نہ ہوتی،

۵۸۰۔ اور ایسا بھی ہوتا کہ آپ ایک عام المخرج لفظ کے ذریعہ محل طور پر کسی شے کو حرام یا حلال فرماتے، اور اس شے کے غیر میں اس محل کے خلاف (حکم دیتے) اس سے یہ استدلال کر لیا جاتا کہ جو چیز آپ نے حرام فرمائی ہے اس سے وہ مراد نہیں جو حلال فرمائی ہے، یا جو حلال فرمائی ہے اس سے وہ مراد نہیں جو حرام فرمائی ہے،

۵۸۱۔ اور ایسی سنت کے نظائر اللہ تعالیٰ کے اُن محل احکام میں موجود ہیں جن کو ہم نے

تحریر کر دیا ہے،

۵۸۲۔ اور رکھی، آپ ایک سنت مقرر فرماتے اور پھر دوسری سنت سے اس کو منسوخ

فرمادیتے، اور سنتِ ناسخ و منسوخ کے بیان کرنے کو ترک نہ فرماتے بلکہ بیان فرمادیتے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص (صرف) ناسخ یا (صرف) منسوخ کی عمت حاصل کر لیتا، لہذا ان میں ایک کا محفوظ کیا ہوا علم دوسرے کے محفوظ شدہ سے بالکل مختلف ہوتا، اور پھر یہ امر عام (صحابہ) تک پہنچ نہ سکتا، حتیٰ کہ (بعض وقت) ایسا کوئی شخص نہ ملتا کہ جن سے اس سنت کے ناسخ و منسوخ ہونے کا علم حاصل ہو سکے،

۵۸۳۔ لہذا جس سنت کی یہ شان ہوگی جو میں نے بیان کی (وہاں) جو سنت (جاریہ سامنے

ہوگی) اس کو جاری رکھا جائے گا، اور جہاں حضور کی طرف سے تفریق کی گئی ہوگی وہاں تفسیر ہی کی جائے گی،

۵۸۴۔ اور (ایسے موقع پر) جو سنت آپ نے مقرر کی ہوگی اس کی تمام شعبوں میں آپ کی

اطاعت واجب ہوگی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں اشیا کے حکم میں آپ نے فرق کیوں نہیں کیا؟

۵۸۵۔ اس لئے کہ یہ کہنا کہ (فلاں فلاں اشیا میں آپ نے فرق کیوں نہ کیا؟) حالانکہ حضورؐ

کی طرف سے فرق کیا گیا موجود ہوگا دو حال سے خالی نہیں ہوگا، یا تو اس وجہ سے

(یہ کہا جائے گا) کہ قائل اس فرق سے جاہل ہوگا، یا یہ کہ قائل کے شک کا اظہار ہوگا،

جو جبل سے بھی بدتر ہے، چنانچہ ایسے موقع پر حضورؐ کی اتباع اختیار کر کے اللہ تعالیٰ

کی اطاعت ہی (درض) ہوگی؛

۵۸۶۔ اور جو احادیث ایسی پائی جائیں کہ جن میں (صرف) اختلاف ہی (نظر) آتا ہو تو اس کی

دو وجوہ ہو سکتی ہیں، (ایک یہ کہ) اس حدیث کو مکمل طور پر حفظ نہیں کیا گیا، جیسا کہ میں نے

۱۵ مطلب یہ ہے کہ جہاں احادیث کے ناسخ و منسوخ ہونے کا علم حاصل نہ ہو سکے وہاں سنت جاریہ پر عمل کیا

جائے گا، اور احادیث میں جو اختلاف نظر آ رہا ہوگا اس کی تفسیر ہی اس لئے ناممکن ہوگی کہ حدیث کے راویاں ہی

اس تفسیر ہی سے ناواقف ہوں گے، یا ان کو شک واقع ہو گیا ہوگا، اس لئے تفسیر ہی کرنا یا شک پر عمل کرنا جائز

نہ سمجھا جائے گا،



- پہلے وضاحت کی ہے، اس سبب سے اس کو مختلف سمجھ لیا گیا، اور ہم سے حضورؐ کے بیان کے اسباب پوشیدہ رہے (اس طرح) نہ معلوم ہو سکے جس طرح دوسری احادیث میں ان کا علم حاصل ہوا (دوسرے) یہ کہ محدث کو (اُس حدیث) میں وہم واقع ہو گیا،
- ۵۸۷۔ اور ہم نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مختلفہ میں سے کوئی حدیث نہ پائی کہ جس کا انکشاف کرنا چاہا، مگر اس کے لئے یا تو کوئی ایسی وجہ نکل آئی جس کی بنا پر اختلاف دور ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا، یا وہ ان اقسام میں داخل ہوئی (پائی گئی) جن کو تھامنے کے لئے میں بیان کر چکا ہوں،
- ۵۸۸۔ یا ہم کو ایک حدیث کے ثابت ہونے پر دلیل مل گئی اور دوسری کے ثابت ہونے پر نہ مل سکی، چنانچہ اب یہ دونوں حدیثیں جن کو مختلف کہا جاتا تھا برابر درجہ کی نہ رہیں تو ہم نے جو قوی تر ثابت ہوئی اس کو خست یا کر لیا،
- ۵۸۹۔ یا دو حدیثوں میں سے جو زیادہ ثابت ہوتی ہے اُس پر کتاب اللہ یا اس کے نبیؐ کی سنت کے ذریعہ دلیل موجود ہوتی ہے یا وہ دیگر شواہد موجود ہوتے ہیں جن کا بیان ہم نے پہلے کیا، پس ایسی حالت میں ہم اُس قوی تر و ادلی حدیث کی طرف رجوع کر جاتے ہیں کہ جو دلائل سے ثابت ہو چکی،
- ۵۹۰۔ اور ہم نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی دو مختلف حدیثیں نہ پائیں، مگر یہ کہ ان کے (اتفاق کے لئے) کوئی محل ضرر نہ نکل آیا، یا ان میں سے کسی ایک کے (مضمون) پر ہماری بیان کردہ کوئی دلالت موجود ہوئی، یا تو کتاب اللہ نے اس کی موافقت کی یا کسی دوسری سنت نے یا کوئی اور دلیل (ترجیح و موافقت) کی مل گئی،
- ۵۹۱۔ اور جس مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہنری (مانعت) پائی جائے وہاں تحریم ہی مراد ہوگی، مگر یہ کہ کوئی دوسری ایسی دلیل قائم ہو جائے، جس سے یہ ثابت ہو کہ یہاں تحریم مراد نہیں ہے،
- ۵۹۲۔ (شافعیؒ نے) فرمایا: باقی رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قیاس کرنے کا (مسئلہ) تو اس کے دو اصول ہیں، ان دونوں میں سے ایک اصل کے تحت دیگر وجہ پیدا ہو جاتے ہیں،
- ۵۹۳۔ سائل نے کہا وہ دونوں اصول کیا ہیں؟

۵۹۴۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے نبیؐ کی زبان مبارک کے ذریعہ اپنی مخلوق کو اپنے احکام کا پابند بنایا اُس سابق فیصلہ کے پیش نظر جو اُن کے بندہ بننے کے لئے مقرر فرمایا تھا، اور جس لئے مقرر فرمایا تھا، کیونکہ اُس طریقہ تعبّد میں کوئی بھی اُس کے حکم کو پیچھے نہیں ڈال سکتا، یہ بندگی اُس طریقہ پر ہوگی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کے لئے بیان فرمایا، یا آپؐ کی طرف سے بطور خبر کے اُن کو پہنچا، جس طریقہ سے اپنی مخلوق کو مکلف بنایا، اس طریقہ کی (تفصیل) کے لئے کچھ نازل نہ ہوا تو اہل علم پر واجب ہوگا کہ بندگی کے طریقے میں سنت کا راستہ اختیار کریں جب کہ وہ طریقہ سنت کے معنی میں ہو، یہ وہ اصل ہے جس سے بہت سی شاخیں نکل سکتی ہیں،

۵۹۵۔ دوسری اصل یہ ہے کہ حضورؐ نے کسی شے کو مجمل طور پر لوگوں کے لئے حلال فرمایا اور اس میں سے کسی معین شے کو حرام فرمایا، تو (اب) لوگ حلال کو مجمل ہی طریقہ پر حلال تصور کریں، اور حرام معین کو معین طریقہ پر حرام سمجھیں، اس حرام پر کسی دوسری شے کو قیاس نہ کریں، کیونکہ یہ قلت کا درجہ ہے، اور اکثر حصّہ حلال ہے، اور اکثر پر قیاس کرنا اہل کے مقابلہ میں اولیٰ ہو کر رہتا ہے،

۵۹۶۔ اسی طرح اگر آپؐ نے (کچھ اشیاء) کو مجمل طریقہ پر حرام فرمایا، اور اس میں سے کسی شے کو متعین طریقہ پر حلال فرمایا، اسی طرح کسی شے کو فرض کیا اور اس (فرض) کے بعض حصّہ میں تخفیف فرمادی، تو اس کو اسی طرح اختیار کرنا ہوگا،

۵۹۷۔ اور قیاس کے (حجت) ہونے پر کتاب و سنت اور آثار سے ہم نے استدلال کیا ہو، لیکن یہ کہ ہم کسی ایسی حدیث کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکی ہو مخالفت کریں تو مجھ کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم پر اس کی پکڑ نہ ہو سکے گی،

۵۹۸۔ اور یہ کسی (دوسرے کے) لئے بھی جائز نہیں ہے، لیکن کبھی انسان سنت معلوم نہ ہونے کی بناء پر ایسا قول اختیار کر جاتا ہے، کہ وہ سنت کے مخالفت ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ وہ قصداً سنت کا خلاف کرے، اور کبھی انسان غفلت کی وجہ سے (سنت) کی تاویل (معنی و مفہوم و مقصود) سمجھنے میں غلطی کر جاتا ہے،

۵۹۹۔ شافعیؒ نے فرمایا: پس مجھ سے کہنے والے نے کہا: آپؐ نے جتنا کچھ بیان کیا ہے اس میں سے ہر ایک کی مثال اس طرح میرے سامنے بیان فرمادیں کہ جو میرے سوالوں کے

جوابات کی جامع ہو، (ساتھ ہی) مختصر بھی ہو، تاکہ میں بھول نہ جاؤں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سلسلہ میں ناخ و منسوخ سے ابتداء فرمائیں جس کے ہمراہ کتاب اللہ کی آیات کا بھی کچھ بیان ہو، اس موقع پر آپ کی سابقہ بیان کردہ بعض چیزیں اگر مکرر بھی ہوں تو (خیال نہ فرمائیں)؛

۶۰۱۔ میں نے قائل سے کہا، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلعم پر قبلہ کے متعلق یہ فرض کیا تھا کہ نماز میں بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوں، لہذا اس حکم کے بعد بیت المقدس وہ قبلہ تھا کہ کسی شخص کے لئے نماز میں اس سے روگردانی حلال نہ رہی تھی اُس (پورے) وقت تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبلہ بنائے رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے قبلہ ہونے کو منسوخ فرمایا، اور اپنے رسول و صحابہ (مومنین) کو کعبہ کی طرف متوجہ فرمادیا، تو اب کعبہ وہ قبلہ ہو گیا کہ فرض نماز میں بغیر حالت خوف کسی مسلم کے لئے اس سے روگردانی حلال نہ رہی، اور یہ جائز نہ رہا کہ وہ کبھی وقت بھی بیت المقدس کو متوجہ ہو،

۶۰۲۔ اور اپنے اپنے وقت میں ہر ایک قبلہ قبلہ حق تھا، جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف متوجہ کیا گیا، اس وقت سے لے کر تحویل کے زمانہ تک وہ قبلہ بن رہا، پھر بیت الحرام قیامت تک کے لئے قبلہ حق ہو گیا،

۶۰۳۔ اور اسی طرح کتاب اللہ و سنت نبی صلعم کے ہر منسوخ کی کیفیت (سمجھ لو)

۶۰۴۔ شافعیؒ نے فرمایا: یہ (تقریر) کتاب اللہ و سنت کے ناخ و منسوخ کی توضیح کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے لئے اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی سنت مقرر فرمادیں اور پھر اللہ تعالیٰ اس سنت سے دوسری سنت کی طرف پھیر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری سنت مقرر فرماتے تھے، تاکہ لوگ پہلی کو چھوڑ کر دوسری کو اختیار کر لیں، تاکہ ناخ عام لوگوں کے علم میں آجائے اور سن پر قائم نہ رہیں،

۶۰۵۔ اور تاکہ کوئی شخص بسبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت مقرر کرنے، پھر کتاب اللہ میں کوئی ایسی شے دیکھنے کے جو زبان سے یا سنت کا جو درجہ کتاب اللہ کے ساتھ ہے اس سے جہالت کی بنا پر یا سنت کے کتاب اللہ کے معانی سے مبائن ہونے

کی وجہ سے یہ شبہ نہ کرے کہ کتاب اللہ سنت کو منسوخ کر دیتی ہے،

۶۰۶۔ قائل نے کہا: کیا یہ ممکن ہے کہ سنت کتاب اللہ کے اس طرح مخالفت ہو؟

۶۰۷۔ میں نے کہا: ناممکن ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر دو طریق سے

حجت قائم کر دی، جن دونوں کی اصل کتاب (ہی) میں ہے، (ایک تو) خود اپنی کتاب

(سے) پھر اپنے نبی کی سنت سے، جس کی اتباع خود ہی اپنی کتاب میں فرض کی ہو،

۶۰۸۔ لہذا لازمی طور پر یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سنت مقرر

فرمائیں، پھر وہ منسوخ ہو جائے، اور (اس کی جگہ) وہ سنت نہ معتر فرمائیں

جس نے اول کو منسوخ کیا، اور دوا مروں میں سے کسی امر کے آخری ہونے سے اس کے

ناسخ ہونے کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے، اور کتاب اللہ کے نسخ کا اکثر حصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی دلالت سے معلوم ہوا،

۶۰۹۔ لہذا جب سنت قرآن کے نسخ و منسوخ پر دلالت کرتے ہوئے دونوں کے

درمیان تفریق کر دیتی ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ قرآن کے ذریعہ سنت کو منسوخ

کیا جائے، مگر اسی صورت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے (حکم) کے ساتھ

ہی اپنی سنت بھی مقرر فرمائیں جو اول کے لئے نسخ قرار پائے، تاکہ اللہ تعالیٰ

نے اپنی مخلوق میں سے جن لوگوں پر حجت قائم کر دی ہے اُن کو شبہ نہ واقع ہو،

۶۱۰۔ سائل نے کہا: یہ تو فرمائیے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس مقام پر قرآن کو عام

ظاہر المعنی پاؤں اور (پھر) سنت میں یہ دیکھوں کہ وہ (دو احتمال رکھتی ہے) ایک یہ کہ

قرآن کا بیان ہو، دوسرے یہ کہ قرآن کے خلاف (ہی) ہو تو میں اس مقام پر یہ کہوں

www.KitaboSunnat.com

لے شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس تمام تقریر سے جو مقصد ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کا نسخ و منسوخ یا تو خود

کتاب اللہ سے معلوم ہو جاتا ہے، یا بذریعہ سنت کے، نیز سنت کتاب اللہ کے نسخ و منسوخ کو ظاہر کرنے کے علاوہ

اس کے محل شراوض کی تفصیل بھی کرتی ہو، معانی و مراد کی توضیح بھی کرتی ہے، کہ کس مقام پر عام سے عام ہی مراد ہے،

اور کس مقام پر عام سے خاص مراد ہو، اور کس مقام پر خاص سے عام مراد ہے، اس لئے قرآن کا سنت کے ذریعہ

منسوخ ہونے کا اظہار تو ممکن ہو، لیکن قرآن کے ذریعہ سنت منسوخ نہیں ہو سکتی، کیونکہ اگر یہ قول اختیار کیا جائیگا

تو وہ تمام احکام جو سنت نے بحیثیت مفسر قرآن ہونے کے بیان فرمائے ہیں اور شراوض کی وہ تمام تفصیلات

جو سنت کے ذریعہ ثابت ہیں معدوم ہو جائیں گے،

نہ خیال کر لوں کہ سنت قرآن کے ذریعہ منسوخ کر دی گئی ہے؟

۶۱۱- میں نے قائل سے کہا: یہ قول کسی عالم کا تو ہو نہیں سکتا؟

۶۱۲- سائل نے کہا: کیوں؟

۶۱۳- میں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ اُس شے کی اتباع

کرے جو اللہ کی طرف سے اس پر نازل کیا جا رہا ہے، اور نبیؐ کے حق میں اُس کے ہدایت

پر ہونے کی شہادت بھی دیدی، اور نبیؐ کی اطاعت لوگوں پر فرض کر دی، اور زبان (عربی)

کے متعلق یہ بتلا چکا ہوں کہ متعدد معانی کا احتمال رکھتی ہے، اور کتاب اللہ عام الفاظ میں

نازل ہوتی ہے، (لیکن) اُس سے مقصود خاص (افراد) ہوتے ہیں، اور خاص الفاظ میں

نزول ہوتا ہے، (لیکن) مراد عام افراد ہوتے ہیں، فرض مجمل ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اس کی تفسیر فرما دیتے ہیں، لہذا (جب) کتاب اللہ کے ساتھ سنت کا یہ مقام ہو

تو سنت کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہو سکتی، اور سنت کتاب اللہ کے تابع ہی ہوگی،

یا تو اسی کے مانند ہوگی (جو کتاب اللہ میں ہے) یا اُس کی مغیبر ہوگی، کہ خدا کی مراد کیا ہے،

بہر حال کتاب اللہ کے تابع ہوگی،

۶۱۴- اس نے کہا: قرآن کے متعلق جو کچھ آپ نے فرمایا ہے کیا آپ اس پر میرے لئے

کوئی دلیل بیان کر سکتے ہیں؟

۶۱۵- میں نے کہا: سنت مع القرآن کی کچھ بحث جو کتاب میں بیان کی ہو، اس کو اس کے

سامنے پیش کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ نے نماز، زکوٰۃ، حج فرض کیا، اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی کیفیت، اس کی تعداد، اس کے اوقات، اسکی سنتیں،

بیان فرمائیں، اور زکوٰۃ مال کی کتنی مقدار پر واجب ہوگی کتنی مقدار پر نہ ہوگی،

کس مال سے ساقط ہوگی اور کس مال پر ثابت ہوگی، وقت کیا ہوگا، اور حج کا عمل

کس طرح کیا جائے گا، کون امور سے پرہیز کرے، اور کون امور (حج) میں مباح ہوں گے،

۶۱۶- شافعی نے فرمایا اور میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا اس کے سامنے ذکر کیا:

وَالسَّائِرَاتُ وَالسَّائِرَةُ فَاقْطَعُوا  
أَيَّ يَهْمًا (سورۃ مائدہ: ۳۸)

طالو

اور



الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيَ فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ ،  
 زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کے سو کوڑے مارو ۛ

(سورۃ النور: ۲۰)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹنا اس چور کے حق میں مقرر فرمایا جس کی چوری دینار کے چوتھائی حصہ یا اس سے زیادہ مفت دار کی ہو، اور کوڑے دو کنوارے آزاد مرد اور عورت پر مقرر فرمائے، شادی شدہ دو آزاد پر یا غلام و باندی پر نہیں جاری فرمائے، (اس طرح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے اس امر پر دلالت کی کہ زانی اور چور سے خاص قسم کے (زانی و چور) مراد ہیں، اگرچہ کلام اللہ کے الفاظ ظاہر کے اعتبار سے عام ہیں،

۹۱۷۔ اس نے کہا: یہ جو کچھ آپ نے کہا میں نے اس کو تسلیم کر لیا، (لیکن) کیا آپ کے پاس کوئی دلیل اُس شخص کے مقابلہ میں بھی ہے جو یہ حدیث روایت کرتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے میری طرف سے جو قول تمھارے سامنے آئے اس کو کتاب پر پیش کرو! پس جو اس کے موافق ہو وہ میں نے کہا ہے، اور جو اس کے مخالف ہو (سمجھ لو) کہ میں نے نہیں کہا؟

۹۱۸۔ میں نے اس سے کہا: کسی چھوٹے یا بڑے درجہ کے راوی نے اس حدیث کو ایسی سند سے روایت نہیں کیا ہے، جو ثابت متصور ہو، تاکہ ہم سے یہ کہا جائے کہ جن اویلوں نے یہ حدیث روایت کی ہے تمھارے حق میں ثابت شدہ ہو گئی،

۹۱۹۔ دینیر روایت ایک مجھول راوی کی وجہ سے منقطع ہے، اور ہم اس قسم کی منقطع روایت کو کسی شے کے حق میں حجت نہیں تسلیم کرتے،

۹۲۰۔ قائل نے کہا: کیا آپ کے پاس آپ کے اپنے قول پر کوئی دلیل ہے؟

۹۲۱۔ میں نے اُس سے کہا: جی ہاں!

۹۲۲۔ ہم کو سفیان نے خبر دی بواسطہ سالم ابوہنضر بساحت عبید اللہ بن ابی رافع، ابورافع رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اپنے تحت پر بیٹھا ہوا ہو، اور اس کے سامنے میرا کوئی حکم یا کوئی مانعت پیش کی جائے تو وہ یہ کہدے کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ ہم کتاب اللہ میں پائیں گے اسکی اتباع کریں گے،

۶۲۳۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے حکم کی اتباع فرض فرمادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس امر کا پابند کر دیا کہ وہ آپ کے کسی حکم کو رد نہ کریں،

۶۲۴۔ اس نے کہا کہ: آپ خلاصہ طور پر ایسی کوئی صورت بیان فرمائیں جس پر تمام اہل علم یا اکثر اہل علم کا اجماع ہو کہ وہاں سنت کتاب اللہ کے حق میں یہ بیان کرتی ہو کہ اگرچہ کتاب اللہ کی عبارت عام ہے لیکن اس کا مقصود خاص ہے،

۶۲۵۔ میں نے اس سے کہا: ہاں! میں نے اپنی کتاب میں جو کچھ نقل کیا وہ تم نے سن لیا ہوگا،

۶۲۶۔ اس نے کہا: اس کا کچھ حصہ دوبارہ بیان فرمادیں؟

۶۲۷۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: مُحَمَّدٌ عَلَيْكُمْ اُمَمًا تَكُونُ وَبَنَاتُكُمْ اِلَيْهِ

۶۲۸۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے (اولاً) حرام عورتوں کا ذکر فرمایا، پھر فرمایا: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مِمَّا وَّرَاةُ ذٰلِكُمْ دت۔ تمہاری ان عورتوں کے، اسوا تھانے لئے حلال ہیں، (اس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت اور اس کی پھوپھی کو (نکاح) میں جھج نہ کیا جائے اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو) لیکن میں نے کسی کو بھی اس حکم کی اتباع کا مخالف نہ پایا،

۶۲۹۔ چنانچہ اس مقام پر دو امر پر دلالت (موجود ہے) (ایک یہ کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کسی حال میں بھی کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہوتی، بلکہ اس کے حق میں عموم یا خصوص کو بیان کرنے والی ہوتی ہے،

۶۳۰۔ (دوسری) دلالت یہ ہے کہ ائمہ نے خبر و اہد کو قبول کیا، کیونکہ سوائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے اور کسی سے ہم کو ایسی روایت نہ پہنچ سکی جو نبی صلعم سے صحیح طریق سے مروی ہو،

۶۳۱۔ قائل نے کہا: کیا آپ کے نزدیک اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ ظاہر کتاب اللہ

کے مخالف ہو؟

- ۹۱۔ میں نے کہا نہیں، اور نہ دوسری احادیث،  
 ۹۲۔ اس نے کہا: تو پھر اللہ تعالیٰ کے تحریم کے ذکر کرنے کے بعد اس فرمانے کے ان کے علاوہ دیگر عورتیں تمھارے لئے حلال ہیں، کیا مطلب ہوا؟  
 ۹۳۔ میں نے کہا (اَوَّلًا) اللہ تعالیٰ نے اُن عورتوں کا ذکر فرمایا جو نِسَاب و رِضَاع کے ذریعہ ہر حالت میں حرام ہیں، مثلاً ماں، بیٹی، بہن، بھوپتی، خالہ، بھائی کی لڑکیاں، بہن کی لڑکیاں، (اس کے بعد) اُن عورتوں کا ذکر کیا جو انفرادی طور پر تو حلال تھیں، لیکن اُن میں جمع کرنا حرام تھا، پھر فرمایا وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَا ذَرَأَ ذِكْمُہُ یعنی اُن عورتوں کے علاوہ باقی عورتیں تمھارے لئے اُس حالت کے ساتھ حلال ہیں جس حالت کے ساتھ اُن کو حلال کیا گیا ہے،

- ۹۴۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَا ذَرَأَ ذِكْمُہُ) کے معنی یہ ہیں کہ جس طریقے سے وہ تمھارے لئے حلال کی گئی ہوں، (یہ مراد نہیں ہے) کہ ہر عورت بغیر صحیح نکاح کے حلال ہے، اور نہ یہ کہ چار بیویوں کے (نکاح) میں ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح جائز ہے، نہ یہ کہ دو بہنوں کو (ایک نکاح میں) جمع کر لو، اور اس کے علاوہ دیگر ممنوعہ صورتیں (تصور کر لیں)

- ۹۵۔ پھر میں نے اس کے سامنے اللہ کے وضو فرض کرنے کا ذکر کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزوں پر مسج کرنے کا اور اس بات کا کہ تمام اہل علم نے مسج کو قبول کر لیا، اس نے کہا: کیا مسج قرآن کی کسی آیت کے مخالف ہے؟

- ۹۶۔ میں نے کہا: سنت کسی حالت میں قرآن کے مخالف نہیں ہو سکتی،

- ۹۷۔ اس نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟

- ۹۸۔ میں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِذَا قُضِيَتْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْبِطُوْا  
 وَجُوْہَكُمْ وَاَیْنَ یَّکُمُ اِلَی الدَّرَجٰتِ  
 وَامْسَحُوْا بِرُءُوسِکُمْ وَارْجُلِکُمْ  
 ”جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہیں تک دھو ڈالو، اور سر و پاں مسج کر دو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو ڈالو“

(سورۃ مائدہ: ۶)

اِلَی الْکَعْبَتَیْنِ، (سورۃ مائدہ: ۶)

سنت نے بتلایا کہ جو شخص (پہلے) سے طہارت کئے ہوئے ہو جب وہ بے وضو ہو جائے اور نماز کا ارادہ کرے تو اس شخص پر یہ (پاؤں دھونے کا فرض نہیں عائد ہوتا، اسی طرح سنت نے یہ بھی بتلایا کہ پاؤں دھونے کا فرض اُس شخص پر عائد ہوتا ہے جس نے کامل طہارت کے بعد پاؤں میں (چرمی، موزے پہنے ہوں،

۶۴۱۔ اور اس قائل سے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دانتوں سے پھاڑ کھانے والے درندے حرام کر دینے کا ذکر کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں اُن میں تو میں کوئی حرام غذا پانا نہیں کسی کھانے والے کے لئے، جو اُسے کھاوے اگر یہ کہ وہ مردار جانور ہو یا یہ کہ وہ بہتا ہوا خون ہوا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہی ہے، جانور شترک کا ذریعہ ہو، کہ غیر اللہ کے نام ذکر کیا گیا ہو، پھر جو بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ طالب لذت ہو، اور نہ تجاؤ ذکر کرنے والا ہو (وہ ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے (سورۃ انعام: ۱۴۵)

اس مقام پر جن اشیاء کو حرام کیا ہے اُن کا نام لے دیا گیا،

۶۴۲۔ قائل نے کہا: تو اب اس کے کیا معنی ہیں؟

۶۴۳۔ میں نے کہا: اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ فرمادیں جو تم کھاتے ہو وحی کے ذریعے جو کچھ مجھے حرام ملتا ہے وہ مردار وغیرہ مذکور اشیاء ہیں، لیکن جن اشیاء کو ناپاک خیال کر کے تم نے خود چھوڑ رکھا ہے تو وہ تمہاری اُن اشیاء کے مقابلہ میں جن کو تم حلال سمجھتے ہو حرام نہیں ہیں، صرف وہی حرام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، اور سنت نے بتلایا کہ آپ نے ایسی چیز بھی حرام کی ہے، جس کو تم بھی حرام خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور اُن پر پابند اشیاء حلال کرتا ہے، اور خبیث اشیاء حرام فرماتا ہے۔“ (سورۃ اعراف: ۱۸۴)

۶۴۴۔ شافعیؒ نے فرمایا: اور میں نے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ذکر کیا:  
 وَأَحَلَّ اللَّهُ التَّبَيُّعَ وَحَرَّمَ  
 الرِّبَا (سورۃ بقرہ: ۲۷۵)  
 ”اللہ تعالیٰ نے بیع حلال کی ہے اور ربا  
 حرام فرمایا ہے“

اور اللہ کے اس قول کا:

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْأَسْبَاطِ  
 إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَيْنَكُمْ بِيَعًا  
 مِّنْكُمْ (سورۃ النساء: ۳۱)  
 ”ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال  
 ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی  
 رضامندی سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں“ (تھانویؒ)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بیوع کو حرام فرمایا، جن کے منجملہ اسٹرنی کو  
 روپے کے بدلے میعاد پر فروخت کرنا ہے، وغیرہ، پس مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے حرام فرمانے سے اس کو حرام سمجھا، چنانچہ یہ اور اس کے علاوہ کوئی بھی  
 کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہے،

۶۴۵۔ اس نے کہا: اس مقام کی جامع اور مختصر طریقے پر تعریف فرمادیں:

۶۴۶۔ میں نے کہا: جب کہ کتاب اللہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے  
 رسولؐ کو اپنی طرف سے بیان کنندہ مقرر فرمایا ہے، اور اپنی مخلوق پر آپؐ کے حکم کی  
 اتباع واجب کی ہے، (اب) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَأَحَلَّ اللَّهُ التَّبَيُّعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا  
 ”اللہ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور ربا کو حرام“ تو اس نے اس سے یہ معنی مراد لئے ہیں کہ اللہ  
 نے بیع کو حلال کیا ہے جبکہ وہ اس ممنوع طریق پر نہ ہو جو کہ اس کی کتاب میں ممنوع کیا  
 گیا ہے، اسی طرح اللہ کا یہ فرمانا وَأَحَلَّ لَكُمْ مَا ذَرَأْتُمْ بِيَدِكُمْ یعنی عورتیں تمھارے  
 لئے حلال ہیں نکاح کے حلال طریقے سے، یا کسی عورت کے مالک بن جانے کے ذریعے  
 جو کتاب اللہ میں مقرر کیا گیا ہو، یہ مراد نہیں کہ ہر طریقے سے وہ حلال ہیں، اور یہ عربی  
 کلام ہے (کھیل نہیں ہے)،

۶۴۷۔ اور میں نے اس سے کہا اگر اس شخص کے مذہب کے مطابق جو سنت اور کتاب اللہ  
 کے تعلق سے جاہل ہے سنت کو چھوڑ دیا جائے تو پھر مسح علی الخفین کو چھوڑنا ہوگا،  
 اور جن طریقے پر بیع کا نام صادق آئے گا اُس ہر ایک کو مباح سمجھنا ہوگا، اور عورت اور  
 اس کی بھوپتی وغالہ کو (ایک نکاح میں) حج کرنا حلال ہوگا، اور ہر سچاڑ کھانے والے



درندے کا گوشت مباح ہوگا، وغیرہ ذلک،

۶۴۸۔ اور یہ بھی جائز ہو جائے گا کہ یہ کہہ دیا جائے: دینار کے چوتھے حصہ پر چور کے ہاتھ

کاٹنے کی جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی وہ آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھی، پھر آیت (النَّارُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا) نازل ہوئی، تو اب جس شخص پر چور کا لفظ صادق آئے گا اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا،

۶۴۹۔ اور یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ شادی شدہ مرد و عورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے رجم عتد فرمایا تھا، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی (الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ) تو اب کنوارے اور شادی شدہ مرد و عورت کے کوڑے لگائے جائیں گے، ہم ان کو رجم نہیں کریں گے،

۶۵۰۔ اور یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بیوع کو حرام

کیا تھا وہ آیت کے نازل ہونے سے قبل کا واقعہ ہے، پس جب آیت (وَاحْلَ اللَّهُ

الْكَبِيْعَ وَحَرَّمَ الزَّيْبَ) نازل ہو گئی تو سب حلال ہو گئیں،

۶۵۱۔ اور رہا یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر دین ہو جس کی ادائیگی کا وقت آگیا ہو،

اب دائن مدیون سے کہے کہ قرضہ ادا کرو گے یا زیادتی کر دے (پھر مدیون کی خواہش ہو)

دائن میعاد بڑھا دے، اور مال میں زیادتی کرے، اور اس صورت کے مشابہ بہت عورتیں

۶۵۲۔ لہذا جو شخص ان مذکورہ امور کا قاتل ہو گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام

سنتوں کو معطل کر دے گا، اور جس نے یہ قول خستیاں کیا یہ اس کی جہالت ہوگی،

۶۵۳۔ قاتل نے کہا: (ہاں) یہ بات صحیح ہے،

۶۵۴۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تو وہ شان ہے جو میں نے بیان کی،

لہذا جو شخص میرے قول کی مخالفت کرے گا تو گویا اس نے شانِ سنت سے جا مل کر

اور کلام (عربی) سے جہالت کی بنا پر خطا کر جانے کو (اپنے لئے)..... جمع کر لیا،

۶۵۵۔ اُس نے کہا: مذکورہ صورتوں کے علاوہ اور کوئی ایسی مثال بیان کیجئے جس میں سنت کو

سنت کے ذریعہ منسوخ کیا گیا ہو؟

۶۵۶۔ میں نے اس سے کہا کہ سنتِ ناسخہ و منسوخہ جدا جدا اپنے مقام پر بیان کی گئی ہیں، اگرچہ

ان کو دوبارہ بیان کر دیا تو طولالت کا باعث ہو جائے گا،

۶۵۷۔ اُس نے کہا: اُن میں کچھ حصہ واضح اور مختصر طریقے پر بیان کرنا کافی ہوگا،  
 ۶۵۸۔ میں نے کہا: ہم سے مالک نے حدیث بیان کی بواسطہ عبداللہ بن ابی بکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم بروایت عبداللہ بن داؤد، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے“  
 عبداللہ بن ابی بکرؓ نے کہا: میں نے اس کا ذکر عمرہ (بنت عبدالرحمن) سے کیا، انھوں نے کہا: ان کا قول صحیح ہے، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے سنا: ”کچھ دیہاتی لوگ عید الفصحیٰ کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین یوم تک ذخیرہ کرو، اس کے بعد جو باقی رہے وہ صدقہ میں دیدو، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، پھر جب اس کے بعد یہ موقع آیا، کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ لوگ اپنی قربانیوں کے گوشت سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں، اُن کی چربی پگھلا کر نکال لیتے ہیں، اور (کھالوں) کے مشکیزے بنا لیتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر کیا بات ہوئی؟ یا اور جو کچھ فرمایا ہو، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ آپ نے تین یوم کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو اس کو منع کیا تھا کہ اُس عید کی صبح کو (دیہاتیوں) کی ایک جماعت آگئی تھی، لہذا اب تم کھاؤ صدقہ کرو، جمع کرو“

۶۵۹۔ اور ابن عیینہ نے ہم کو خبر دی بواسطہ زہری ابو عبیدہ مولیٰ ابن ازہر سے کہا: میں عید (الفصحیٰ) میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حاضر ہوا، میں نے ان کو فرماتے سنا: تم میں سے کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت تین یوم کے بعد نہ کھائے،  
 ۶۶۰۔ ہم کو خبر دی ایک ثقہ شخص نے، معمر، زہری، ابو عبیدہ سے روایت کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت تین یوم کے بعد نہ کھائے،

۶۶۱۔ ہم سے ابن عیینہ نے حدیث بیان کی بواسطہ ابراہیم بن میسرہ، کہا: میں نے انس ابن مالکؓ کو کہتے سنا، ہم جتنی خدا منظور ہوتا قربانیاں ذبح کرتے پھر اُن کا بقیہ بصرہ کو روانہ کر دیتے (تاکہ وہاں) کھانے کے کام میں آئیں،

- ۶۶۲۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چنانچہ یہ احادیث چند معانی کی جامع ہیں، اُن کے منجملہ یہ کہ حضرت علیؓ کی حدیث (تین یوم کے بعد تر بانی کا گوشت کھانے سے رک جانا اور عبد اللہ بن واقد کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باہم متفق ہیں،
- ۶۶۳۔ اور ان دونوں حدیثوں میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ حضرت علیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مانعت کا حکم سنا تھا، اور عبد اللہ بن واقد کو یہ حکم پہنچا تھا۔
- ۶۶۴۔ اور اس بات پر بھی دلالت ہے کہ حضرت علیؓ و عبد اللہ بن واقد دونوں کو رخصت کا حکم نہ پہنچا تھا، اگر ان دونوں کو رخصت کا حکم ہو جاتا تو یہ مانعت کی حدیث روایت کرتے، حالانکہ مانعت منسوخ ہے، جس کا سننے والے کے لئے ناسخ کا حکم ضروری ہے،
- ۶۶۵۔ اور حضرت انس بن مالکؓ کا یہ فرمانا کہ ہم اپنی تر بانیوں کے گوشت کو بصرہ تک کا زوراء بنا لیا کرتے، اس (حدیث) میں احتمال ہے کہ حضرت انسؓ نے (صرف) رخصت کے حکم کو سنا ہو، اور اس سے قبل مانعت کی حدیث معلوم نہ ہو، لہذا انھوں نے اس رخصت کی بنا پر زوراء بنا لیا، یا یہ کہ رخصت اور مانعت دونوں سنی ہوں اور مانعت منسوخ ہو چکی تھی (اس لئے) وہ عمل کیا ہو، لیکن اس کا ذکر (حدیث) میں نہ کیا ہو،
- ۶۶۶۔ لہذا ان دو مختلف احادیث میں ہر ایک (راوی) نے وہی کہا جس کا اس کو علم تھا،
- ۶۶۷۔ اور یہی واجب بھی ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنے یا آپؐ سے اس کے نزدیک ثابت ہو، وہ تو صرف اتنا ہی کہے جو آپؐ سے سنا، یہاں تک کہ پہلا حدیث کے خلاف اس کو دوسری روایت کا علم ہو،
- ۶۶۸۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ جب حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین یوم کے بعد تر بانی کا گوشت کھانے کی مانعت، پھر اس مانعت کے بعد رخصت اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ میں نے کچھ دیہاتی لوگوں کے آنے کا وجہ سے تین یوم کے بعد تر بانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا، روایت کیا، تو یہ حدیث مکمل تر بانی، جس کا اَوَّل و آخر اور تحریم کا سبب اور حلال کیا جانا سب کچھ محفوظ ہے، اور جس شخص کو یہ حدیث معلوم ہو جائے اُس پر واجب ہے کہ وہ اسی حدیث کی طرف رجوع کرے،
- ۶۶۹۔ اور حضرت عائشہؓ کی (یہ) حدیث ناسخ اور منسوخ احادیث کا علم حاصل کرنے کے

سلسلہ میں تمام سنن کے مقابلہ میں واضح تر (حدیث) ہے،

۶۵۔ اور یہ اس امر پر دلیل ہے کہ بعض نے مخصوص حدیث کا بعض حصہ محفوظ کر لیا، اور

بعض نہیں، چنانچہ کوئی شخص حدیث کے ابتدائی واقعہ کا حصہ محفوظ کر لیتا، آخری حصہ

محفوظ نہیں اور واپس آخری اور پھر ہر شخص اپنے حفظ کئے ہوئے حصہ کو ادا کر دیتا ہے،

۶۶۔ چنانچہ فتر بانیوں کے گوشت میں تین یوم کے بعد نہ کھانے کا حکم، پھر کھانا و صدقہ

کرنے کی رخصت یہ سب کچھ دو مختلف حالوں کی بنا پر دو معنی پر محمول ہوا،

۶۷۔ لہذا جب جماعتیں اور گروہ کی کسی موقع پر آمد ہو جائے تو تین یوم کے بعد کھانا

منوع ہے، اور اگر یہ بات نہ ہو تو کھانا اور حج کرنا، زاد راہ بنانا، صدقہ کرنا رخصت

میں داخل ہے،

۶۸۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ قربانی کے گوشت کھانے کی مانعت ہر حالت میں منسوخ

ہو، ایسی صورت میں ہر موقع پر انسان اپنی فتر بانی سے جتنا چاہے رکھے، اور صدقہ

کرے،

## ناسخ و منسوخ کا دوسرا طریقہ

۶۹۔ ہم سے محمد ابن اسمعیل بن ابی ندیک نے بیان کیا بردایت ابن ابی ذئب، مقبریٰ

عبدالرحمن ابن ابی سعید، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خندق کی جنگ

کے ایام میں ہم لوگ نماز ادا نہ کر سکے، حتیٰ کہ مغرب کا وقت بھی گزرنے لگا، اور شب

جھک آئی، اس وقت ہم کو اطمینان ہوا، اور اس کے ہی متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہر:

وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ

اللہ تعالیٰ مومنین کے حق میں جنگ سے کافی ہو گیا،

وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (سورہ احزاب)

اور اللہ تعالیٰ قوت والا و غالب ہے۔

ابوسعیدؓ نے کہا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو طلب فرمایا، اور ان کو

حکم دیا، انھوں نے اذان ظہر کی اقامت کہی، اور آپؐ نے نہایت عمدہ طریقے پر ظہر کی نماز ادا

فرمائی جس طرح اس کو اپنے وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے، پھر عصر کی اقامت کہی

اور حضورؐ نے اُسی طرح نماز ادا فرمائی، پھر مغرب کی اقامت کہی، اس کو بھی اسی طرح ادا

فرمایا، پھر عشاء کی کہی، اور عشاء کو آپؐ نے اُسی طرح ادا فرمایا، ابوسعیدؓ نے فرمایا یہ خوف



کی نماز کی آیت (فَرَجَالًا أَوْ زُرَّكَبَانًا) نازل ہونے سے قبل کا واقعہ ہے،

۶۷۵۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب ابوسعیدؓ نے خندق کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نقل کر کے فرمایا کہ خوف کی نماز کی آیت (فَرَجَالًا أَوْ زُرَّكَبَانًا) نازل ہونے سے قبل ہوا، اس سے ہم نے استدلال کیا کہ خوف کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد ادا فرمائی ہے، کیونکہ ابوسعید خدریؓ خندق کے موقع پر موجود تھے، اور انھوں نے عام طور پر تمام نمازوں کے وقت گزر جانے کو نقل کیا، اور یہ بھی کہ یہ صلوٰۃ خوف کا رکھ (نماز) نازل ہونے سے قبل کا واقعہ ہے،

۶۷۶۔ فرمایا: لہذا اگر شہر میں قیام کی حالت ہے تو خوف کی نماز کبھی کسی حال میں اپنے وقت سے مؤخر نہیں کی جاسکتی

یا سفر میں جمع کرنے کے اوقات سے مؤخر نہیں کیا جاسکتا، خواہ خوف کی حالت ہو یا غیر خوف کی، بلکہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی، اسی طرح ادا کی جائیگی، اور وہ طریقہ جس کو خوف کی نماز میں ہم اختیار کرتے ہیں یہ ہے: ہم کو مالک نے غیر دی بروایت یزید بن رومان صالح ابن خوات رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے یہ (غزوہ) ذات الرقاع کے دن خوف کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر تھے ایک گروہ نے آپ کے پس پشت صف بندی کی، اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں رہا، چنانچہ حضورؐ نے اپنے ان ساتھیوں کے ہمراہ ایک رکعت ادا فرمائی، پھر آپ اپنے مقام پر کھڑے رہے، اور آپ کے (مقتدیوں نے) بذات خود اپنی نماز پوری کر لی، پھر یہ گروہ دشمن کے مقابلہ میں چلا گیا، اس کے مقابلہ میں صفیں قائم کر لیں، اور دوسرا گروہ (آنحضرتؐ کے پیچھے) آگیا، پس ایک رکعت جو آپ کی باقی تھی وہ آپ نے ان لوگوں کے ہمراہ ادا فرمائی، پھر آپ قعدہ میں بیٹھے رہے، اور مقتدیوں نے اپنی نماز پوری کی، اور حضورؐ نے سب کے ساتھ سلام پھیرا،

۶۷۸۔ ہم سے روایت کیا اس شخص نے جس نے عبد اللہ بن عمر ابن حفص سے سنا انھوں نے روایت کیا اپنے بھائی عبید اللہ ابن عمر سے بواسطہ قاسم ابن محمد، صالح ابن خوات ابن جبیر ان کے والد سے اسی (مذکورہ طریقہ) کی مثل،

۶۷۹۔ فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ خوف کا طریقہ مالک کے روایت کردہ طریقہ



کے علاوہ دوسرا بھی روایت کیا گیا ہے ،

۶۸۰۔ لیکن ہم نے دوسرے کے مقابلہ میں اس طریقہ کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ ایک تو یہ قرآن کی (آیت سے) زیادہ مناسبت رکھتا ہے ، (دوسرے) دشمن کی تدابیر و حیلوں کے (روکنے) کا قومی ترذریعہ ہے ،

۶۸۱۔ اور اس نماز میں اختلاف اور اس کی واضح دلیل کو ہم نے (اُم) کی کتاب الصلوٰۃ میں تحریر کیا ہے ، اور جن علماء نے اس مسئلہ میں دیگر مسائل میں ہم سے باستدلال احادیث اختلاف کیا اس تمام بیان کو چھوڑ دیا ، اس لئے کہ ان مسائل میں سے جن مسائل کے اندر ہماری مخالفت کی گئی ہے وہ اس کی کتابوں میں پھیلا ہوا ہے ،

## ناسخ منسوخ کا اور طریقہ

۶۸۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

”اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمھاری سیدوں میں سے ، سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرو ، پس اگر وہ گواہی دیدیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو ، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کرے ، یا اللہ تعالیٰ اُن کے لئے کوئی اور راہ تجویز فرمادیں ، اور جو نسے شخص بھی دہ بے حیائی کا کام کریں تو تم میں سے اُن دونوں کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر نیوالے ہیں رحمت والے ہیں“ (تھانویؒ)

وَالَّذَاتِیْ یَاْتُبْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهَدُوا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ ، اِنْ شَهِدُوا فَاَمْسِكُوهُنَّ فِی الْبُیُوتِ حَتّٰی یَكُوْفَ مِنْهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لِهِنَّ سَبِيْلًا ، وَالَّذَانِ یَاْتِیَانِهَا مِنْكُمْ فَاذْوَٰهُمَا ، اِنْ تَابَا وَاصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (سورۃ النساء: ۱۵، ۱۶)

۶۸۳۔ چنانچہ اس آیت کے اعتبار سے دوزنا کرنے والوں کا حکم قید کرنا اور اذیت دینا تھا ،

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلعم پر زنا کی حد نازل فرمادی ،  
الزَّانِیَةُ وَالزَّانِیُّ فَاجْلِدُوْا  
”زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد اُن میں  
ہر ایک کے تسو کوڑے (تازیانے) مارو“  
كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةٌ جَلْدَةٍ (سورہ نور: ۲۰)



نے اُن عورتوں کے لئے راستہ تجویز فرمادیا، اس امر پر دلالت کی کہ زانیوں کے حق میں یہ پہلی حد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا (حَقُّ يَتَوَفَّيَنَّ الْمَوْتَ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا) یعنی یا تو اُن عورتوں کو موت آجائے یا اللہ اُن کے لئے کوئی راستہ تجویز فرمائے،

۶۸۸۔ بھیر (اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز (اسلمی) کو بغیر کوڑے لگائے رحم کیا، (اسی طرح) اسلمی عورت کو بغیر کوڑے مارے رحم فرمایا، تو سنت سے یہ معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانیوں سے کوڑے منسوخ ہو گئے، (ان پر صرف سنگساری ہوگی)

۶۸۹۔ شافعی نے فرمایا: چنانچہ آزاد زانیوں میں صرف نکاح کے ذریعہ محسن ہو جانے اور محسن نہ ہونے کے لحاظ سے فرق ہوگا، (دیگر کسی لحاظ سے فرق نہیں)

۶۹۰۔ اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ تجویز فرمادیا، کنوڑے مرد و عورت پر تنوٹا زیا نے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے) اس امر کی دلیل تھی کہ قید منسوخ ہونے کے بعد زانیوں کے حق میں یہ پہلی حد ہے، اور اس حد کے بعد جو حد بھی زانیوں کی ہوگی وہ اس سے متاخر ہوگی کیونکہ یہ پہلی حد ہے،

۶۹۱۔ ہم سے مالک نے حدیث بیان کی، ابن شہاب، عبید اللہ بن عبد اللہ، بروایت ابو ہریرہ وزید بن خالد رضی اللہ عنہما، ان دونوں حضرات نے بیان کیا: دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مقدمہ لے کر آئے، اُن میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ہمارے درمیان میں کتاب اللہ کے ذریعہ فیصلہ فرمادیجئے، اور دوسرے نے جو اُن دونوں میں زیادہ عقلمند تھا کہا، جی ہاں یا رسول اللہ ہمارے معاملہ میں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ فرمادیں، اور مجھے اجازت دیں کہ میں کچھ عرض کروں، حضور نے فرمایا: کہو،

اس نے کہا کہ میرا لڑکا اس شخص کے یہاں ملازم (مزدور) تھا، اس سے اُس کی بیوی کے ساتھ زنا سرزد ہو گیا، مجھ سے کہا گیا کہ میرے لڑکے پر سنگساری کی حد جاری ہوگی، میں نے اس کے مذہب میں ایک سو بکریاں اور ایک اپنی باندی (صدقہ) کر دی، پھر میں نے اہل علم سے دریافت کیا، اُن حضرات نے مجھے بتایا کہ میرے لڑکے پر ستوازیائے اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دینا لازم آتا ہے، اور سنگساری کی حد اس شخص کی بیوی پر جاری ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں

میری جان ہے، میں تم دونوں کے مابین کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا، تمہاری بکریاں اور باندی تم کو واپس کی جائیں، اس کے لڑکے کے حضور نے تنو تازیانے اور ایک سال کے لئے وطن سے باہر کر دیا، اور حضرت عائشہؓ کو حکم دیا کہ وہ دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائیں اگر وہ (زنا) کا اقرار کر لے تو اس کو رجم کر دیا جگا، چنانچہ اُس عورت نے (زنا) کا اقرار کیا، اس کو رجم کر دیا،

۶۹۲۔ حدیث بیان کی ہم سے مالکؒ نے نافع سے، ابن عمرؓ سے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودی زانیوں کو سنگسار فرمایا تھا،

۶۹۳۔ شافعیؒ نے فرمایا: لہذا کنوارے زانیوں کے حق میں تنو تازیانے اور ایک سال کے لئے وطن سے جدا کر دینا اور شادی شدہ زانیوں کے حق میں سنگسار کر دینا ثابت ہوا،

۶۹۴۔ (اب) اگر یہ دونوں (تازیانوں کے حکم کی آیت سے) مراد تھے تو (سمجھ لیجئے کہ) اُن کے حق میں تازیانے مع سنگساری منسوخ ہو گئے، اور اگر اس آیت سے صرف کنوارے زانی مراد تھے تو یہ دونوں اُس میں داخل نہ تھے تو پھر کنواروں کا حکم شادی شدہ زانیوں سے جدا کر دیا،

۶۹۵۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ شادی زانیوں کا رجم کرنا، تازیانے مارنے کی آیت سے بعد واقع ہوا ہے، اور ہمارے نزدیک یہی معنی لینا دوسرے احتمال سے زیادہ بہتر و افضل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

## ناسخ و منسوخ کا چوتھا طریقہ

۶۹۶۔ ہم سے مالکؒ نے بیان کیا بواسطہ ابن شہاب بروایت انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہوئے، اُس پر سے آپؐ گر پڑے تو آپؐ داہنا پہلو پھیل گیا، لہذا آپؐ نے کوئی نماز بیٹھ کر ادا فرمائی، اور ہم نے بھی آپؐ کے پیچھے بیٹھ کر ادا کی، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے آپؐ نے فرمایا: امام اس لئے ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے، جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم لوگ بھی کھڑے ہو کر پڑھو، جب وہ رکوع کرے تم لوگ بھی رکوع کرو، جب وہ (رکوع سے) کھڑا ہو تم بھی کھڑے ہو جاؤ، اور جب وہ کہے سَمِعَ اللہُ مِنْ حَمْدِکَ پس تم کہو رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ

اور جب امام بیٹھ کر نماز ادا کرے تو تم لوگ بھی بیٹھ کر ادا کرو،

۶۹۸۔ ہم سے مالکؒ نے بیان کیا، ہشام ابن عروہ سے، عروہ سے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ شکایت لاحق تھی (جس کی وجہ سے) آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی، اور لوگوں نے آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو کر، آپؐ نے اُن کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بھی بیٹھ جائیں، پس جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا: امام اس لئے ہے کہ تم اس کی پیروی کرو، لہذا جب وہ رکوع کرے تم رکوع کرو، اور وہ اٹھے تم اٹھو، اور جب نماز بیٹھ کر پڑھے پس تم لوگ بھی بیٹھ کر پڑھو،

۶۹۹۔ شافعی نے فرمایا: یہ حدیث حضرت انسؓ کی حدیث کے ہم معنی ہے، اگرچہ حضرت انسؓ کی حدیث میں اس حدیث کے اعتبار سے زیادہ وضاحت ہے،

۶۹۹۔ ہم کو مالکؒ نے خبر دی بواسطہ ہشام ابن عروہ بروایت اُن کے والد کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض کے دوران باہر تشریف لائے، ابو بکرؓ سے (قریب ہو کر) اس وقت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے، لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، ابو بکرؓ نے (صلیؐ سے) پیچھے ہٹنا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارے سے فرمایا: جیسے ہو اسی طرح رہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے، پس ابو بکرؓ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی پیروی کر رہے تھے، اور باقی لوگ ابو بکرؓ کی پیروی کر رہے تھے،

۷۰۰۔ اور یہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے،

۷۰۱۔ شافعیؒ نے فرمایا: ابراہیم نخعی نے بیان کیا بروایت اسود ابن یزید حضرت عائشہؓ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ سے، وہی مضمون جو حضرت عروہ کی حدیث میں بیان کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی اور ابو بکرؓ کھڑے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کر رہے تھے، اور دیگر لوگ تمام اُن کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے،

۷۰۲۔ شافعیؒ نے (قائل سے) فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں نماز بیٹھ کر ادا فرمائی اور باقی لوگ آپؐ کی اقتدار میں کھڑے رہے، تو ہم نے اس سے استدلال کیا کہ زخمی ہونے کی حالت میں حضورؐ نے لوگوں کو جو حکم بیٹھ جانے کا دیا تھا یہ



آپ کے مرض وفات سے قبل تھا، لہذا مرض وفات میں آپ کا نماز میں بیٹھ کر ادا فرمانا اور لوگوں کا کھڑا کر آپ کی اقتدار میں نماز ادا کرنا اس حکم کا ناخ ہو گیا، کہ ”جب امام بیٹھ کر نماز پڑھیں تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں“

۷۰۳۔ لہذا اس مسئلہ پر سنت اور اجماع سے دلیل قائم ہو گئی، کہ جب نماز میں کھڑے ہونے کی طاقت ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے، اور طاقت نہ ہو تب بیٹھ کر پڑھے، اور اس پر بھی کہ اگر منفرد قیام کی طاقت رکھتا ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں، کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے، ۷۰۴۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت (کہ آپ نے مرض وفات میں بیٹھ کر نماز ادا کی اور مقتدیوں نے کھڑا کر مع اس کے کہ یہ اول سنت کی ناخ ہے، تندرست اور مریض کی سنت کے موافق ہو گئی، اور لوگوں کے اجماع کے (بھی) کہ ہر شخص اُن میں سے اپنے فرض (باقاعدہ) ادا کرے گا جس طرح کہ مریض تندرست امام کے پیچھے بیٹھ کر پڑھے اور امام کھڑے ہو کر،

۷۰۵۔ اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ امام اگر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو تو تندرست مقتدی کھڑے ہو کر نماز ادا کریں، (یعنی) ہر ایک اپنی (حالت کے مطابق) اپنا فرض ادا کرے، اور اگر امام راکا (صورت) میں کسی دوسرے کو اپنا نائب بنائے تو زیادہ بہتر ہوگا،

۷۰۶۔ اور بعض لوگوں کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بیٹھ کر نماز ادا کرنے والے کو امام نہ بنایا جائے، اور ان لوگوں نے ایک ایسے شخص کی منقطع حدیث سے احتجاج کیا ہے کہ جس کی روایت کی طرف لوگوں کی کوئی رغبت نہیں، اس قسم کی حدیث سے کسی کے مقابلہ میں حجت قائم نہیں کی جاسکتی، اس حدیث میں اس طرح آیا ہے: لَا يُؤْتَنَ أَحَدٌ بَعْدِي جَلِيسًا، کسی بیٹھے ہوئے شخص کو میرے بعد امام نہ بنایا جائے۔“

۷۰۷۔ شافعیؒ نے فرمایا، سنت میں اس کے مشابہ ناخ اور منسوخ کی اور صورتیں بھی موجود ہیں

۷۰۸۔ اور (اس بیان) میں اُن مشابہ صورتوں کے لئے انشاء اللہ رہبری موجود ہے،

۷۰۹۔ اسی طرح کتاب اللہ میں بھی اس کے اشباہ موجود ہیں، جن کے منجملہ کچھ ہم نے اپنی اسی کتاب میں بیان کئے ہیں، اور کچھ (احکام القرآن والسنۃ) میں ہر ایک کے موقع پر پھیلے ہوئے ہیں،

۷۱۰۔ شافعیؒ فرماتے ہیں، قائل نے کہا: اب کچھ ایسی احادیث مختلفہ کو بھی بیان فرمادیں

جن کے نسخ و منسوخ ہونے پر کوئی دلیل نہ مل سکی، ہو، پھر اُن میں جس کو آپ نے متروک کے مقابلے میں اختیار کیا ہو اس کی دلیل بھی (بیان کر دیں)

۱۱- میں نے اس قائل سے کہا: میں نے اس سے قبل بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوہ) ذات الرقاع میں خوف کی نماز ادا فرمائی تھی، (اس طرح) کہ ایک گروہ نے آپ کے پیچھے صف بندی کی اور ایک گروہ بغیر نماز کے دشمن کے مقابلے میں رہا، پس آپ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک رکعت ادا فرمائی اور (باقی ایک رکعت) اُن لوگوں نے بذاتِ خود ادا کی، پھر یہ اس مقام سے دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے، اور دوسرا گروہ حضور کی پشت پر آگیا، ایک رکعت جو آپ کی باقی تھی اُن کے ہمراہ ادا فرمائی، پھر آپ بیٹھے رہے اور اس گروہ نے اپنی ایک رکعت پوری کی، پھر سب کے ساتھ آپ نے سلام پھیرا، شافعیؒ نے فرمایا: حضرت ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو طریقہ خوف کی نماز کا روایت کیا ہے وہ گزشتہ طریقے سے بعض امور میں مختلف ہے، چنانچہ انھوں نے بیان کیا ہے: حضورؐ نے ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت ادا فرمائی، اور ایک گروہ آپ کے اور دشمن کے درمیان (قائم) رہا، پھر وہ گروہ جو حضورؐ کے ہمراہ نماز میں تھا دشمن کے مقابلے میں آگیا، اور دوسری جماعت جس نے آپ کے ہمراہ نماز ادا نہیں کی تھی، آپ کی پشت پر آگئی، اور ایک رکعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تھی آپ نے اُن لوگوں کے ساتھ ادا فرمائی، خود آپ نے سلام پھیر دیا، اور یہ جماعت واپس ہو گئی، اور ہر گروہ نے بعد میں اپنی اپنی نماز پوری کر لی،

۱۲- شافعیؒ نے کہا: اور ابو عیاش زُرّقی نے (اس طرح) روایت کیا ہے: یوم عسفان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان خالد بن الولیدؓ (کی فوج) تھی، پس حضورؐ نے تمام ہمراہی لوگوں کے ساتھ صف بندی کی، آپ کے رکوع کے ساتھ سب نے رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا، اور ایک گروہ حفاظت کرتا رہا، پھر یہ سب لوگ آپ کی نماز کے قیام میں شریک ہو گئے،

۱۳- اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے قریب قریب بیان کیا ہے:

۱۴- اُس موقع پر خالد بن الولیدؓ مشرکین کی اس فوج کے امیر تھے۔

۷۱۵۔ شافعیؒ نے فرمایا: اور ان کے علاوہ ان کے خلاف روایت کیا گیا ہے، جو اس درجہ میں ثابت نہیں،

۷۱۶۔ اب مجھ سے قاتل نے کہا: دوسری روایات کو چھوڑ کر آپؐ نے غزوہ ذات الرقاع کی روایت کو کیوں خستیا کر کیا؟

۷۱۷۔ میں نے قاتل سے کہا: خوف کی نماز کے متعلق ابو عیاش اور جابرؓ کی روایات کا میں قائل ہوں، جبکہ وہ سب موجود ہو جس کی وجہ سے رسول اللہؐ نے اس مذکورہ طریقہ سے نماز ادا فرمائی،

۷۱۸۔ اس نے کہا وہ کیا سبب تھا؟

۷۱۹۔ میں نے کہا: (یوم عصفان میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (۱۴۰۰) آدمی تھے، اور خالد بن الولید کے ہمراہ دوستوں، اور یہ دشمن ایک وسیع صحرائ میں آنحضرتؐ سے زیادہ فاصلہ پر تھا (دشمن کو) آپؐ کے حق میں کسی طرح کے لاحق ہونے کا امکان نہ تھا، کیونکہ خالد کے ساتھ جماعت قلیل تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تعداد زیادہ تھی، ایسی حالت میں غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ حملہ کئے جانے سے آپؐ مامون تھے، اور اگر وہ لوگ جو آپؐ کے سامنے کی جانب میں تھے حملہ کرتے تو آپؐ اس کو دیکھ لیتے، اور سجدے کی حالت میں آپؐ کی حفاظت بھی ہوتی رہتی، کیونکہ دکم از کم) دزدیدہ نظر سے تو کام لیا جاسکتا۔

۷۲۰۔ لہذا جب دشمن کی قلت اور بعد کی ایسی حالت ہو یعنی یہ کہ دشمن کے درمیان کوئی ایسی آڑ نہ ہو جو اس کی حالت کو پوشیدہ رکھے، جیسا کہ میں نے وضاحت کی، تو میں خوف کی نماز کی ادائیگی کا اسی طرح قائل ہوں،

۷۲۱۔ شافعیؒ نے فرمایا: قاتل نے کہا: میں یہ تو سمجھ گیا کہ یہ روایات (غزوہ) ذات الرقاع کی اس وجہ سے مخالف نہیں ہیں کہ حالات مختلف تھے، لیکن ابن عمرؓ کی حدیث کی آپؐ نے کیوں مخالفت کی؟

۷۲۲۔ میں نے اس سے کہا: خوات ابن جبیرؓ نے بھی (اس نماز کو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اور اس معنی کے قریب قریب سہل بن ابی حمزہؓ اور علیؓ ابن ابی طالبؓ محفوظ طریقہ پر مروی ہے، کہ آپؐ نے لیلۃ الہریر میں خوف کی نماز اس طریقہ پر ادا کی تھی، جس طریقہ پر خوات ابن جبیرؓ نے نبی صلعم سے روایت کیا ہے، اور حضرت خواتؓ صحبت

عمر کے عتبار سے مقدم ہیں،

۱۔ اُس نے کہا: ان (خوات) کے قدیم صحبت ہونے کے علاوہ بھی آپ کے پاس اور کوئی بڑی دلیل ہے؟

۲۔ میں نے کہا: جی ہاں! ایک تو (اس طریقے کا) کتاب اللہ سے مشابہ ہونا جس کو میں بیان کر چکا ہوں،

۳۔ اس نے کہا: کتاب اللہ کے کس طرح موافق ہے؟

۴۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَإِذْ أَكُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلَتَعْتَمَّ ظِلُّهُ فَآذَأَسْجِدُ وَإِذْ أَقْلَبْتُكَ نِوَا مِنْ وَرَائِكُمْ، وَلَتَأْتِ طَارِفُهُ الْآخَرَى لَمْ يَصْلُوا أَفَلِيَصَلُّوا مَعَكَ، وَإِذْ أَخَذُ مِنْ رَهْمٍ وَأَسْلَحْتَهُمْ، وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلَحَتِكُمْ وَأَمِيقَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جَنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرَضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ، (سورة النساء: ۱۰۲)

”اور جب آپ اُن میں تشریف رکھتے ہوں، پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہئے کہ ان میں ایک گردہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے، اور وہ لوگ ہتھیار لیں، پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ اُٹھائے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گردہ جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آجاوے، اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لے، اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لیں، کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایکبارگی حملہ کر بیٹھیں، اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم کو اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اُتار رکھو، اور اپنے بچاؤ لیلو“ (تھانوی)

۵۔ اور فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ مَا كَانَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْفُوتًا، (سورة النساء: ۱۰۳)

”پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدے کے موافق پڑھنے لگو، یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے، اور وقت کے ساتھ محدود ہے“ (تھانوی)

یعنی واللہ اعلم، نماز اُسی طریقے پر پڑھو جس طریقے پر بغیر حالتِ خوف پڑھا کرتے تھے،

۷۲۸۔ پس جب کہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی نماز اور حالت امن کی نماز میں فرق کر دیا، تاکہ وہ اپنے اہل دین کو دشمن کے اچانک حملہ سے محفوظ فرمائے، تو اب ہم نے (حضرت) خوات ابن جبیرؓ اور ان کی مخالفت احادیث کو متواتر دیکھا، تو ہم نے خوات ابن جبیرؓ کی حدیث کو احتیاط اور حفاظت میں بہتر پایا، اور اس امر میں بھی کہ (اس حدیث کے اعتبار سے) دونوں فریق برابر (حصہ) پاتے ہیں،

۷۲۹۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو طائفہ امام کے ہمراہ اولاً نماز ادا کرے گا، اس کی نگرانی نماز نہ پڑھنے والے گروہ کے ذریعہ ہو رہی ہوگی، اور نگرانی کرنے والا غیر مصلیٰ گروہ نماز کے فرض سے کھڑے بیٹھے آزاد ہوگا، اور اگر حملہ کیا گیا تو داہنے بائیں پھرنے (ہتھیاروں) کے لینے میں، اور دشمن سے زیادہ خطرے کی صورت میں، کلام کرنے میں (آزاد) ہوگا، اور اگر فرصت نے موقع دیا تو دشمن کے اور اس کے نماز میں حائل ہونے بغیر (دشمن) سے مقابلہ کر سکے گا، اور اس غیر نمازی گروہ کی اطلاع سے امام اپنے ہمراہی گروہ کے ساتھ نماز میں تخفیف کر دے گا، اگر (بحالت نماز امام کو) دشمن کے حملے کا خوف ہوگا،

۷۳۰۔ فرمایا: اور دونوں گروہ کو ہر حق میں مساوی ہونا چاہئے، اور (حضرت) خوات کی حدیث میں (بھی) برابر درجے میں رہتے ہیں، اور حفاظت کرنے والا گروہ (لاحالہ) نماز سے خارج ہوگا، لہذا پہلا گروہ دوسرے گروہ کو جو نگرانی کر رہا تھا وہ (حصہ) دیدیگا جو اس نے دوسرے سے حاصل کیا ہوگا، چنانچہ بغیر نماز میں مشغول ہونے نگرانی کرے گا اور یہ دونوں گروہوں کے حق میں عدل ہوگا،

۷۳۱۔ اور جو حدیث (حضرت) خوات کی حدیث کے مخالف ہے، وہ (اس) احتیاط کے مخالف ہے، اولیٰ گروہ نماز کی رکعت میں دوسرے کی نگرانی کر رہا ہوگا، پھر جس کی نگرانی کی گئی ہوگی وہ نماز کے مکمل کے بغیر حفاظت کے لئے چلا آئے گا، اور ثانی گروہ ایسے گروہ کی نگرانی میں نماز ادا کرے گا کہ یہ گروہ خود بھی نماز کی حالت میں ہوگا پھر دونوں گروہ مجتمعاً نماز پوری کریں گے، اُس وقت ان دونوں کا کوئی محافظ نہ ہوگا کیونکہ نماز سے سوائے امام کے کوئی قایم نہیں ہوا ہے، تنہا امام اُن سے کیا وضیعہ کرے گا لہذا یہ طریقہ احتیاط کے خلاف اور دشمن کی تدابیر (کو دفع کرنے کی) قوت میں کمزور ہے،



۷۳۲۔ اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے خوف و غیر خوف کی نمازیں فرق کر کے اطلاع دی ہے اپنے اہل دین کے حق میں اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ دشمن ان سے اچانک فائدہ نہ اٹھا سکے اور یہ کہ پہلا گروہ دوسرے گروہ سے حصہ حاصل کرنے میں فائق نہ ہو،

۷۳۳۔ اللہ تعالیٰ نے امام اور دونوں طائفوں کی ایک ساتھ نماز کا ذکر فرمایا ہے، اور امام یا دونوں گروہ میں سے کسی کے متعلق بعد میں قضا کرنے کا ذکر نہیں فرمایا، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام اور مقتدی تمام کی ایسی حالت ہو کہ جب نماز سے فارغ ہوں تو کسی پر قضا (باقی) لازم نہ ہو، سب (کی حالت) ایک جیسی ہو،

۷۳۴۔ اور حضرت خوات کی حدیث بالکل ایسی ہی ہے، برخلاف اس حدیث کے جو اس حدیث کے مخالف ہے،

۷۳۵۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قائل نے کہا کہ اس وجہ سے علاوہ جو آپ نے بیان کی اس مخالفت حدیث کو ترک کرنے کی آپ کے پاس کوئی اور بھی دلیل ہے؟ میں نے کہا، جی ہاں! جب خوف کی نماز کا طریقہ امن کی نماز کے خلاف ہونا ثابت ہوا، تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ جو طریقہ بھی ان کے لئے سہولت کا باعث ہو اُس طریقے پر اپنے اور اپنے دشمن کے حالات کے پیش نظر کمین عدد برقرار رکھتے ہوئے نماز ادا کر لیں، پس اس (صورت میں اگرچہ) اُن کی نماز مختلف ہوگی، لیکن تمام طریقے اُن کے لئے کافی مصلحت ہوں گے،

## اختلاف کا دیگر طریقہ

۷۳۶۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ سے کسی کہنے والے نے کہا: تشہد کے سلسلہ میں (بھی) اختلاف ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (ان کو تشہد اس طرح تعلیم فرماتے جیسے قرآن کی سورۃ کو) چنانچہ ابن مسعود نے تشہد کی ابتداء میں تین کلمات (اس طرح) نقل کئے ہیں (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) لہذا آپ کس تشہد کو اختیار کرتے ہیں؟

۷۳۷۔ میں نے کہا: ہم کو مالک نے خبر دی بردایت ابن شہاب بواسطہ عروہ، عبد الرحمن ابن عبد القاری، انھوں نے حضرت عمرؓ ابن خطاب کو منبر پر فرماتے سنا، اس وقت،

آپ لوگوں کو تشہد کی تعلیم دے رہے تھے، فرما رہے تھے، کہو:

الشَّحِيَّاتُ لِلَّهِ، الْزَّكَايَا لِلَّهِ، الْطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ، الصَّلَوَاتُ لِلَّهِ، أَسْلَامٌ عَلَيْكَ  
أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، أَسْلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ  
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ۝

۳۹۔ شافعیؒ نے فرمایا: بچپن میں ہمارے فقیہ علماء اس (تشہد) کی ہم کو تعلیم دیا کرتے تھے، اس کے بعد پھر سند کے واسطے سے ہم نے اس کو سنا اور ان کو بھی جو اس کے مخالف تھیں، تو تشہد کے متعلق سند کے اعتبار سے اس تشہد کے موافق یا مخالف کسی تشہد کو زیادہ ثابت (قوی) اپنے نزدیک نہ پایا، اگرچہ دوسری بھی (اپنی اپنی) جگہ ثابت ہیں،

۴۰۔ چنانچہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ منبر پر حضرت عمرؓ و دیگر صحابہ کی موجودگی میں اسی چیز کی تعلیم دیں گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سکھلائی ہو،

۴۱۔ لہذا جب ہمارے اصحاب کی دیگر حدیث بھی ہم کو پہنچی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثبت تھی، تو ہم نے اس کو اختیار کر لیا، اور ہمارے لئے بہتر بھی یہی تھا،

۴۲۔ قائل نے کہا: وہ کون حدیث ہے؟

۴۳۔ میں نے کہا: مجھ سے ایک ثقہ شخص نے حدیث بیان کی، اور وہ یحییٰ ابن حسان ہیں

بو اسطہ یث ابن سعد، ابوالزیر مکی، سعید ابن جبیر اور طاووس کے، ابن عباس رضی اللہ

عنه سے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تشہد کی اس طرح تعلیم

فرمایا کرتے جس طرح قرآن کی تعلیم دیا کرتے، پس آپؐ فرماتے

الشَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا

النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ،

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ،

۴۴۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: مجھ سے قائل نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلافِ روایت

کے سلسلہ میں آپؐ کا کیا خیال ہے؟ کیونکہ ابن مسعودؓ نے اس کے خلاف روایت کیا،

اور ابو موسیٰؓ نے اس کے خلاف، اور جابرؓ نے اس کے خلاف، اور ان میں تمام کی تمام

چند لغظوں میں ایک دوسری سے مختلف ہیں، پھر حضرت عمرؓ نے جس کی تعلیم دی وہ

بعض الفاظ میں ان تمام کے مخالف ہے، اسی طرح حضرت عائشہؓ کا تشہد اور حضرت ابن عمرؓ کا تشہد، کہ ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسے کلمات ہیں جو دوسرے میں مذکور نہیں، اور بعض میں تو بلاشبہ بعض کی نسبت سے زیادہ الفاظ بھی ہیں؟

۷۴۔ میں نے اس سے کہا: اس کے متعلق (جواب) واضح ہے،

۷۵۔ اس نے کہا: آپ اس کو میرے حق میں واضح فرمادیں؟

۷۶۔ میں نے کہا: تشہد کا ہر ایک (کلمہ) ایسا کلام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم مقصود ہے، ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تعلیم دی، اُس نے حفظ کر لیا، اب اس کے بعد جو کچھ حفظ سے لیا گیا اُس میں اکثر معنی کے نہ بدلنے کی حفاظت کی گئی، لہذا اس کو نہ زیادتی کہا جائے گا نہ کمی، اور نہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس کے کلام میں ایسا اختلاف ہو گیا ہو جس نے معنی کو اتنا متغیر کر دیا کہ وہ تغیر جائز نہ تھا،

۷۷۔ لہذا ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے ہر شخص کو اس کے حفظ کئے ہوئے کی اجازت دیدی ہو، اُس لئے کہ معنی میں کوئی ایسا رد و بدل نہ تھا جس سے مقصد میں فرق پیدا ہوتا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جن حضرات کی روایت اور تشہد مختلف ہے، انہی لوگوں نے اس میں وسعت کی ہو، اور اس بنا پر جس نے جو حفظ کیا تھا وہ اور جو ذہن میں حاضر تھا اجازت کے ساتھ روایت کر دیا ہو،

۷۸۔ قائل نے کہا کیا آپ کو ایسی کوئی چیز ملتی ہے جو اس پر دلیل ہو کہ ان کو آپ کے بیان کے مطابق اجازت دیدی گئی تھی،

۷۹۔ میں نے کہا: جی ہاں!

۸۰۔ اس نے کہا: وہ کیا چیز ہے،

۸۱۔ میں نے کہا: مالکؒ نے بواسطہ ابن شہاب، عروہ، عبد الرحمن بن عبد القاریؒ، رزّا کیا، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا: میں نے ہشام بن حکیم کو سورہ فسّر قان اُس طرز کے خلاف پڑھتے سنا جس طرز پر میں خود اس کو پڑھا کرتا تھا، اور اس طرز پر مجھ کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا، قریب تھا کہ میں اُن کے حق میں عجلت کر بیٹھوں، لیکن میں نے اُن کو مہلت دی، حتیٰ کہ جب وہ پڑھنے سے فارغ ہو گئے تب میں نے ان کی چادر ہی میں پلیٹ کر ان کو باندھا، اور نبی صلعم کی

خدمت میں لے کر حاضر ہوا، آپ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے اس شخص کو سو فرقان اس طرز کے خلاف پڑھتے سنا جس طرز پر آپ نے مجھ کو پڑھائی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا پڑھو، انھوں نے اُسی طرز پر جو میں نے سنی تھی پڑھنا شروع کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسی طرح نازل ہوئی ہے، یہ قرآن سات طرز پر نازل ہوا ہے، تم لوگ جو آسان معلوم ہو اس طریقے پر پڑھو،

۴۵۳۔ شافعیؒ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر مہربانی کے پیش نظر اپنی کتاب کو سات طرز پر نازل فرمایا، (پڑھنے کی اجازت دی) یہ سمجھ کر کہ حفظ میں لغزش ہو جایا کرتی ہے، تاکہ اُن کے لئے اُس کا پڑھنا آسان رہے، اگرچہ لفظ بغیر معنی کے مختلف ہو جائیگا تو وہ چیز جو کتاب اللہ سے کم درجے کی ہے اُس میں بطریقہ اولیٰ یہ جائز ہوا کہ اگر معنی مختلف نہ ہوں تو اختلاف لفظ جائز ہے،

۴۵۴۔ اور ہر وہ کلام جو کسی حکم پر شامل نہ ہو اس میں لفظ کا اختلاف معنی میں تغیر نہیں پیدا کرتا،

۴۵۵۔ اور بعض تابعین نے بیان کیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے متعدد صحابہ سے ہماری ملاقات ہوئی، معنی میں ہم نے ان کو مجتہد پایا، لیکن الفاظ سب کے مختلف تھے، میں نے اُن حضرات میں سے بعض سے وہی کہا (جو تم نے مجھ سے کہا ہے) انھوں نے فرمایا: جب تک متغیر نہ ہو کوئی حرج نہیں ہے،

۴۵۶۔ شافعیؒ نے فرمایا: قائل نے کہا: تشہد سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم مقصود ہے، اور مجھے امید ہے کہ یہ سب کچھ اس میں جائز ہو، اور اس میں اختلاف نہ ہو، مگر اُس حیثیت سے جو آپ نے بیان فرمائی، اور اسی طرح خوف کی نماز میں ممکن ہے، جیسا کہ آپ نے بیان کیا، کہ جب نماز کو مکمل طور پر ادا کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنے طریقے مروی ہیں، طریقے پر نماز کافی ہوگی، کیونکہ خوف کی نماز دیگر نمازوں کے طریقے میں (اللہ تعالیٰ نے فرق کر دیا ہے، لیکن ابن عباسؓ نے جو حدیث تشہد کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ اس حدیث کی طرف کیوں مائل ہو گئے؟ دوسری کونہ اختیار کیا میں نے کہا: جب میں نے اس میں دسعت پائی، اور ابن عباسؓ سے صحیح مسلم کے ساتھ سنا، میرے نزدیک دوسری تشہدوں سے زیادہ جامع اور الفاظ کے اعتبار سے

زائد تھی، اس لئے میں نے اس کو خست یا کر لیا، اب اگر کوئی شخص کسی دوسرے تشہد کو لیتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے میں اس پر کوئی طنز نہیں کرتا،

## اختلاف روایت کا دوسرا طریقہ جو اول سے مختلف ہے،

۵۸۔ ہم سے مالک نے بواسطہ نافع حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سو نے کو سونے کے بدلے برابر فرخت کرو بعض حصہ کو بعض سے زائد نہ کرو، اور چاندی کو چاندی کے معاوضہ میں (اسی وقت خرید و بیچو جبکہ دونوں برابر ہوں، ایک کو دوسرے پر زائد نہ کرو، اور ان میں سے کسی موجود کو غیر موجود کے بدلے نہ بیچو“

۵۹۔ مالک، موسیٰ ابن ابی تیم، سعید بن یسار نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اثر فی الشرفی کے بدلے روپیہ روپیہ کے مقابل بغیر زیادتی کے ہونا ضروری ہے“

۶۰۔ مالک نے بواسطہ حمید ابن قیس، مجاہد، حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے، فرمایا: ”دینار دینار کے عوض درہم درہم کے عوض (لین دین) میں زیادتی نہ ہو، یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے عہد تھا، اور تم سے ہمارا عہد بھی یہی ہے“

۶۱۔ شافعیؒ نے فرمایا: حضرت عثمان و حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہما سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونے کو سونے کے بالعوض (فروخت کرتے وقت) زیادتی کی حمانت اور نقد نقد (کا شرط ہونا) مروی ہے،

۶۲۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مذکورہ احادیث ہی کو ہم خست یا کرتے ہیں، اور انہی احادیث پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہؓ شامل ہیں، اور شہروں کے مقیموں نے (اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے)۔

۶۳۔ ہم سے سفیان نے روایت کیا بواسطہ عبید اللہ ابن یزید، ابن عباس، اسامہ ابن زیدؓ سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ایک جانب میعاد ہی ہونا رہا ہے“

۶۴۔ شافعیؒ نے فرمایا: اس حکم کو حضرت ابن عباسؓ اور ان کے کئی اصحاب وغیرہ نے اغنیاء



کیا ہے،

۷۶۵۔ فرمایا: مجھ سے قائل نے کہا: کیا یہ حدیث پہلی احادیث کے مخالف ہے؟

۷۶۶۔ میں نے کہا: مخالفت اور موافقت دونوں کا احتمال رکھتی ہے،

۷۶۷۔ اُس نے کہا: موافقت کی کونسی صورت ہے؟

۷۶۸۔ میں نے کہا: ہو سکتا ہے کہ حضرت اُسامہؓ نے اس وقت سنا ہو، جب کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف قسموں کی اشیاء کے متعلق سوال کیا جا رہا ہو، مثلاً

سونے کی بیج چاندی کے عوض، چھوٹے کی بیج گیہوں کے عوض یا دیگر مختلف الجنس

اشیاء کے متعلق زیادہ کر کے ہر دو جانب سے نقد، تو حضورؐ نے فرما دیا ہو کہ

”بہر حال ربا، نقد و قرض میں ہے“ یا یہ کہ سوال پہلے کیا جا چکا ہو اور اُسامہؓ جوابی

کلمات کو سن سکے ہوں، اس لئے صرف ان الفاظ ہی کو نقل کر دیا اور سوال چھوٹ گیا

ہو، یا اُس میں اُن کو شک ہو، کیونکہ حضرت اُسامہؓ کی حدیث میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں

ہے، جو اُن احتمالات کی نفی کرتی ہو، اس وجہ سے سابقہ احادیث کی موافقت کا احتمال

رکھتی ہے،

۷۶۹۔ اُس نے کہا: پھر آپ نے یہ کیوں فرما دیا کہ خلاف کا احتمال بھی رکھتی ہے؟

۷۷۰۔ میں نے کہا: اس لئے کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے ابن عباس ہیں، اور

وہ (اس قضاصل) کے مذہب کے خلاف مذہب رکھتے تھے، فرماتے تھے: نقد

نقد کی بیج میں ربا نہیں، ربا اُس صورت میں ہے جب ایک جانب نقد اور دوسری

جانب میعاد ہی ہو،

۷۷۱۔ قائل نے کہا: اگر اس حدیث کو مذکورہ احادیث کا مخالف سمجھا جائے تو اس کو

چھوڑ کر دوسری احادیث کے خستہ کرانے کی کیا دلیل ہے؟

۷۷۲۔ میں نے اس سے کہا: ہر وہ شخص جس نے حضرت اُسامہؓ کے خلاف روایت کیا ہو

اگرچہ حفظ حدیث میں وہ اُسامہؓ کی طرح مشہور نہیں ہے، لیکن اس معاملہ میں کم بھی

نہیں ہے، اور حضرت عثمان بن عفانؓ و عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما (سن) عمراد

صحبت دونوں کے اعتبار سے اُسامہؓ سے بہت زیادہ تھے، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سنا

کے لحاظ سے بڑے تھے، اور اپنے زمانے کے تمام راویان حدیث سے زیادہ حدیث

کے حافظ تھے،

۷۷۳۔ اور جب کہ ایک کے مقابلہ میں ایسے دو راویوں کی حدیث جن کا حفظ ظاہر ہو اولیٰ ہوتی ہے، اور اُس میں غلطی واقع ہونے کی نفی کی جاتی ہے، تو پھر دوسے زیادہ ایسے راویوں کی حدیث جو حدیث کے حفظ میں ایک کم عمر والے کے مقابلہ میں افضل ہوں ربط لقمہ اولیٰ مرجح ہوگی، اور پانچ راویوں کی حدیث ایک راوی کے مقابلہ میں تو اس کی زیادہ مستحی ہوگی کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے،

## ایک اور طریقہ اُن احادیث کے متعلق

جو مختلف خیال کی جاتی ہیں، لیکن ہمارے نزدیک مختلف نہیں ہوتیں

۷۷۴۔ ہم سے ابن عیینہ نے روایت کیا بواسطہ محمد ابن عجلان، عاصم ابن عمر ابن قتادہ محمود ابن بسید، حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فجر میں سفیدی نہتیا کر دو، کیونکہ یہ اجر کی زیادتی کا سبب ہوگا“ یا فرمایا: ”تمہارے ثواب میں زیادتی کا سبب ہوگا“

۷۷۵۔ ہم سے سفیان نے روایت کیا بواسطہ زہری، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مومن عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صبح کی نماز ادا کرتیں، پھر جب وہ اپنی چادروں میں لپیٹی ہوئی واپس ہوتیں تو اندھیرے کی وجہ سے اُن کو کوئی شخص پہچان نہ سکتا،

۷۷۶۔ شافعیؒ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فجر کی نماز کو اندھیرے میں ادا کرنا حضرت سہل ابن سعد اور زید بن ثابت و دیگر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کیا، جو معنوی درجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مثل ہیں،

۷۷۷۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: مجھ سے قائل نے کہا: ہم اُجالے میں فجر ادا کرنے کے قائل ہیں حضرت رافع بن خدیج کی حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے، اور ہمارا خیال ہے کہ اس میں فضیلت ہے، اور آپ کا یہ مذہب ہے کہ جب دو حدیثیں مختلف ہوں تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو ہم اختیار کر سکتے ہیں، اور حضرت رافع کی حدیث کو ہم حضرت

عائشہ رضی کی حدیث کے مخالف تصور کرتے ہیں،

۷۷۸۔ شافعیؒ نے فرمایا: میں نے اس سے کہا: اگر حضرت رافعؓ کی حدیث حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مخالف ہے تب بھی ہم پر لازم ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی کی حدیث پر عمل کریں، نہ کہ اُن کی حدیث پر، اس لئے کہ ہمارے اور آپ کے نزدیک جس قاعدے پر اس کی بنیاد ہے وہ یہ ہے کہ جب احادیث مختلف ہوں تو ان میں سے کسی ایک پر اُس وقت تک ہم عمل نہ کریں گے جب تک ایسا سبب نہ معلوم ہو کہ جس حدیث کو ہم نے اپنا مذہب بنایا ہے وہ دوسری سے جس کو ہم نے ترک کیا ہے قوی ہے،

۷۷۹۔ قائل نے کہا: وہ سبب کیا ہو سکتا ہے؟

۷۸۰۔ میں نے کہا: (ایک تو یہ کہ) اُن دونوں حدیثوں میں سے کوئی ایک حدیث کتاب اللہ سے زیادہ مشابہ ہو، لہذا جب وہ کتاب اللہ سے زیادہ قریب ہوئی تو وہی حجت ہوگی۔ اس نے کہا: اسی کے ہم قائل ہیں،

۷۸۱۔ ہم نے کہا: (دوسرے یہ کہ) اگر ان میں سے کوئی کتاب اللہ سے مشابہ نہیں ہے تو اُن دونوں میں وہ حدیث اولیٰ ہوگی جو زیادہ ثابت ہو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ جس راوی نے اس کو روایت کیا ہے وہ اسناد کا پورا عارف ہو، اور اس کے علم و حفظ میں زیادہ مشہور ہو، یا یہ کہ جس حدیث کو ہم نے اپنا مذہب بنایا ہے وہ دُویا اس سے زیادہ طریقوں سے مروی ہو، اور جس کو ہم نے چھوڑا ہے اس کا صرف ایک ہی طریق ہوا۔ کثیر السند (قابل عمل ہونے) میں قلیل السند سے اولیٰ ہوگی، یا وہ حدیث جس کی طرف ہم گئے ہیں کتاب اللہ کے کسی معنی کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو، یا اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر احادیث سے زیادہ قریب ہو، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مسلک ہو، اور قیاس میں زیادہ صحیح (قرار) پاتی ہو،

۷۸۲۔ قائل نے کہا: یہی ہمارا قول ہے، اور اسی کے دیگر اہل علم بھی قائل ہیں،

۷۸۳۔ میں نے کہا: بس تو حضرت عائشہ رضی کی حدیث کتاب اللہ کے مضمون سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْكُوفَىٰ  
”تمام نمازوں کی حفاظت کرو، خصوصاً وسطیٰ نماز کی۔“

لہذا جب نماز کا وقت داخل ہو تو نماز پڑھنے والوں کے لئے اس نماز کی حفاظت کے سلسلہ میں یہ آؤں ہے کہ آؤں وقت میں ادا کر لیں،

۴۸۵۔ اور وہ بھی راویان حدیث میں ثقہ و اعلیٰ درجہ کے حافظ ہونے میں مشہور ہیں، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث کی تائید میں تین صحابی اور ہیں، وہ تمام کے تمام حضرت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کی حدیث کے معنی ہی کو روایت کر رہے ہیں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ،

۴۸۶۔ نیز یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر احادیث سے بمقابلہ رافع بن خدیجؓ کی حدیث کے زیادہ قریب ہے،

www.KitaboSunnat.com

۴۸۷۔ اُس نے کہا: وہ کونسی احادیث ہیں؟

۴۸۸۔ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”آؤں وقت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی (کا باعث ہے) اور آخر وقت اللہ کی معافی کا“

۴۸۹۔ اور (ظاہر ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے علاوہ کسی شے کو پسند نہیں فرماتے، اور معافی کے صرف دو معنی ہو سکتے ہیں، (۱) یہ کہ کسی قصور سے درگزر کر دینا، (۲) یہ کہ وسعت دیدینا، اور وسعت (دینے کے معنی) یہ خیال پیدا کر رہے ہیں کہ فضیلت اس کے خلاف میں ہے، کیونکہ اُس غیر کو جس کے مخالف میں وسعت دی گئی چھوڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے،

۴۹۰۔ اس نے کہا: اس تقریر سے آپ کی کیا مراد ہے؟

۴۹۱۔ میں نے کہا: جب کہ آؤں وقت کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، اور ہمارے لئے اُس وقت میں اور اس سے کچھ پہلے نماز پڑھنا جائز تھا، تو اب فضیلت (نماز کے) مقدم کرنے ہی میں ہوگی، اور تاخیر وسعت دی گئی تقصیر (سجھی جائے گی)،

۴۹۲۔ اور جو کچھ ہم نے کہا ہے اُس کے مطابق ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصفا فرمائی ہے، آپ سے سوال کیا گیا تھا: ”اعمال میں کون عمل افضل ہے؟“ فرمایا: **أَصْلَدُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا**، ”آؤں وقت میں نماز ادا کر لینا“

۴۹۳۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل کے موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے، اور لوگوں کو بھی فضل حاصل کرنے کا ہی حکم فرمایا کرتے،

۷۹۶۔ اس نے کہا: کتاب سے کس طرح؟

۷۹۷ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ  
تو جو شخص نماز کو مقدم کر کے اول وقت میں ادا کر لے گا وہ اول وقت سے مؤخر کر بیوے  
کی نسبت سے محافظت میں اولیٰ ہوگا،

۷۹۸۔ - و نیز ہم نے علماء کو بھی دیکھا کہ وہ فرائض و نوافل سب میں لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اول وقت میں ادا کریں، کیونکہ یہ ہر عقل رکھنے والا سمجھتا ہے کہ آدمیوں پر (ان کے) اشغال و زیان و (دیگر) عادتیں آتی رہتی ہیں،

۹۹۔ اور فجر کی نماز کو اول وقت میں مقدم کر کے ادا کرنا حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ علی بن ابی طالبؓ و ابن مسعودؓ و ابو موسیٰ شحریؓ و انس بن مالکؓ وغیرہم سے (یعنی تابعانہ قائل) نے کہا: ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ تاریکی میں نماز شروع کرتے، پھر طویل قرأت اخلاص کر کے روشنی میں فاتحہ ہوتے،

۸۰۱۔ میں نے کہا، ان حضرات نے قرأت طویل اور مختصر دونوں طریق پر کیا ہے، نیز نماز میں داخل ہونے کا وقت (قابل اعتبار) ہے، نماز سے فارغ ہونے کا نہیں، چنانچہ تمام اندھیرے میں نماز شروع کیا کرتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اندھیرے میں حشر فرما دیا کرتے تھے،

۸۰۲ چنانچہ آپ نے اُن احادیث کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکیں اور ان کا (تبارع اولیٰ تھا مخالفت کی ہے، اور ان (مذکورۃ الصدر) حضرات صحابہؓ کی، کیونکہ آپ تو اس امر کے قائل ہیں کہ نماز روشنی میں شروع کی جائے اور روشنی ہی میں ختم کی جائے، اور قرأت مختصر کرے، (اور خوبی یہ کہ) نماز شروع کرنے میں بھی مخالفت کر ڈالی، اور آپ نے قرأت کے طویل کر دینے کو حجت بنایا ہے تو ان حضرات سے بعض احادیث میں اندھیرے میں فارغ ہو جانا بھی مروی ہے،



۸۰۔ شافعیؒ نے فرمایا: اُس نے کہا: کیا آپ رافع بن خدیج کی حدیث کو حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مخالف خیال کرتے ہیں یا نہیں؟

۸۰۔ میں نے کہا: نہیں،

۸۰۔ اس نے کہا: پھر موافقت کی کیا صورت ہے؟

۸۰۔ میں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اول وقت میں نماز مقدم کرنے کی ترغیب دی اور اس میں فضیلت کو بیان فرمایا، تو احتمال تھا کہ نماز سے رغبت رکھنے والے لوگ اس کو صحیح صادق سے بھی مقدم کر دیں، لہذا آپؐ نے فرمادیا: (اسف ذابا لفجر) یعنی جب فجر صادق کی روشنی واضح طور پر پھیل گئی ہو،

۹۰۔ قائل نے کہا: اس کے علاوہ کسی اور معنی کا بھی احتمال ہے؟

۸۰۔ میں نے کہا: ہاں: جس کے آپ قائل ہیں اس کا بھی احتمال ہے، اور جو میں نے اور آپؐ نے کہا ہے اس کے درمیانی (درجہ) کا بھی احتمال ہے، کیونکہ ان میں سے ہر معنی پر (اسفار) کا لفظ صادق آسکتا ہے،

۸۰۔ اس نے کہا: (اسفار کے) ہمارے بیان کردہ معنی پر آپؐ کے بیان کئے ہوئے معنی کو ترجیح کی کیا وجہ ہے؟

۸۱۔ میں نے کہا: جو تاویل میں نے کی ہے اُس کی بنا پر اور اس وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ درقسم کی فخر ہے، ایک وہ جو بھیڑیے کی دم کی طرح (نمودار) ہو (یہ فخر) نہ کسی کو شے حلال کرتی ہے نہ حرام، لیکن وہ فجر جو پھیل گئی ہو وہ نماز کو حلال کر دیتی ہے اور کھانے کو حرام“ یعنی جو شخص روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہو،

## احادیث مختلفہ کا ایک نقشہ !

۸۱۔ ہم سے سفیان نے روایت کیا، بواسطہ زہری، عطار بن یزید لیثی، حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قضاء حاجت کے وقت نہ قبلہ کی طرف مڑ کر اور نہ پشت کرو، بلکہ مشرق یا مغرب کو رخسار کرو“ حضرت ابو ایوبؓ نے کہا جب ہم ملک شام میں پہنچے تو وہاں بیت الخلا قبلہ کی طرف بنے ہوئے پائے لہذا ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوئے (کچھ پھر جایا کرتے تھے)،

۸۱۲۔ مالکؒ نے ہم سے روایت کیا بواسطہ یحییٰ ابن سعید، محمد بن یحییٰ ابن حبان، واسح ابن حبان، حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے فرماتے تھے: ”کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تم حجاب کے لئے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کی طرف منہ نہ کرو، چنانچہ عبد اللہؓ نے فرمایا ایک روز میں اپنے مکان کی چھت پر چڑھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاء حاجت کے لئے بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے دو اینٹوں پر بیٹھے دیکھا، شافعیؒ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرات آپ کے وقت میں موجود تھے اُن کی تادیب فرمائی، اور یہ تمام عرب تھے، اُن کے مکانوں میں یا اُن حضرات میں سے اکثر کے مکانوں میں استنجار خانے نہ تھے، لہذا آپ کی اس تادیب میں دو احتمال پیدا ہوتے ہیں،

۸۱۳۔ اول یہ کہ اپنی حاجت سے فارغ ہونے کے لئے صحراء میں جاتے، چنانچہ اُن کو حکم دیا گیا کہ وہ نہ قبلہ کو متوجہ ہوں، اور نہ اس کی طرف پشت کریں، کیونکہ صحراء میں اُس عمل کرنا اس کی وسعت کی بناء پر اُن کے لئے آسان تھا، اُن لوگوں نے اپنے خیال میں اتنی وسعت پیدا کر رکھی تھی کہ انسانی قضاء حاجت کے وقت وہ لوگ قبلہ کو منہ کرنا یا پشت کرنا درست سمجھتے تھے، اور (اس صورت میں) اُن کے لئے قبلہ کو منہ کرنے یا پشت کرنے میں اس سے اجتناب کے مقابلے میں کوئی زیادہ آسانی نہ تھی، بلکہ صحراء کی وسعت کے اعتبار سے دونوں برابر تھے)

۸۱۵۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ اس ضرورت کے پورا کرنے والے بغیر پردہ کئے ہوئے آتے جاتے اس طرح کہ نمازی اگر قبلہ کو متوجہ ہو تو اُن کی عورت کھلی نظر آجائے، لہذا حکم دیا گیا کہ اللہ کے قبلے کی تکریم کریں، اور نماز پڑھنے والے سے اپنے ستر کو چھپائے تاکہ نماز کی حالت میں وہ ان کو اس طرح نہ دیکھ سکے، اور یہ معنی حدیث کے دوسرے معانی کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے، واللہ اعلم،

۸۱۶۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ صحراء میں جو قبلہ معتبر کیا گیا ہو قضاء حاجت کے وقت اس کی طرف منہ کرنے سے اس لئے منع کیا ہو کہ قبلہ کی جانب پاخانے اور پیشاب کے ملوث نہ ہو، اور گندگی نہ پھیلے، یا قبلہ کے قرب وجوار میں یہ امر نہ ہو تاکہ نمازیوں کو پہنچنے کا باعث بنے،

۸۱۷۔ چنانچہ ابو ایوبؓ نے اتنا ہی روایت کر دیا، جتنا محل طور پر سنا تھا، اور اس امر کے قائل ہو گئے کہ خواہ صحراء ہو یا مکان کسی جگہ قبلہ کو منہ یا پشت نہ کرنا چاہئے، اور اپنے مذاہب میں مکانوں میں بنے ہوئے بیت الخلا جن میں بعض حالات کے پیش نظر اس حکم کے انجام دینے سے انسان مجبور ہوتا تھا، کبھی قبلہ کو منہ کرنا پڑتا، کبھی پشت کرنا پڑتی اور قضاء حاجت کرنے والا مکمل پردے میں ہوتا، آپؐ نے کوئی تفریق نہ فرمائی، بس جس طرح محل طور پر حدیث سنی تھی اسی پر مجموعی طور سے عامل ہو گئے،

۸۱۸۔ اور یہی ہر اُس شخص کو چاہئے کہ جو حدیث کی جس طرح ساعت ماضی کرے اُسی عہم یا اجمال کے ساتھ اس کا قائل ہو، جب تک کہ اس کو کوئی دوسری دلیل تفسیریت کی نہ مل جائے،

۸۱۹۔ شافعیؒ نے فرمایا: جب حضرت ابن عمرؓ نے یہ روایت کیا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاء حاجت کے وقت بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے دیکھا، حالانکہ دو قبلوں میں سے یہ بھی ایک قبلہ ہے، اور اس حالت میں لامحالہ کعبہ کی طرف پشت ہو جائے گی، تو ابن عمرؓ نے ان لوگوں کے قول کا انکار کیا۔ حاجت کے وقت قبلہ کو منہ یا پشت کرنے کی ممانعت کے قائل تھے، اور یہ راستے قائم کی کہ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو اس سے اختلاف کر کے) اجتناب کرنا کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے،

۸۲۰۔ اور حضرت ابن عمرؓ اُس حکم کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحراء کے متعلق دیا تھا نہ سن سکے، تاکہ صحراء اور مکان کے حکم میں تفریق کر سکتے، اور صحراء میں ممنوع ہونے کا، مکان میں رخصت کا فتویٰ دیتے، لہذا یہ وہی صورت ہوئی کہ جو کچھ سنا اور دیکھا اس کے قائل ہو گئے، (اور جس نے رسول اللہؐ کی جانب سے) تفریق پر دلیل پائی، اس نے اُس میں فرق کر دیا، کیونکہ صحراء اور مکان کے مختلف حالات ہوتے ہیں،

۸۲۱۔ اس (تقریر) سے یہ واضح ہو گیا کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا اس کو قبول کر کے اس کا قائل ہو گیا، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کو تفسیریت کی کوئی دلیل معلوم نہ ہو سکی، جس کی بناء پر وہ تفسیریت کر سکتا، تو اس نے (اپنی جانب سے) کوئی تفریق نہ کی،

۸۲۲۔ حدیث میں اس کے مشابہ اور احادیث بھی ہیں لیکن ان کے سمجھنے میں ان (مذکورہ) مثالوں پر ہم نے اکتفا کرتے ہوئے اُن کا ذکر نہیں کیا،

## اختلاف (احادیث کی) دیگر صورت

۸۲۳۔ ہم سے ابن عیینہ نے بواسطہ زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ ابن عتبہ حضرت ابن عباسؓ

سے روایت کیا، فرمایا: مجھے صعب ابن جثامہؓ نے اطلاع دی کہ ”انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو یہ سوال کرتے ہوئے سنا، جب دار کفر میں مشرکین پر رات میں اچانک حملہ کیا جائے اُس میں اُن کے بچے اور عورتیں ہاتھ آتیں (ان کے ہمراہ کیا عمل ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ انہی میں سے ہیں“ اور عمر وابن دینار نے زہری

سے روایت کرتے ہوئے اپنی روایت میں اس طرح کہا ہے ”وہ اپنے آبا ریں داخل ہیں“

۸۲۴۔ ہم سے ابن عیینہ نے بروایت زہری، ابن کعب ابن مالک سے بواسطہ ان کے چچا

کے اُن سے روایت کیا: ”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی الحقیق کے (قتل) کو آدمی روانہ کیا، تو اس کو عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کر دیا تھا“

۸۲۵۔ شافعی نے فرمایا: چنانچہ سفیان کا یہ مذہب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے

(وہ انہی میں شامل ہیں) کے یہ معنی ہیں کہ ان کا قتل کرنا مباح ہے، اور ابن ابی الحقیق

کی حدیث اس مذکور حدیث کی ناسخ ہے، فرمایا: جب صعب ابن جثامہ کی حدیث

روایت کرتے تو اس کے بعد ہی ابن کعب کی حدیث بھی روایت کر دیا کرتے،

۸۲۶۔ شافعی نے فرمایا: صعب ابن جثامہ کی حدیث اگر آنحضرتؐ کے اوّل عمرہ کا واقعہ

ہے تو بعض علماء کہتے ہیں، ابن ابی الحقیق کا واقعہ اس سے قبل ہو چکا تھا، اور بعض کا قول

ہے کہ اسی سال میں واقع ہوا تھا، اور اگر آخری عمرہ کا واقعہ ہے تو پھر صعب کی حدیث

یقیناً ابن ابی الحقیق کے بعد کا واقعہ ہے،

۸۲۷۔ اور ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کسی ایسی (روایت کا) علم نہیں کہ جن میں

عورتوں اور بچوں کے قتل کی رخصت دینے کے بعد آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہو،

۸۲۸۔ اور ہمارے نزدیک عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کی ممانعت کے یہ معنی معلوم

ہوتے ہیں کہ جن کفار کے قتل کا حکم ہے جب یہ اُن سے ممتاز ہوں ان کو علیحدہ طور پر

پہچانا جاسکتا ہو تو اُن کے قتل کا اقدام نہ کیا جائے،

۸۱۔ اور حضور کا یہ فرمانا (هُمْ مِنْهُمْ) اس کا یہ مطلب ہو کہ یہ عورتیں اور بچے دو فصلوں کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہیں، یہ کہ ان کے حق میں ایسے ایمان کا حکم نہیں دیا جاسکتا جس کی وجہ سے اُن کا خون بہانا حرام ہو، اور نہ ہی ان کو اس دارالاسلام میں ہونے والے لوگوں میں شامل کیا جاسکتا ہے کہ جس پر غارتگری جائز نہیں،

۸۲۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار (حرب) پر شب خون و اچانک حملہ کو مباح قرار دیا، چنانچہ بنی مصطلق پر اچانک حملہ کیا گیا، تو علم یقین کی حد تک کہا جاسکتا ہو، شب خون و اچانک حملہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال کرنے پر حلال قرار پا چکا، تو یہ ممکن ہے کہ شب خون یا اچانک حملہ میں (کفار کے) بچے عورتیں بھی کام آجائیں، لہذا ان کے بارے میں گناہ یا کفارہ یا دیت و قصاص سا قسط متصور ہوگا، کیوں کہ شب خون اور ناگہانی حملہ ان کے لئے مباح کر دیا گیا، اور اُن کے حق میں اسلامی حرمت نہیں رکھی گئی،

۸۳۔ البتہ (مسلمانوں) کے لئے یہ درست نہ ہوگا کہ جان بوجھ کر ان کو قتل کریں،  
۸۴۔ بچوں کے قتل کرنے سے منع کرنے کا سبب یہ ہے کہ ابھی کفر اختیار کر کے اس پر عمل کرنے کے درجے کو پہنچے ہوتے، عورتوں کے قتل کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں جبکہ وہ جنگ میں حصہ ہی نہیں لے سکتیں، بلکہ یہ عورتیں اور بچے غلام اور باندیاں خدمتگار بنائے جائیں گے، جو اہل اسلام کی قوت کا باعث ہوگا،  
۸۵۔ اگر کہنے والا یہ کہے کہ اس کے علاوہ اور طریقے سے بھی وضاحت کر دیں تو زیادہ بہتر ہوگا!

۸۶۔ کہا جائے گا کہ جو کچھ بیان کیا گیا ایک عالم کے لئے اتنا ہی کافی ہے،  
۸۷۔ اگر قاتل کہے کہ آپ کو اپنے رسابق بیان کی تقریت کے لئے اس بیان کے علاوہ کتاب اللہ سے بھی کوئی چیز ملتی ہے؟  
۸۸۔ میں نے کہا: جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ  
مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

”اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ مومن کو مار ڈالے،  
لیکن غلطی سے، اور جو غلطی سے بھی مومن کو مار ڈالے



ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے، اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہانے، مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں، اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمھارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا، اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہو جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا ہے، پھر جس شخص کو نہ لے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بطریق توہر کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

(سورۃ النساء: ۹۲)

۸۳۔ شافعیؒ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کرنے پر دیت یا غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا مقرر فرمایا، اور کسی معاہدہ کے قتل پر (بھی) دیت یا غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا، اس لئے کہ ان دونوں کا خون کرنا ممنوع ہے ایک کا ایمان کے سبب اور دوسرے کا معاہدے کی وجہ سے، اور دار (اسلام) میں موجود ہونے کی وجہ سے، چنانچہ جو شخص (دار اسلام میں) بحالت ایمان ہوگا اس کا خون بہانا ایمان کی وجہ سے حرام ہوگا، اس لئے اُس کی جان کے تلف کرنے میں کفارہ مقرر فرما دیا گیا ہے، اس میں دیت نہیں مقرر کی گئی، لہذا مشرکین کی عورتیں اور بچے جب مومن نہ ہوں اور نہ دار (اسلام) میں ہوں تو ایسی حالت میں نہ اُن کا قصاص ہوگا نہ دیت ہوگی، نہ کوئی گناہ نہ کفارہ۔

## جمع کے غسل کے سلسلہ میں (احادیث کا اختلاف)

۸۳۸۔ قائل نے کہا کہ: دوسرے بعض لوگوں کے نزدیک جو بعض احادیث مختلف ہوں ان کو بھی بیان فرمادیں؟

۸۳۹۔ میں نے کہا: مالک، صفوان ابن سلیم، عطار بن یسار، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

سے ہم کو روایت پہنچی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بالغ شخص پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے،

۸۴۱۔ ہم سے بیان کیا ابن عیینہ نے بواسطہ زہری، سالم، ان کے والد کے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تم میں سے جمعہ کی نماز کے لئے آئے اس کو غسل کرنا واجب ہو۔ شافعیؒ نے فرمایا (پہلی حدیث میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا (جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل واجب ہو) اور (دوسری میں) امر کا صیغہ استعمال فرمانا، و مضمون کا احتمال رکھتا ہے، ان دونوں معنی میں سے ظاہری معنی یہ ہیں کہ یہ غسل واجب ہے، اور اس کے بغیر جمعہ کی نماز درست نہیں ہوگی، جس طرح ناپاک شخص کے لئے غسل کے علاوہ دیگر طہارت کافی نہیں، (دوسرا یہ) احتمال ہے کہ (یہ حکم) اختیاری پاکیزگی اور نظافت کے طور پر ہو،

۸۴۲۔ ہم کو خبر دی مالک نے زہری سے بروایت سالم فرمایا: جمعہ کے دن (نماز کے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی صحابی (مسجد) میں ایسے وقت داخل ہوئے جبکہ حضرت عمر بن خطابؓ خطبہ فرما رہے تھے، حضرت عمرؓ نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا: (جمعہ کی نماز کے لئے آنے کا) یہ کون وقت ہو؟ انھوں نے عرض کیا: یا امیر المؤمنین! میں بازار سے واپس آیا تو (اسی وقت) میرے کان میں اذان کی آواز آئی، چنانچہ میں صرف وضو ہی کر سکا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، صرف وضو ہی پر کفایت بھی، (یہ ایک دوسرا جرم ہو) کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کرنے کا حکم دیا تھا؟

۸۴۳۔ ہم کو ایک ثقہ راوی نے خبر دی بواسطہ معمر، زہری، سالم، بروایت ان کے والد کے، مضمون سابق حدیث کے مثل ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ یہاں داخل ہونے والے صحابی کا نام (عثمان بن عفان) لیا گیا ہے،

۸۴۴۔ شافعیؒ نے فرمایا: جب کہ حضرت عمرؓ کو یہ محفوظ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم فرمایا کرتے، اور یہ بھی علم تھا کہ حضرت عثمانؓ کو بھی حضورؐ کا حکم غسل معلوم ہے، پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے سامنے حضورؐ کے غسل کے حکم کا ذکر (بھی) کیا حضرت عثمانؓ سمجھ بھی گئے، پس اب کسی وہم کرنے والے کا یہ وہم کہ حضرت عثمانؓ غسل کے حکم کو بھول گئے تھے حضرت عمرؓ نے ان کو یاد کرایا (تسلیم بھی کیا جائے) لیکن اس کے

بادجوہ حضرت عثمانؓ نے غسل کی خاطر حجہ کی سناڑ کو نہ چھوڑا، اور حضرت عمرؓ نے بھی اُن کو غسل کے لئے واپس چلے جانے کا حکم نہ دیا، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں حضرات اس امر کے عالم تھے (حضورؐ کے غسل کا حکم) خستیا رسی طور پر تھا، نہ اس طور پر کہ غسل کے بغیر سناڑ ہی نہ ہوگی، کیونکہ حضرت عمرؓ (ایسے) نہ تھے کہ غسل کے حکم کو چھوڑ دیتے، اور نہ حضرت عثمانؓ ہی ایسے تھے، ہم کو یقین ہے کہ حضرت عثمانؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا حکم دیا تھا، اور یہ بھی کہ انھوں نے غسل نہیں کیا، اس کی صرف وہی وجہ ہو سکتی ہے کہ غسل کا حکم خستیا رسی پر مبنی ہو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا،

۸۴۵۔ شافعیؒ نے فرمایا: بصریوں نے روایت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن صرف وضو کیا کافی ہوگا، اور بہتر ہے، لیکن جس نے غسل کیا تو غسل کرنا افضل ہے۔

۸۴۶۔ ہم سے حدیث بیان کی سفیان نے بواسطہ یحییٰ، عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: لوگ اپنے کام بذاتِ خود انجام دیا کرتے تھے، پھر اسی حالت میں (سناڑ کیلئے) آجاتے، اس لئے اُن سے فرمایا گیا، کہ کاش وہ غسل کر لیا کریں۔

کسی حدیث کا یہ بتلانا کہ دوسری حدیث میں ممانعت فلاں معنی کی بنا پر ہے نہ فلاں کی بنا پر،

۸۴۷۔ مالک نے ہم سے حدیث بیان کی بواسطہ ابو الزناد اور محمد بن یحییٰ بن حبان، اعراب سے بروایت حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔“

۸۴۸۔ مالک نے ہم سے حدیث بیان کی نافع سے بروایت ابن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔“

۸۴۹۔ شافعیؒ نے فرمایا: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس بات پر کوئی دلیل ملتی کہ ایک شخص کے نکاح کا پیغام ہوتے ہوئے دوسرا شخص اپنا پیغام نہ بھیجے اس کی ممانعت فلاں معنی کی بنا پر ہے اور فلاں معنی کی وجہ سے نہیں، تو ظاہر اہل بیت اور پیغام

سے لے کر آخر تک دوسرے کا پیغام بھیجا حرام قرار پا جاتا، شافعیؒ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ (تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام پر شادی کا پیغام نہ بھیجے) احتمال رکھتا ہے کہ یہ حدیث میں کسی سوال کا جواب دینے کے لئے فرمایا گیا ہو، اور جن حضرات نے حدیث بیان کی ہے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا سبب معلوم نہ ہو سکا ہو، یا ان حضرات کو حدیث کے بعض حصہ میں شبہ ہو جس کی وجہ سے یہ حصہ روایت کرنے سے چھوڑ دیا ہو،

ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا ہو جس نے کہیں شادی کا پیغام بھیجا ہو، اور لڑکی نے اس شخص سے نکاح کئے جانے پر رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے نکاح کی اجازت دیدی ہو کہ اتنے میں کسی ایسے شخص نے پیغام بھیجا جو اس لڑکی کے نزدیک اَدَل سے بہتر تھا، اس بنا پر لڑکی نے اَدَل سے انکار کر دیا، جس کی وہ پہلے اجازت دے چکی تھی، لہذا ایسی حالت میں کسی عورت کو شادی کا پیغام دینے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہو، کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ جس کی طرف لڑکی نے رجوع کیا ہے وہ اپنے پیغام کو واپس لے لے، اور اس سے نکاح نہ کرے، جو لڑکی کے حق میں اور اس شخص کے حق میں جس نے پہلے نکاح کا پیغام بھیجا تھا فساد کا سبب ہو جائے،

اگر کہنے والا یہ کہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے شادی کے پیغام پر دوسرے کے پیغام کی ممانعت ایک معنی کی بنا پر فرمائی ہے نہ کہ دوسرے معنی کی بنا پر آپ صرف اسی مطلب کے کیوں قائل ہو گئے؟

تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دلیل موجود ہے،

اگر کہے کہ وہ دلیل کہاں ہے؟

کہا جائے گا، (یہ بھی لیجئے) انشاء اللہ ہم کو خبر دی مالک نے بواسطہ عبد اللہ بن یزید مولیٰ اسود بن سفیان، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، فاطمہ بنت قیس سے، اُن کے شوہر نے ان کو طلاق دیدی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ابن ام مکتومؓ کے مکان میں عدت پوری کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا: جب تم حلال ہو جاؤ تو مجھ کو اطلاع دینا، فاطمہ نے کہا جب میں حلال ہو گئی (عدت پوری کر چکی) تب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ مجھے معاویہ بن ابی سفیان اور ابوہبیم دونوں نے شادی کا پیغام دیا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن ابوجہم اپنی لاشی اپنے کاندھے سے نیچے نہیں اتارے، معاویہ تودہ تہی دست ہیں، ان کے پاس کچھ بھی مال نہیں، تم اسامہ ابن زید سے نکاح کر لو، چنانچہ میں نے ان سے نکاح کر لیا، اللہ تعالیٰ نے اس میں میرے لئے بہتری عطا فرمائی، حتیٰ کہ مجھ پر رشک کیا جانے لگا،

۸۵۶۔ شافعیؒ نے فرمایا ہم اسی کے قائل ہیں،

۸۵۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فاطمہ کو حضرت اُسامہ کی شادی کا پیغام دینا اس کے بارے میں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع دیدی تھی کہ معاویہؓ اور ابوجہمؓ پیغام دے چکے ہیں، یہ سنت دو امر پر دلالت کرتی ہے،

۸۵۸۔ اول یہ کہ یہ امر یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ ان دونوں صحابیوں میں سے ایک کا پیغام دوسرے کے بعد ہوگا، لیکن آپؐ نے فاطمہ کو یہ فرما کر منع نہیں فرمایا کہ ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ حق نہ تھا کہ ایک شخص کا پیغام ختم ہو کر بغیر اپنا پیغام بھیجتا، اور خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے پیغام کے موجود ہونے پر حضرت اسامہؓ کا پیغام دیدیا، اس سے ہم نے اس بات پر استدلال کیا کہ فاطمہؓ کسی کے متعلق رضامندی کا اظہار نہ کیا تھا، اگر وہ رضامندی کا اظہار کر دیتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس شخص سے نکاح کرنے کا حکم فرما دیتے، بلکہ فاطمہ کا حضورؐ کو پیغام دینے والوں کی خبر دینا ایسی حالت میں تھا کہ جس میں کسی کے متعلق رضامندی کا اظہار نہ کیا گیا ہو، اور غالباً فاطمہ کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لینا تھا، یہ نہیں ہو سکتا کہ ان میں سے کسی ایک کے متعلق رضامندی کا اظہار بھی کر دیتیں اور پھر مشورہ لیتیں۔

۸۵۹۔ دوم یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُسامہ کی شادی کا پیغام دیا تو پہلے ہمارے لئے اس امر کی دلیل ہوئی کہ جس حالت میں پیغام دینا ممنوع ہے وہ حالت اور جس حالت میں جائز ہو وہ حالت اور ہے، اور پیغام دینے کی جلت یا حرمت میں تفریق صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ عورت اپنے دلی کو نکاح کر دینے کی اجازت دیدے، یا بعد ہی اس شخص کو عورت اور دلی دونوں سے نکاح کر دینے کے مطالبہ کا حق حاصل ہو جائے گا، اور عورت جائز طریقہ پر اس کے نکاح میں پہنچے، لیکن اجازت سے قبل کی حالت کے تمام پہلو برابر ہوتے ہیں، عورت کے مائل ہونے یا نہ ہونے سے کوئی



فرق نہیں پیدا ہوتا، ولی کا نکاح کر دینا اسی وقت جائز ہوگا جب لڑکی اس کو اجازت دیدے،

۸۶۱۔ اگر قائل یہ کہے کہ لڑکی کے مائل ہونے کی حالت تو نہ مائل ہونے کی حالت سے مختلف ہو (جس سے تفریق ہونا چاہئے)؟

۸۶۲۔ اسی طرح اگر عورت کو پیغام دیا گیا، اور اس نے پیغام بھیجنے والے کو برا بھلا کہا اس سے بیزاری ظاہر کی، اس کے (کچھ عرصہ بعد) اُسی شخص نے پھر پیغام بھیجا، اس مرتبہ لڑکی نے برا بھلا نہ کہا، نہ میلان و رنجت کا اظہار کیا، تو یہ حالت اُس سابقہ حالت کے کہ جب اس نے برا بھلا کہا تھا مختلف ہوگی، اور اس حالت میں رضامندی سے قریب تر ہوگی، پھر عورت کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کیونکہ میلان سے قبل عورت کے بعض حالات تاویلی حیثیت سے دوسرے بعض کے مقابلہ میں میلان کی زیادتی کا قرینہ ہوتے ہیں،

۸۶۳۔ چنانچہ یہاں کوئی معنی کسی حال میں صحیح نہیں ہو سکتے، مگر اسی طریقہ پر جو میں نے بیان کر دیئے، یہ کہ شادی کے اس پیغام بھیجنے کو منع فرمایا ہے جو عورت کے ولی کو اجازت دینے کے بعد ہو، اور ولی کا امر ترویج جائز قرار پایا چکا ہو، لیکن ولی کے عمل کے جواز سے قبل تمام حالات برابر متصور ہوں گے، واللہ اعلم،

**ایسے حکم ممنوع کا بیان جس ممنوع ہو نیکی وضاحت اس پہلے حکم کے ذریعہ کی گئی ہو**

۸۶۴۔ ہم سے حدیث بیان کی مالک نے بواسطہ نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وخرید و فروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک کو (بیع کے فسخ کا) اُس وقت تک خستیا رہے جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں، مگر یہ کہ بیع میں کسی نے اپنے لئے خستیا رکھا ہو،

۸۶۵۔ ہم سے سفیان نے روایت کیا بواسطہ زہری سعید ابن مسیب، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے،

۸۶۶۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ایک حکم ہے جو بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”بائع اور مشتری جب تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہو جائیں

اُس وقت تک اُن کو اختیار ہے، اور یہ کہ آپؐ نے اپنے بھائی کی بیع کی گفتگو جاری نہ ہوئے دوسرے کو۔ بیع کی گفتگو سے منع فرما دیا، یہ مانعت اُس وقت ہے جب کہ ذرا شخص بیع کی گفتگو کر رہے ہوں، اور بیع ختم ہو کر اپنے مقام سے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں،

۸۶۶۔ اور اس (مانعت کی) وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں شخص متبايعان اس وقت ہوں گے جب وہ دونوں معابيع ختم کر چکے ہوں، لہذا جب وہ بیع ختم کر چکے تو اُن دونوں پر بیع لازم ہو جائے گی، (اس صورت میں) بائع کو کسی دوسرے شخص کی بیع سے خواہ اسی مال کی یا کسی دوسرے مال کی ہو، کوئی نقصان نہیں پہونچے گا، کیونکہ اس کے مال کی بیع ختم ہو چکی ہے، لیکن خیار والی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ایک شخص دوسرے سے دس دینار کا کپڑا خریدے، اسی عرصہ میں ایک تیسرا شخص آکر اسی طرح کا کپڑا نو دینار پر دینے کو تیار ہو جائے (اس حالت میں) زیادہ امکان اسی کا ہے کہ مشتری اپنے اختیار کی بنا پر بیع کو فسخ کر دے اور ممکن ہے کہ اس کے فسخ کرنے کے بعد مشتری اور دوسرے بائع کے درمیان بیع مکمل نہ ہو سکے، تو اس طرح دوسرا بائع مشتری اور بائع اول دونوں کے حق میں فساد کا باعث ہو گیا، یا (کم از کم) ایک کے حق میں،

۸۶۷۔ بس ایک شخص کی بیع پر بیع نہ کرنے کی مانعت کا سبب صرف ایک ہی ہے، اس کا علاوہ کوئی دوسری وجہ نہیں ہو سکتی،

۸۶۸۔ کیا آپؐ اس پر غور نہیں کرتے کہ ایک شخص دس دینار کو کپڑا فروخت کرے، اور مشتری کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے قبل ہی بیع لازم ہو جائے، پھر کوئی دوسرا شخص اس کپڑے سے بہتر کپڑا ایک دینار کو دینے پر تیار ہو تو اول بائع کو اس سے کوئی نقصان نہ پہونچے گا؟ کیونکہ اس کے حق میں تو (مشتری) پر دس دینار دینا لازم ہو چکا ہے اس کی بیع کے فسخ کا اس کو اختیار ہی نہ رہا،

۸۶۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا، آپؐ نے فرمایا: اُپنے بھائی کے سودے سودا نہ کر دو، اگر یہ حدیث ثابت (صحیح) ہو (کیونکہ) مجھے صحیح طریقہ سے محفوظ نہیں پہونچا تو اس حدیث کے بھی وہی معنی ہوں گے جو (لا یخطب احدکم علی خطبۃ اخيه حدیث کے معنی ہیں، یعنی جب بیع پر رضامندی کا اظہار کر کے اجازت دیدے کہ اُس مال

کو دیدیا جائے اور اس کو قبول کر لے، یہاں تک کہ اس کے بعد اگر فردخت کر دیا گیا تو بیح لازم ہو جائے گی،

۸۴۰۔ اگر قائل کہے کہ آپ کے اس قول پر کیا دلیل ہے؟

۸۴۱۔ تو (دیکھئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بذات خود) بیح من یزید (نیلام) کیا تھا، اور اس صورت میں ایک بھائی کے سودے پر سودا کرنا موجود ہوتا ہے، لیکن چونکہ بائع اول کے سودے پر راضی نہیں ہوتا، بلکہ زیادتی کا خواہشمند ہوتا ہے (اس لئے دوسرے کا سودا کرنا جائز ہوتا ہے)

ایسی شئی پر ممانعت کا حکم جو کسی دوسری شے کے بعض اوصاف میں  
مشابہ ہو اور بعض میں نہیں ہو،

۸۴۲۔ ہم سے مالک نے بیان کیا بروایت محمد بن یحییٰ ابن حبان، اعرج، حضرت ابوہریرہؓ

سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد آفتاب غروب ہونے تک اور فجر کی نماز کے بعد آفتاب کے طلوع ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے،

۸۴۳۔ ہم سے مالک نے روایت کیا بواسطہ نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص طلوع آفتاب و غروب آفتاب کے وقت نماز ادا کرنے کا ارادہ نہ کرے“

۸۴۴۔ ہم کو مالک نے خبر دی بروایت زید بن اسلم، عطاء بن یسار، عبد اللہ صنابی سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی ہوتا ہے، جب آفتاب بلند ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے، پھر جب آفتاب وسط آسمان پر پہنچتا ہے تو شیطان اس کا جوڑا بن جاتا ہے، اور جب زوال ہوتا ہے تب جدا ہو جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا“

۸۴۵۔ لہذا ان اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے منع فرمانا دو احتمال رکھتا ہے:

۸۴۶۔ ان دونوں میں سے عام معنی تو یہ ہیں کہ ہر قسم کی نماز واجب ہو یا وہ بھول کر چھوڑ

گنتی ہو، یا سونے کی وجہ سے رہ گنتی ہو، اور کسی دیگر اسباب سے انسان پر واجب ہوگی ہو، ان اوقات میں حرام قرار پا جائے، کسی شخص کے لئے یہ جائز نہ ہو کہ وہ ان اوقات میں نماز ادا کرے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کی نماز اس طرح نہ ہوگی جس طرح اس پر لازم تھی جس طرح کوئی شخص نماز کو اس کے وقت سے مقدم کر کے ادا کرے، تو وہ نماز اس کے لئے کافی نہیں ہوتی،

۸۷۷۔ دوسرا یہ احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ممانعت سے بعض نمازیں مراد لی ہوں، اور بعض نہ مراد لی ہوں،

۸۷۸۔ ہم نے دیکھا کہ نمازیں (باہم) دو طریقے پر فرق (بھی) پایا جاتا ہے، اول وہ نماز ہو جو انسان پر فرض ہے، کسی مسلمان پر اس کے وقت میں اس کا چھوڑنا جائز نہیں ہے، اگر ترک کیا تو اس پر اس کی قضا واجب ہوگی،

دوسری قسم نماز کی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے بطور نفل ادا کی جاتی ہے، اور اس نفل پڑھنے والے کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس کو نہ پڑھے اس پر کوئی قضا وغیرہ نہیں،

۸۷۹۔ پھر ہم نے یہ بھی غور کیا کہ جب سفر کی حالت ہو تو فرض و نوافل کے (احکام) میں فرق ہے، نوافل سفر میں سواری پر ادا کئے جاسکتے ہیں، لیکن فرض زمین پر ادا کرنا لازم ہے، اس کے بغیر ادا نہ ہوں گے، اور (پھر) نوافل میں (یہ بھی ہے) کہ سواری جس طرف متوجہ ہو ادا کئے جاسکتے ہیں،

۸۸۰۔ چنانچہ حالت قیام و سفر میں دونوں کے درمیان فرق ہوا، اور جو شخص قیام کی قضا رکھتا ہو وہ فرض نماز بیٹھ کر ادا نہیں کر سکتا، لیکن نوافل میں یہ جائز ہے،

۸۸۱۔ لہذا جب (یہاں) دو احتمال ہیں تو اہل علم کے لئے یہ درست نہیں کہ (احادیث کے عام معنی چھوڑ کر کسی خاص معنی پر محمول کر لیں، مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یا اُن علماء مسلمین کے اجماع سے کہ جو سنت کے خلاف کبھی جمع نہیں ہو سکتے، کوئی خصوصیت کی دلیل مل جائے،

۸۸۲۔ شافعیؒ نے فرمایا: اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر احادیث کا حال ہوگا کہ ان کو ظاہری عام معنی پر ہی محمول کیا جائے گا، جب تک کوئی دلیل نہ مل جائے جیسا کہ

میں نے بیان کیا، یا مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہاں باطن مراد ہے ظاہر نہیں، خاص مراد ہی عام نہیں، اُس وقت ان حضرات کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ معنی مراد لیں جس پر دیسل پائی گئی ہے، اور ہر دو صورتوں میں حدیث کی اطاعت کریں،

۸۸۲۔ ہم سے مالک نے روایت کیا بواسطہ زید بن اسلم، عطار بن یسار اور بُہر بن سعید اور اعرج، ان تینوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے صبح کی نماز کی ایک رکعت آفتاب طلوع ہونے سے قبل پالی اس نے صبح کی (پوری) نماز پالی، اور جس نے آفتاب غروب ہونے سے قبل عصر کی ایک رکعت حاصل کر لی اس نے عصر کی نماز ادا کر لی،

۸۸۳۔ شافعی نے فرمایا: یہاں علم یقینی کے ساتھ کہا جائے گا کہ طلوع آفتاب سے قبل ایک رکعت ادا کرنے والا اور غروب آفتاب سے قبل ایک رکعت ادا کر لینے والا، دونوں نے ایسے وقت میں نماز ادا کی ہے جو اپنے اندر حرمت کو جمع کئے ہوئے ہے، اور یہ اس لئے کہ اُن دونوں نے ایسے وقت میں نماز ادا کی ہے جو صبح کی نماز و عصر کی نماز کے بعد کا وقت ہے، جس میں نماز ادا کرنا ممنوع ہے، پھر آفتاب کا طلوع اور غروب بھی موجود ہے، اور ان چار اوقات میں نماز حرام ہے،

۸۸۴۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں (ایک ایک رکعت) پالینے والوں کو (پوری) نماز کا ادا کر لینے والا قرار دیا، تو اس سے ہم نے اس امر پر استدلال کیا کہ ان مذکورہ اوقات میں نوافل جو اختیاری نماز ہے اس کے ادا کرنے سے منع فرمایا گیا ہو، اس لئے کہ جن اوقات میں نماز ممنوع ہے ان میں (ایک رکعت کے پالینے) والے کو نماز کا پالینے والا قرار نہیں دیا جاسکتا،

۸۸۵۔ ہم سے مالک نے روایت کیا بواسطہ ابن شہاب، ابن مسیبؓ روایت کر کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز ادا کرنا بھول گیا ہو اس کو جس وقت یاد آئے اسی وقت قضا کر لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَرْقِمِ الصَّلَاةَ لَنْ كَرِي، میری یاد آنے پر نماز قائم کرو۔

۸۸۶۔ اور حضرت انس بن مالکؓ و عمران بن حصینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مضمون کو روایت کیا ہے جو سعید بن مسیبؓ سے روایت کیا گیا صرف اتنا اضافہ ہو کہ



ان کی روایت میں (بھولنے کے ساتھ) سو جانے کا ذکر بھی ہے،

۸۸۸۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (اس حدیث میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یاد آئے اُسی وقت ادا کر لینے کا حکم دیا اور اس کے لئے کتاب اللہ سے سند پیش کر دی، تمام اوقات میں سے کسی وقت کو مستثنیٰ نہیں فرمایا کہ فلاں فلاں اوقات میں ادا نہ کرے،

۸۸۹۔ ہم سے ابن عیینہ نے بروایت ابو الزبیر، عبد اللہ بن باباہ، حضرت جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنی عبد مناف تم میں سے جو کوئی شخص لوگوں پر امیر ہو جائے تو وہ کسی شخص کو کسی ساعت دن رات میں بیت اللہ کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے منع نہ کرے،

۸۹۰۔ ہم کو عبد الحمید نے خبر دی بواسطہ ابن جریج حضرت عطار رضی اللہ عنہ سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سابق معنی کی اور اتنا زیادہ بیان کیا، یا بنی عبد المطلب یا بنی عبد مناف اور اس کے بعد باقی حدیث روایت کی،

۸۹۱۔ شافعیؒ نے فرمایا: پس ابن جبر نے تو یہ خبر دی کہ بیت اللہ کا طواف اور اُس پر نماز ادا کرنا ہر ساعت میں مباح ہے جس وقت چاہے طواف کرنے والا طواف کرے اور نماز ادا کرنے والا نماز ادا کرے،

۸۹۲۔ یہ امر واضح کرتا ہے کہ جن اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے اُن میں اس نماز کا ادا کرنا ممنوع ہے جو اپنے اختیار پر مبنی ہو، یعنی (نوافل) لیکن جو نماز واجب ہو گئی ہو اس سے منع نہیں فرمایا، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (ان اوقات میں) مباح فرمایا ہے،

۸۹۳۔ اور عصر و صبح کے بعد تمام مسلمان اپنے جنازوں کی نماز جو واجب ہے ادا کرتے چلے آ رہے ہیں،

۸۹۴۔ اور ہمارے بعض اصحاب نے حضرت عمرؓ کی اس روایت کو اپنا مذہب بنایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے صبح کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا، اس کے بعد آفتاب کی طرف نظر کی تو اس وقت تک آفتاب طلوع نہ ہوا تھا، آپ وہاں سے سوار ہو کر جب مقام ذی طویلیٰ پہنچے، اس وقت آفتاب طلوع ہو چکا تھا، آپ نے اپنی سواری کو

بٹھایا، اور (یہاں) نماز ادا فرمائی، چنانچہ عصر و صبح کے طواف کے بعد آپ نے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا، اسی طرح جس طرح نوافل سے منع فرمایا،

۸۵۔ شافعیؒ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو طواف کے بعد نماز کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مباح تھا، اس لئے انھوں نے نماز کو چھوڑا کہ ان کو یہ حق دیا گیا تھا، نیز مقام ذمی طوبیٰ میں ان کو اپنی ضرورت کے لئے قیام کرنا تھا تو ان کو یہ سعادت تھی انشاء اللہ کہ وہاں وہ اس وقت نماز ادا کر لیں، چونکہ حضرت عمرؓ کو مانعت کی حدیث مجمل طور پر پہنچی تھی (اسی بناء پر) انھوں نے مدینہ میں عصر کی نماز کے بعد نماز ادا کرنے پر ابن مسکدر کے دُڑوے مانے تھے، وہ حدیث اُن تک نہ پہنچ سکی تھی جس میں مانعت کی وہ وجہ بیان کی گئی تھی جو ہم نے بیان کی، اس لئے اُن پر وہی لازم تھا جو عمل انھوں نے کیا،

۸۹۶۔ لیکن جو شخص اُس معنی کا بھی عالم ہو جو مانعت کا سبب ہو اور اس معنی کا بھی جواباحت کا سبب ہو، تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جو معنی اباحت کا سبب ہو اس معنی کے خلاف ہے جو ممنوع ہونے کا سبب ہے، جیسا کہ میں فتر بانی کے گوشت کے مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ کی روایت بیان کر کے یہ بتلا چکا ہوں کہ ان کو صرف قربانیوں کے گوشت تین دن کے بعد نہ کھانے کی حدیث پہنچی تھی، لیکن مانعت کا سبب معلوم نہ ہو سکا تھا،

۸۹۷۔ اگر قائل کہے کہ جو عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا بھی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی کیا،

۸۹۸۔ ہم کہیں گے کہ اس کا جواب بھی وہی ہو گا جو دوسری جگہ دے چکے ہیں،

۸۹۹۔ شافعیؒ نے کہا: اگر کہنے والا یہ کہے کہ جیسا کہ اُن دونوں حضرات نے کیا، کیا کوئی (ایسا شخص بھی ہے) جس نے ان حضرات کے خلاف کیا ہو؟

۹۰۰۔ کہا جائے گا، ہاں، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، اور حضرت عائشہؓ و حضرات حسن و حسینؓ

وغیرہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مانعت کا حکم سنا تھا، خصوصاً حضرت ابن عمرؓ نے،

۹۰۱۔ ہم سے ابن عیینہ نے روایت کیا عمر و ابن دینار سے کہا میں نے اور عطاء بن ابی بآح

نے دیکھا، کہ حضرت ابن عمرؓ نے صبح کی نماز کے بعد طواف کیا، اور آفتاب طلوع ہونے سے قبل طواف کی رکعتیں ادا فرمائیں،

- ۹۰۲۔ سفیان، عمار الدہنی، ابوشعبہ سے (مردی ہے) حضرت حسن و حسینؑ نے عصر کے بعد طواف کیا، اور (طواف کی) نماز ادا کی،
- ۹۰۳۔ مسلم اور عبد المجید دونوں نے ہم سے روایت کیا بواسطہ ابن جریج ابن ابی ملیک سے کہا میں نے ابن عباسؓ کو عصر کے بعد طواف کر کے نماز ادا کرتے دیکھا،
- ۹۰۴۔ شافعیؒ نے فرمایا: اس مقام پر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باہمی اختلاف ہم نے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ اس کا علم حاصل ہونے کے بعد یہ استدلال کیا جاسکے کہ ان حضرات کا اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موجود ہوتے ہوئے صرف اُسی علت کی بنا پر ہوا ہے (جو ہم نے بیان کی) کہ یا تو ان کو حدیث پہنچ نہ سکی، جس کی بنا پر اس کے مخالف قائل ہو گئے، یا ایسی تاویل کی جس کی سنت محتمل تھی اور اس کے مشابہ دیگر امور کی بنا پر کہ قائل نے اپنے لئے اس میں عذر کی گنجائش پائی،
- ۹۰۵۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سنت ثبوت کو پہنچ جائے تو اس پر اُسی طرح عمل کرنا لازم ہوگا، نہ اُس سے کسی شے کو قومی تصور کیا جائے گا، اور نہ کسی غیر کی وجہ سے سستی خستیا ر کی جائے گی، بلکہ لوگوں پر اس سنت کا اتباع فرض ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کے لئے کسی کے حق میں کوئی عذر جواز نہیں رکھا ہے،

—————

## ایک اور باب

۹۰۶۔ ہم سے مالک نے روایت کیا نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاہنہ سے منع فرمایا ہے، اور مزاہنہ یہ ہے کہ تازہ پھلوں کو خشک کھجور کے معادضہ میں اندازہ لگا کر فروخت کیا جائے، اور انگوروں کو کشمش کے عوض اسی طرح فروخت کیا جائے ناپ کے ذریعہ،

۹۰۷۔ ہم سے مالک نے روایت کیا بواسطہ عبد اللہ بن یزید مولیٰ اسود ابن سفیان، کہ ابو عیاش زید نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے نقل کر کے اُن سے بیان کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے خشک کھجور تازہ کے عوض خریدنے کے متعلق سوال کیا، نبی نے فرمایا کیا تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے، لوگوں نے عرض کیا، جی ہاں، پس حضور انورؐ نے اس (بیع) سے منع فرمادیا،

۹۰۸۔ ہم کو مالکؒ نے خبر دی بروایت نافع، عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ عویہ کو اجازت دی ہے کہ وہ درخت کے پھلوں کا اندازہ لگا کر فروخت کرے،

لہ عویا (عویہ) کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے، صاحبِ تمہایہ نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ جو شخص ضرورت مند ہو اور اس کی ملکیت میں کھجور کے درخت نہ ہوں تاکہ تازہ پھل سے استفادہ کر سکے، نہ اس کے پاس تازہ پھل خریدنے کے لئے مال ہو، بلکہ اس کے پاس چھواروں کا کچھ ذخیرہ ہو جو اس کی ضرورت سے فاضل ہو وہ کسی ایسے شخص سے جو درخت کا مالک ہے کہو کہ میرے چھواروں کے بدلہ میں آپ اپنے درخت کی تازہ کھجوروں کا اندازہ کر کے میرے ہاتھ فروخت کریں تاکہ اپنے عیال کو تازہ پھل بھی کھلا سکوں، اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے،

۹۰۹۔ ہم کو ابن یحییٰ نے خبر دی بروایت زہری، سالم، ابن عمر، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں رخصت مرحمت فرمادی ہے،

۹۱۰۔ شافعیؒ نے فرمایا: تازہ کجور کا خشک کجور کے عوض فروخت کرنا بحکم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ممنوع ہے، جس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ تازہ کجور

خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے کو چھوٹے کے

عوض برابر وزن یا کیل سے فروخت کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے خلاف سے منع فرمایا

ہے، لہذا جب تازہ کجور کے خشک ہونے کی کمی کے انجام پر بخور کیا جائے گا، تو کسی قیمت

بھی یہ خشک چھوٹے کے برابر نہ ہو سکے گی، اس لئے کہ وہ کمی جو خشک ہونے کے بعد

ہوگی نامعلوم شے ہے، لہذا اس میں ممنوع ہونے کی دو علتیں جمع ہو گئیں، اول تو

مکملی اشیا میں تفاضل کا پیدا ہو جانا، دوم بیع مزاہنہ کے معنی کا وجود، یعنی جس

کا تیل معلوم ہے اس کو ایسی شے کے عوض میں فروخت کرنا کہ جس کا ناپ معلوم ہی

نہیں، پتھر، دونوں مجنس ہیں، لہذا دو علتوں کی بنا پر ممنوع قرار پائی،

۹۱۱۔ اب جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عرایا کے چھوٹوں کے عوض

رخصت عطا فرمادی تو یہ رخصت بیع عرایا سے دیگر ممنوعہ بیوع کی طرف متجاوز نہ ہوگا

یا (یہ کہہ دیجئے کہ) بیع مزاہنہ و ترکجور کی خشک کے عوض بیع کی مانعت سے مقصود

یہی دونوں ہیں، عرایا سے اس مانعت کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا یہ وہ صورت

ہوئی کہ کلام کی عبارت عام ہو، اور اُس سے مراد خاص (افراد) ہوں،

کسی شے میں ایسی علت کا پایا جانا جسکی وجہ وہ دوسری شے کے مشابہ ہو،

۹۱۲۔ ہم سے حدیث بیان کی سعید بن سالم نے بروایت ابن جریج، عطاء، صفوان بن

موہب، عبداللہ بن محمد، عیسیٰ، حضرت حکیم ابن حزام سے فرمایا: مجھ سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم اناج کی خرید و فروخت کرتے

ہو کیا یہ صحیح ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں، یا رسول اللہ درست ہے، تب سوال اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اناج کو اس وقت تک فروخت نہ کرنا جب تک خرید

پورے پورے طور پر اُس پر قبضہ نہ کر لو،



۹۱۳۔ ہم سے سعید نے روایت کیا بواسطہ ابن جریج، عطاء، عبد اللہ بن عاصم، حضرت

حکیم بن حزامؓ سے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (دہی مضمون) سنا،

۹۱۴۔ ہم سے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا، ایوب بن ابی تمیمہ، یوسف بن ماہک، حضرت

حکیم بن حزامؓ سے فرمایا: مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شے کے فروخت کرنے سے منع فرمایا جو میرے پاس نہ ہو ۝

۹۱۵۔ یعنی ایسی شے کے فروخت کرنے سے جو تمھارے پاس موجود نہ ہو، اور اس کی

ضمان تم پر نہ پڑ سکتی ہو،

۹۱۶۔ ہم سے حدیث بیان کی ابن عیینہ نے بروایت ابن ابی نیح، عبد اللہ بن کثیر،

ابی المنہال، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب رسول اللہ صلی

علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو یہ لوگ خشک کہوڑوں میں بیج سلف کیا کرتے تھے،

ایک سال کے لئے، دو سال کے لئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص بیج سلف کرے تو ناپ اور وزن لے لے کر بیچ کر دے“

۹۱۷۔ شافعیؒ نے فرمایا، مجھے یاد ہوتا ہے کہ یہ بھی فرمایا، ”میعاد مقرر ہو“

۹۱۸۔ میرے علاوہ دوسرے محدث نے میری تصدیق کی کہ جو آپ نے کہا ہے حضورؐ

نے یہ بھی فرمایا تھا ”میعاد متعین ہو (مقرر ہو)“،

۹۱۹۔ شافعیؒ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی شے کی بیج سے منع فرمانا جو بائع کے

پاس نہ ہو، اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ وہ شے حاضر نہ ہو، یعنی اس کی بیج کے وقت

جس طرح بائع اس کو دیکھ رہا تھا اس طرح مشتری اس کو نہ دیکھ سکتا ہو، دوسرا

احتمال یہ ہے کہ (اس کے پاس نہ ہو) یعنی اس کا مالک بعینہ نہ ہو، لہذا ایسی شے کی نہ تو

ضمان بائع پر عائد ہو سکتی ہے نہ اُس کی ملک میں ہے، تاکہ بعینہ اس شے کا سپرد کرنا بائع

کے لازم کر دیا جائے، ان دونوں کے علاوہ دیگر احتمال اور بھی ہیں،

۹۲۰۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیج سلف کرنے والے کو یہ حکم دیا

کہ جب وہ بیج سلف کرے تو پیمانہ معین ہو، وزن معین ہو، میعاد معین ہو، تو یہ صورت

بھی ایسی شے کی بیج میں داخل ہے کہ جو انسان کے پاس حاضر نہیں ہوتی، نہ بیج کے

وقت اس کی ملکیت میں ہوتی ہے،

۹۲۱۔ لیکن چونکہ (ہر) صفت کے (بیان) کرنے کی وجہ سے مدت مقررہ آنے پر بائع اس کا ضامن ہو جاتا ہے کہ اس سے لی جاسکے، اس سے یہ استدلال ہوا کہ حضورؐ نے ایسی مخصوص ذات کے فروخت کرنے سے منع فرمایا جو بائع کی ملوکہ نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹۲۲۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ غائب شے کے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہو، خواہ وہ بائع کی ملکیت میں ہو یا نہ ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ شے ہلاک ہو جائے یا اس میں نقص واقع ہو جائے،

۹۲۳۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لہذا جو کلام سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہر عام وارد ہو، وہ اپنی ظاہری عموم پر ہی محمول کیا جائے گا، جب تک کہ خود سنت ثابتہ سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس عام الظاہر حکم سے اس کے بعض افراد مراد ہیں، اور دوسرے بعض افراد مراد نہیں ہیں، جیسا کہ میں نے اس سے قبل بیان کیا، اور جو بھی اس کے مثل ہو امر ہو، (وہاں بھی ایسا ہی طریقہ اختیار کیا جائے گا)،

۹۲۴۔ اور اہل علم پر یہ لازم ہے کہ دو حدیثوں کو اپنے اپنے حکم پر جاری رکھنے کی کوشش کرنا جب تک بھی اُن کو اپنے معانی پر جاری رکھنے کا کوئی راستہ نظر آئے، یہ عمل مناسب نہیں کہ دو حدیثوں کو مختلف تصور کر لیں، حالانکہ اُن میں اتفاق کے پہلو نکل آنے کا احتمال موجود ہے، اور یہ (ایک تو) اس صورت میں ہو سکتا ہے جب دونوں اپنی اپنی جگہ نافذ کر دینا ممکن ہو، (یا) اُس مقام پر کہ جہاں کسی طریقہ (تطبیق) سے موافقت کی صورت پیدا ہو سکتی ہو، بشرطیکہ ایک حدیث دوسری کے مقابلہ میں اعلیٰ درجہ نہ رکھتی ہو،

۹۲۵۔ جب تک دو حدیثوں کے اپنے اپنے معنی پر جاری رکھنے کی کوئی وجہ پیدا ہو سکتی ہو، اُس وقت تک دو حدیثوں کو اختلاف پر محمول نہ کیا جائے، اختلاف (کا قول) صرف اُس وقت اختیار جائے گا جبکہ ایک حدیث کو ساقط کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، مثلاً یہ کہ ایک حدیث ایک شے کی حرمت کا حکم دیتی ہے، اور دوسری حدیث اُسی شے کی حلت کا،

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے منع کرنے کی کیفیت !

۹۲۶۔ قائل نے کہا: پہلے اللہ تعالیٰ کی مانعت بحکم عام پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مانعت

- ۹۔ بحکم عام جس سے (عام) کا کوئی فرد نہ چھوڑا گیا ہو، کچھ کیفیت بیان فرمادیں؟
- ۹۔ میں نے اس سے کہا: اللہ تعالیٰ کی ہنسی (مانعت) کے دو معنی ہو سکتے ہیں،
- ۹۔ ایک یہ کہ جس شے سے منع فرمایا گیا ہے وہ حکم بطور حرام کر دینے کے دیا گیا ہو،
- اس میں حلت نہیں آسکے گی، مگر یہ کہ خود کتاب اللہ (اس کو حلال قرار دے کر) اس کے حلال ہونے کی وجہ بیان کرے یا اپنے نبی کی زبان سے بیان کرے،
- ۲۔ چنانچہ اس قسم کی شے سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیں تو یہ حکم اس شے کو حرام کر دے گا، سوائے تحریم کے اور کوئی صورت ممکن نہ ہوگی، مگر یہ کہ حلال ہونے کی کوئی وجہ بیان فرمائی ہو، جیسا کہ میں نے بیان کیا،
- ۹۔ اُس نے کہا: جس معنی کے بیان کرنے کی آپ نے ابتداء کی ہے، اس کے حکم ہنسی کی ایک مثال دے کر مجھے سمجھا دیں؟
- ۹۔ شافعی فرماتے ہیں: میں نے قائل سے کہا تمام عورتوں کی شرمگاہیں حرام کر دی گئی ہیں، مگر یہ کہ دو معنی میں سے کوئی ایک موجود ہو، نکاح اور عورت کے مالک ہو جانے کی بنا پر صحبت کر لینا، یہ دونوں وجہ وہ ہیں کہ جن کے موجود ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے اُس نکاح کی کیفیت بیان فرمادی ہے، جس کے ذریعہ حرام شرمگاہ حلال ہو جاتی ہے، چنانچہ اس (عقد) میں دلی کا ہونا، گواہوں کا وجود، منکوحہ ثیبہ کی رضامندی کو مقرر فرمایا ہے، اور آپ کی سنت سے عورت کی رضامندی کا شرط ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کرنے والے کی رضامندی بھی ہو، دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے،
- ۹۔ لہذا جب نکاح میں یہ چار امر جمع ہو جائیں: ثیبہ (جو کنواری نہ ہو) کی رضامندی، شوہر کی رضامندی، اور یہ کہ عورت کا ولی گواہوں کی موجودگی میں اُس کا نکاح کرے یہ نکاح حلال ہوگا، علاوہ اُن حالات کے جن کا میں انشاء اللہ آئندہ ذکر کر دوں گا،
- ۹۲۔ (لیکن) اگر ان میں سے ایک بھی نکاح میں نہ پایا گیا تو نکاح فاسد ہوگا، کیوں کہ اس کو اُس طریقے پر انجام نہیں دیا گیا، جس طریقے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نکاح کو حلت کا ذریعہ مقرر کر دیا تھا،
- ۹۲۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر کر دیا جائے تو میرے نزدیک بہتر ہوگا، لیکن نکاح

کے وقت مہر مقرر نہ کرنے سے نکاح فاسد نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جہاں نکاح کا حکم دیا ہے وہاں مہر کا کوئی ذکر نہیں ہے، یہ مسئلہ اس مقام کے علاوہ دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے،

۹۳۵۔ اس موقع پر شریف النسب و غیر شریف النسب عورت حکم میں برابر ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک (مذکورہ علت کے تحت) حلال و حرام ہوتی ہے، اور ہر ایک کے حقوق و ہر ایک پر حقوق برابر عائد ہوتے ہیں، یعنی حلال و حرام حدود وغیرہ میں (دونوں برابر ہیں)،

۹۳۶۔ اور وہ حالات جن میں نکاح کا عمل کرنے کے بعد نکاح حلال ہوتا ہے، ان صورتوں میں واقع ہوتا جن میں نکاح کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی ہے، لیکن اگر ممنوعہ صورتوں کے ساتھ نکاح کیا گیا وہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسولؐ کی زبانی ان صورتوں میں نکاح کرنے سے منع فرما دیا ہے، لہذا اگر ان کو فسخ کرنا پڑے گا،

۹۳۷۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کی ہمشیرہ سے نکاح کر لے، اور یہ کہ پانچویں عورت سے نکاح کر لے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صرف چار عورتوں پر فرمادی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عورتوں پر انتہاء کرنے کو بیان فرمایا ہوگا اس سے زیادہ تعداد کو ممنوع قرار دیا، یا یہ کہ بھوپہ یا خالہ کے نکاح میں ہوئے ہوں اس کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کیا جائے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، یا یہ کہ عورت کے عدت میں ہوتے ہوئے اس سے نکاح کیا جائے (یہ تمام وہ حالات ہیں جن میں نکاح جائز نہیں)

۹۳۸۔ لہذا ان میں سے جس طریقہ پر بھی نکاح ہوگا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ ایسے عقد سے منع فرمایا گیا ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے متعلق اہل علم میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے،

۹۳۹۔ اس کے مانند یہ صورت بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار اور متعہ اور حالت احرام میں نکاح کرنے سے منع فرما دیا ہے،

۹۴۰۔ چنانچہ ہم ان تمام ممنوعہ حالات میں نکاح کو فسخ کر دیں گے، جیسا کہ مذکور ہے

نکاحوں کو فسخ کریں گے،

۹۴۱۔ ہمارے علاوہ دیگر علماء نے اس معاملے میں ہماری مخالفت کی ہے جس کو ہم نے اس مقام کے علاوہ دوسرے مقام پر بیان کیا ہے،

۹۴۲۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا جبکہ کسی عورت کا نکاح اس کے بغیر اجازت کر دیا جاتے، یہ نکاح جائز نہ ہوگا، کیونکہ ممنوع طریقہ پر منعقد کیا گیا،

۹۴۳۔ اسی طرح دھوکہ دہی کی بیع اور ترکہ جو رکون خشک کے بالعوض فروخت کرنا علاوہ بیع عرایہ کے اور دیگر وہ بیوع جن کی مانعت کر دی گئی ہے،

۹۴۴۔ اس کا سبب یہ ہو کہ ہر ایک مسلمان کا مال دوسرے پر حرام ہے، مگر یہ کہ وہ طریقہ نہایت تیار کرے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بیوع سے منع فرمایا ہے وہ حلال ہو جائیں، جبکہ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے اپنے بھائی کے مال پر (دست اندازی) قرار پا کر حرام ہوں اور نہ بیع ممنوعہ کی معصیت کسی حرام کو حلال کر سکتی ہے، حلال صرف اس وقت ہوگی جس وقت کہ معصیت کے ساتھ انجام نہ دی جائے، یہ ایک ایسی بات ہے جس کو عام اہل علم بخوبی سمجھتے ہیں،

۹۴۵۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو ممنوعات آپ نے پہلے بیان کئے ہیں اُن کے مقابلے میں وہ صورت کو نسی ہے کہ کسی شخص کے لئے مباح شے کو ممنوع قرار دیا گیا ہو اور ما سبق اور یہ دونوں (حکم میں ایک دوسرے سے مخالف ہوں)

۹۴۶۔ انشاء اللہ تعالیٰ (یہ صورت بھی پیش کرتا ہوں) مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو ہشتالہ صمار سے (یعنی اس طرح چادر لیٹ لینا کہ جس سے انسان کی شرمگاہ پوشیدہ نہ ہو سکے) منع فرمایا ہے، اسی طرح اُکڑوں بیٹھ کر گھٹنوں پر چادر یا کپڑا استعمال کرنے سے نیچے کا حصہ شرمگاہ کا پوشیدہ نہ ہو سکے منع فرمایا ہے، اور ایک جوان کو آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ اپنے سامنے سے کھائے، اور اس سے منع فرمایا کہ وہ پیالے (طشتری) کے وسط میں ہاتھ ڈالے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، اگرچہ سابقہ روایت کے مقابلے میں یہ روایت مثبت نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو یکدم دو کجوریں ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے، اور



یہ کہ بکجور کے درمیان کا حصہ بچھا کر دیکھے (کہ کیسی ہے) اس سے اور اس امر سے کہ انسان وسط راستے میں قیام کر کے رات بسر کرے،

۹۴۷۔ لباس پہننے والے کے لئے لباس مباح ہے، کھانے والے کے لئے طعام مباح ہو، خواہ وہ پورا کھا جائے، زمین جب اللہ کی ہو (کسی کی خاص ملکیت نہ ہو) آدمی کے لئے مباح ہے، کیونکہ اس کے استعمال میں تمام انسان برابر کے شریک ہوتے ہیں، چنانچہ یہ وہ صورتیں ہیں کہ ان میں بعض امور کے کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، اور ان ہی میں کرنے کی اجازت بھی دی گئی ہے، مگر دوسرے طریقے پر،

۹۴۸۔ چنانچہ اشتمال الصمار و احتیاء مذکور سے منع فرمایا گیا ہے، جو کہ اس کی ستر کا ذریعہ نہ ہو، کیونکہ اس میں کشفِ ستر ہوتا ہے، اس سے کہا گیا ہے کہ اپنی ستر کو چھپائے، لہذا شرمگاہ کے کشف کی مانعت کے یہ معنی نہیں کہ اس پر کپڑے کا استعمال حرام کر دیا گیا ہو، بلکہ اس کو حکم ہے کہ لباس اس طرح استعمال کرے کہ ستر عورت کا ذریعہ ہو سکے،

۹۴۹۔ اور آپ کا یہ حکم دینا کہ طشتری کے وسط سے نہ کھائے اپنے سامنے سے کھائے، حالانکہ اس کے لئے مباح تھا کہ جہاں سے چاہے جتنا کھائے، لیکن یہاں اس کو تعلیم ادب ہے، کہ اپنے سامنے سے کھانا چاہئے، کیونکہ جو دوسرے لوگ اس کے ہمراہ شرمگاہ طعام ہیں ان کی نظر میں یہ فعل بہتر متصور ہوگا، کھانے کی بدسلوکی و حرص سے اس کو دور رکھے گا، اور اس کو یہ حکم دیا کہ برتن کے وسط سے نہ کھائے، اس کی بہتری کے لئے کیونکہ برکت ہمیشہ وسط میں نازل فرمائی جاتی ہے، حالانکہ اس کے لئے یہ مباح تھا کہ جس طرح وہ کناروں سے کھا سکتا ہو، اسی طرح وہ درمیان سے بھی کھا سکتا ہے،

۹۵۰۔ اور شارع عام کے وسط سے گزرنا انسان کے لئے مباح ہے، اس لئے کہ اس عام راستہ کا کوئی مالک نہیں ہوتا، جس کے منع کرنے سے اس راستہ پر چلنا ممنوع ہو جائے اور جب یہ فعل مباح ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کی مانعت ایک مقصد کے پیش نظر ہے جو اس شخص کے حق میں بہتری کا سبب ہو، کیونکہ حضور نے فرمایا ہے: ”یہ راستہ موزوں جانوروں اور سانپوں کے پناہ لینے کی جگہ ہے“ لہذا یہ صرف انسان کے فائدے کے پیش نظر ہے، یہ نہیں کہ شب میں قیام کر لینا (بذاتہ) حرام کیا گیا ہو، البتہ بعض مواقع پر جیسے کہ راستہ تنگ ہو یہ امر ممنوع ہوگا، کیونکہ ایسی صورت میں جب راستے میں شرب کے

اندر قیام کرے گا تو دوسروں کو راستہ گزرنے سے مانع آجائے گا،

۹۵۱۔ اگر کہنے والا یہ کہو کہ اول مانعت میں اور اس میں (حکماً) کیا فرق ہوا؟

۹۵۲۔ اس شخص سے کہا جائے گا کہ جس شخص پر یہ حجت قائم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان مذکورہ امور سے جن کو ہم نے پہلے بیان کیا ہو منع فرمایا ہے تو جو شخص

اس مانعت کو جان بوجھ کر اس فعل کا ارتکاب کرے گا وہ نافرمان سمجھا جائے گا، اس کو

چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، اور آئندہ وہ فعل نہ کرے،

۹۵۳۔ اگر کہے کہ یہ شخص بھی نافرمان ہے، اور آپ نے کتاب میں اس سے قبل نکاح

اور بیع (ممنوع) کے مرتکب کو بھی عاصی مانا ہے، تو پھر آپ نے ان دونوں میں کیا فرق کیا؟

۹۵۴۔ میں نے کہا، معصیت کے (حکم) میں دونوں مقاموں پر میں نے کوئی فرق نہیں کیا،

اس لئے کہ میں دونوں صورتوں میں (مرتکب) کو عاصی کہتا ہوں، البتہ بعض معاصی دوسرے

بعض کے مقابلے میں بڑے ہوتے ہیں (اور دوسرے چھوٹے متصور ہوتے ہیں)،

۹۵۵۔ اگر قائل کہے کہ: پھر آپ جس طرح اول مسائل میں معصیت کی بناء پر نکاح اور بیع

کو حرام قرار دیتے ہیں ان مسائل میں لباس پہننا، کھانا اور زین پر سے گزرنے کیوں حرام

قرار نہیں دیتے؟

۹۵۶۔ کہا جائے گا: ان مسائل میں اُس شخص کو مباح و حلال شے میں حکم دیا گیا ہے، لہذا جو

صورت اُس کے لئے حلال ہے اس کو میں حلال کہوں گا، اور جو حرام ہے اس کو میں حرام

قرار دوں گا، اور حرام کی صورت حلال کی صورت سے مختلف ہے، اور ظاہر ہے کہ

مباح شے میں معصیت (کے طریقے کو ختم یا کرنے سے) یہ لازم نہیں آتا کہ ہر حالت

میں وہ مباح حرام ہو جائے، بلکہ صرف معصیت کے طریقے پر انجام دینا حرام ہے،

۹۵۷۔ اگر کہا جائے کہ: اس کی مانند کوئی اور مسئلہ بھی ہے؟

۹۵۸۔ اس قائل سے کہا جائے گا: ایک شخص کے پاس بیوی ہے، اور اس کے پاس باندی

بھی، اُس شخص کو ان دونوں سے حیض و صوم کی حالت میں صحبت کرنے سے منع کر دیا

گیا ہے، اگر اُس نے صحبت کی تو یہ صحبت اس حالت میں اس کے لئے حلال نہیں ہوگی

لیکن اُن حالات کے علاوہ دیگر اوقات میں حرام نہیں، اس لئے کہ وہ دونوں اصل

کے اعتبار سے اس کے لئے حلال اور مباح ہیں،

- ۹۵۹۔ اور ایک شخص کا اپنا ذاتی مال ہو وہ مال دوسرے کے لئے حرام ہے، لایہ کہ اُس طریقے سے حاصل کرے جو اس کے حلال کرنے کے لئے شرعاً مقرر کیا گیا ہے، اور عورتوں کی شرمگاہیں حرام ہیں، مگر یہ کہ نکاح یا ملکیت کے ذریعہ حاصل کی جائیں، لہذا جب کوئی عقد نکاح یا بیع ممنوع طریقہ پر کی جائے گی وہ حرام کو حلال نہیں کرے گی، اگر حلت پیدا ہوگی تو اسی نکاح و عقد بیع سے جو حلت کا ذریعہ معتبر رکھے گئے ہیں، کسی حرام کو حرام طریقہ حلال نہیں کر سکتا، بلکہ حرام اپنی اصل پر حرام ہی رہے گا، حلال اسی وقت ہوگا کہ وہ طریقہ اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں، یا اپنے نبیؐ کی زبان سے، یا اجماع امت، یا اسی قسم کی حجت شرعی سے حلت کا مقرر فرمایا ہے،
- ۹۶۰۔ شافعیؒ نے فرمایا: اس سے قبل میں نے اُس نبی (ممانعت) کی مثال پیش کر دی ہو جس سے تحریم مراد نہیں ہوتی، لہذا اس کو بار بار ذکر کرنیکی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے عصمت و توفیق عطا فرمائے:

————— بنی بنی بنی بنی بنی بنی بنی —————

# بِالْعِلْمِ

۹۶۱- شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی شخص نے مجھ سے کہا: علم کیا چیز ہے؟ اور اس کے حصول میں لوگوں پر کیا واجب ہے؟

۹۶۲- میں نے اس سے کہا: علم کی دو قسمیں ہیں، عام علم جو انسان کو بالغ ہوتے ہی حاصل ہو جاتا ہے، بشرطیکہ فطری طور پر اس کی عقل پر اس کا جہل غالب نہ ہو،

۹۶۳- اس نے کہا: اس کی کیا مثال ہے؟

۹۶۴- میں نے کہا: مثلاً پانچ نمازوں کا (فرض ہونا) اور یہ کہ خدا کی طرف سے لوگوں پر رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہیں، اگر طاقت ہو تو حج بیت اللہ، اور اپنے مالوں سے زکوٰۃ دینا (فرض ہے) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر زنا، قتل، چوری، شراب نوشی حرام فرمادی ہے، اور اُن کے ہم معنی احکام وغیرہ، جن کا بندوں کو اس طرح مکلف کیا گیا ہو، کہ وہ اُن کو سمجھیں اُن پر عمل کریں، اپنے مال سے دیں، جو حرام کر دیئے گئے ہیں اُن سے پرہیز کریں،

۹۶۵- علم کی یہ قسم کتاب اللہ میں نصاً موجود ہو، اور عام اہل اسلام کو حاصل ہے، عوام بواسطہ عام بزرگوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے چلے آتے رہے ہیں، ان کے نقل کرنے میں یا فرض ہونے میں کسی وقت میں باہم لوگوں میں کوئی اختلاف نہ ہوا،

۹۶۶- اور یہ علم عام اس درجہ میں ہوتا۔ ہے کہ اس کی خبر میں نہ غلطی واقع ہو نہ اس میں تاویل جائز ہو، نہ باہم جھگڑا واقع ہو،

۹۶۷- اس نے کہا: علم کی دوسری قسم کو بیان فرمائیے؟

۹۶۸۔ میں نے کہا: وہ علم ہے جو فرائض کے فروعات، اور ان کے جو مخصوص احکام ہوتے ہیں جن کے سلسلہ میں کتاب اللہ کی کوئی نص موجود نظر نہیں آتی، اور ان کے اکثر حصہ میں سنت سے کوئی روشنی پڑتی ہے اگرچہ قلیل حصے کے متعلق سنت مروی ہوتی ہے تو وہ بھی مخصوص حضرات کی روایات سے ہوتی ہے عانتہ الناس کے ذریعہ نہیں، اور یہ وہ قسم ہے کہ جن میں تاویل اور قیاس کو راستہ ملتا ہے،

۹۶۹۔ قائل نے کہا: کیا یہ قسم اول کی طرح لوگوں پر واجب ہے؟ یا یہ کہ اس قسم کا حاصل کرنا تمام لوگوں سے معاف ہے، بلکہ ان کے حق میں اس کا حاصل کرنا نفل کا درجہ رکھتا ہے؟ یعنی اگر کوئی شخص اس کو حاصل نہ کرے تو گنہگار نہ ہو؟ یا اس کے علاوہ کوئی تیسری صورت ہے، خبر یا قیاس کے ذریعہ، ہم کو مطلع فرمائیں؟

۹۷۰۔ میں نے اس سے کہا: نہیں، بلکہ اس کی ایک تیسری صورت ہے،

۹۷۱۔ اس نے کہا تو پھر بیان فرمائیے کہ اس کے حصول میں کیا لازم ہے؟ اور کس پر لازم ہے؟ اور کس سے ساقط ہے؟

۹۷۲۔ میں نے کہا: یہ درجہ علم کا وہ ہے کہ عام لوگ اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتے، اور تمام خواص کو بھی اس کا مکلف نہیں کیا گیا ہے، اور جو خاص لوگ اس تک پہنچ سکتے ہیں ان تمام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس میں کوتاہی اختیار کریں، ان خواص میں سے اس درجہ کے علم کو اگر اتنے افراد حاصل کر لیں جو دین کے لئے کفایت کر سکیں تو ان کے باقی افراد انشاء اللہ تعالیٰ کسی نقصان میں نہ پڑیں گے، البتہ تارک کے مقابلہ میں فضیلت اسی شخص کو حاصل ہوگی جو حاصل کرے گا،

۹۷۳۔ قائل نے کہا: اس کے متعلق کوئی حدیث یا اور دوسری کوئی شے جو اس کی مثل ہو بیان فرمائیں تاکہ اس پر اس کو قیاس کیا جاسکے؟

۹۷۴۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب میں نیز اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جہاد فرض کر دیا ہے، پھر جہاد کے لئے بھگنے کی تاکید فرمائی، ارشاد فرمایا:   
 اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهُمْ الْجَنَّةَ، يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ   
 ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں



لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے، توبہ ریت میں (بھی) اور انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی) اور یہ مسلم ہے کہ اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کر نیو والا ہے، تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے اللہ تم سے معاملہ ٹھہرایا جو خوشی مناد اور یہ بڑی کامیابی ہے « (تھانوی)

فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ،  
وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ  
وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْآنِ، وَمَنْ  
أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ، فَاسْتَبْشِرُوا  
بِبَيْعِهِمُ الَّذِي بَايَعْتُمُ  
بِهِ، وَذَلِكَ هُوَ الْعَقْدُ  
الْعَظِيمُ (سورۃ توبہ: ۱۱۱)

۹۶۔ اور فرمایا:

”اور ان مشرکین سے سب لڑنا، جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں، اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے « (تھانوی)

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا  
يُقَاتِلُوا نَكْمًا كَافَّةً، وَاعْلَمُوا  
أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ، (سورۃ توبہ: ۳۹)

۹۷۔ اور فرمایا:

”اُن مشرکین کو جہاں چاہو مارو، پکڑو، باندھو، اور داؤ گھات کے موقعوں پر اُن کی تاک میں بیٹھو پھر اگر کفر توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں « (تھانوی)

أُتِلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ  
وَجَدْتُمُوهُمْ وَاحْصِرُواهُمْ  
وَأَعِدُّوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ فَإِنْ  
تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا  
الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ  
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

(سورۃ توبہ: ۵)

۹۸۔ اور فرمایا:

”اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر، اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہو، اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، اُن سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ  
مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ  
دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ

عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ، رَحِيتُ بِنِ كَرْجِيهِ دُنْيَا مَنْظُورِ كَرْلِيں " (تھاؤنی)

(سورۃ التوبہ: ۲۹)

۹۷۸۔ ہم کو عبدالعزیز نے خبر دی بروایت محمد بن عمرو ابوسلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں، لیکن جب وہ یہ کلمہ کہہ لیں تو ان کے مال اور ان کے خون میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے، مگر جو کلمہ کے حق میں شامل ہوں، باقی حساب اُن کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ پر ہوگا، اور اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ الْفُرُؤُا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قُلْنَا إِلَى الْأَرْضِ مِنْ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ، فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا إِلَّا قَلِيلٌ، إِلَّا تَنْفَرُوا أَعَيْنَ بِكُمْ عَدَا أَابَا أَلَيْسَمَا، وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّكُمْ شَيْئًا، وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورۃ التوبہ: ۳۸، ۳۹)

۹۸۰۔ اور فرمایا ہے:

إِنْفَرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا أَيْمَانًا أَلَيْسَ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، (سورۃ التوبہ: ۴۱)

۹۸۱۔ پس ان آیات میں (ایک) احتمال تو یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کی طرح ہر اس شخص پر جو اس کی طاقت رکھتا ہے پورے طور پر مع اعلان کے جہاد فرض عین ہے

کوئی شخص جب تک وہ ہذا خود اس کو انجام نہ دے اس کی فرضیت سے خارج نہ سمجھا جائے  
ایک شخص کا ادا کرنا دوسرے کے حق میں انجام دینا متصور نہ ہو سکے، کیونکہ (فرض عین) میں  
ایک شخص کا عمل دوسرے کی جانب منسوب نہیں ہو سکتا،

۹۸۱۔ (دوسرا) احتمال یہ ہے کہ اس کی فرضیت نماز کی فرضیت کی طرح فرض عین نہ ہو بلکہ  
فرض کفایہ مقصود ہو، پس ایسی صورت میں جب اتنے مسلمان مشرکین کے مقابلہ کو  
کھڑے ہو جائیں، کہ ان کا قیام بالجہاد کفایت کرتا ہو تو مابقی اُن لوگوں سے جو جہاد کے  
لئے نہ کھڑے ہوئے یہ فرض ساقط ہو جائے اور جہاد میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے  
گنہگار نہ ہوں،

۹۸۲۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کے درجات میں فرق کیا ہے، یکسانیت نہیں  
رکھی ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

”برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھ  
رہیں، اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور  
جانوں سے جہاد کریں، اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا  
درجہ بہت زیادہ بنایا ہے، جو اپنے مالوں اور  
جانوں سے جہاد کرتے ہیں، بہ نسبت گھر میں بیٹھ  
رہنے والوں کے، اور سب اللہ تعالیٰ نے اچھے  
گھر کا وعدہ کر رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین  
کو بمقابلہ گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے اجر عظیم  
دیا ہے“ (تھانویؒ)

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِلُ وَنَاصِرٍ  
الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ  
وَالْمُجَاهِدُ وَنَافِي سَبِيلِ اللَّهِ  
يَا مَوَالِيَهُمْ وَأَنْفُسِهِمْ، فَضَّلَ  
اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ يَا مَوَالِيَهُمْ  
وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِلِينَ دَرَجَةً  
وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى، وَفَضَّلَ  
الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِلِينَ  
أَجْرًا عَظِيمًا، (سورة النساء: ۹۵)

بہر حال آیات مذکورہ کا ظاہر عام لوگوں پر جہاد کی فرضیت ظاہر کرتا ہے،

۹۸۳۔ قائل نے کہا: اس پر بھی دلیل بیان کیجئے کہ جب عوام میں سے بعض لوگ جہاد کو  
قائم کر لیں تو دیگر بعض سے گناہ ساقط ہو جائے گا؟ اس کی دلیل کہاں ہے؟

۹۸۵۔ میں نے اس سے کہا: اسی مذکورہ آیت میں (موجود ہے)،

۹۸۶۔ اس نے کہا: اس آیت میں کس مقام پر ہے؟

۹۸۷۔ میں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى، چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے جہاد سے بیٹھ رہنے والوں سے ان کے ایمان کی بہتری کا وعدہ فرمایا ہے، اور یہ بیان فرمایا کہ مجاہدین کو غیر مجاہدین پر درجہ میں فضیلت دی ہے، لہذا جو لوگ جہاد میں مشغول ہوتے اُن کے مقابلے میں جہاد سے بیٹھ رہنے والے لوگ ترک جہاد کی بنا پر گنہگار قرار دیئے جاتے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف معافی دی جا کر بہتری کے مستحق نہ ہوتے، بلکہ جرم کی سزا کے مستحق ہوتے (حالانکہ یہاں آیت میں اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کو اچھائی دینے کا اظہار فرمایا ہے،

۹۸۸۔ اس نے کہا اس دلیل کے علاوہ بھی آپ کے پاس دیگر دلیل ہے؛

۹۸۹۔ میں نے کہا ہاں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؛

”اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہئے کہ (جہاد کی واسطے) سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں  
مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ، وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ“  
اور تاکہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس واپس آویں ڈر دیں تاکہ وہ ان سے دین کی باتیں سن کر بُرے کاموں سے احتیاط رکھیں۔“ (تھاوئی)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فرمایا آپ کے ہمراہ آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے جہاد کیا، اور دوسری جماعت جہاد سے پیچھے رہی، حتیٰ کہ غزوہ تبوک میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے رہ پڑے تھے، اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دیدی ہے کہ تمام مسلمانوں پر (جہاد) کے لئے نکلنا فرض نہیں ہے، (فَلَوْ لَا نَفَرْنَا مِنْ كُلِّ ذِرْوَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ) اس میں اطلاع دی ہے کہ (جہاد کیلئے) نکلنا کچھ حصہ کے ذمہ پر ہے، اور کچھ حصہ کے ذمہ پر نہیں ہے، اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنا بعض کے ذمہ پر ہے بعض کے نہیں ہے،

۹۹۰۔ اسی پر دیگر عظیم فرائض کو قیاس کر لیجئے کہ اُن کی (ضرورت) سے جاہل رہنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے،

۹۹۱۔ یہی حکم ان تمام فرائض کفایہ کا ہے کہ جہاں ایک شخص دوسرے کا نائب ہو سکتا ہے

چنانچہ جب مسلمانوں کی اتنی تعداد انجام دیدے جو اُس فرض کی ادائیگی کو کفایت کر نیوالی ہو تو باقی رہے ہوئے لوگ گنہگار نہ ہوں گے،

۹۹۲۔ لیکن اگر اس فرض کے انجام دینے سے سب ہی کوتاہی کر گئے، کسی نے انجام نہ دیا تو میرا خیال ہو کہ گنہگار ہونے سے ایک شخص بھی نہ بچ سکے گا، بلکہ ان سب کے گنہگار ہونے میں مجھے کوئی شک ہی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (رَآلَا تَنْفِرُوا اَيْعَنَ بَلْكُمْ عَنَّا اَبَا اَرْيَمًا) (سورۃ التوبہ: ۳۹)

۹۹۳۔ قائل نے کہا: اس کا کیا مطلب ہے؟

۹۹۴۔ میں نے کہا: اس (آیت) میں اس امر پر دلالت ہے کہ تمام مسلمانوں کا جہاد سے پیچھے رہنا جائز نہیں، لیکن اگر اتنے بعض نکل کھڑے ہوں جو جہاد کے حق کو ادا کرنے کے لئے کافی ہوں تو نہ نکلنے والوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ بعض کے نکل کھڑے ہونے سے یہ کہا جاسکے گا کہ جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے،

۹۹۵۔ اس نے کہا: جہاد کے علاوہ کوئی دوسری مثال بھی ہو سکتی ہے؟

۹۹۶۔ میں نے کہا: یہ حلال نہیں ہے کہ جنازے کی نماز اور اس کی تدفین ترک کی جائے لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام ہی لوگ جو وہاں رہنے والے ہوں حاضر ہو جائیں چنانچہ جب اتنے لوگ انجام دیدیں گے جو اُس کے لئے کافی ہوں تو باقی لوگوں سے اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا،

۹۹۷۔ اسی طرح سلام کا جواب دینا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِحَيَّتِهِ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبٌ (سورۃ النساء: ۸۶)

اور تم کو جب کوئی (مشرع طریقہ) پر سلام کرے تو تم اس کے سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو، یا ویسے ہی الفاظ کہو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حساب لیں گے،

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”جو کھڑا ہو وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے“ اور فرمایا ہے ”جماعت میں سے کسی ایک نے بھی سلام کر لیا تو باقی لوگوں کو کفایت کرے گا“ اس سے آپ کی مراد سلام کا جواب دینا ہے، لہذا اٹھوڑے لوگوں کے جواب دینے کو بھی جواب دینا کہا جائے گا، اور اتنی مقدار کا جواب دینا کفایت کرے گا، جواب دینے کو مطلق



نہ سمجھا جائے گا،

۹۹۸۔ اور میرے علم کی حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سے لے کر اس وقت تک مسلمانوں کا وہی طریقہ رہا ہے جو میں نے بیان کیا، کہ بعض حصہ مسلمانوں کا دین کی سمجھ حاصل کرتا، بعض حصہ جنازے کی تجہیز و تکفین و صلوٰۃ میں شرکت کرتا، اور جہاد کرتا، اور سلام کا جواب بعض افراد دیتے، اور بعض پیچھے رہ جاتے، اور اُن کو گنہگار نہ تصور کیا جاتا، البتہ فضیلت اُن لوگوں کو ملتی جو علم دین کے حصول و جہاد و جنازے کا اپنا جواب سلام کا کام انجام دیتے :

—————

# باب

## خبر واحد کا بیان

۹۹۹۔ قائل نے مجھ سے کہا: خواص (اہل علم) کی احادیث جو اہل علم کے حق میں حجت ہو سکیں اُن کی تعریف فرمادیں تاکہ (سمجھنے میں آسانی ہو)،

۱۰۰۰۔ میں نے کہا: وہ حدیث جس کو ایک ایک راوی روایت کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یا اُس شخص تک جس نے آپ سے روایت کیا ہو، پہنچا دے، اس کو خبر واحد کہتے ہیں،

۱۰۰۱۔ اور یہ خواص کی حدیث اُس وقت قابل حجت ہوگی، جب اُس میں چند بشرط جمع ہوں،

۱۰۰۲۔ اُن میں سے ایک یہ ہو کہ جس شخص نے اس کو روایت کیا ہو دینداری میں ثقہ ہو، یہ

کہ اپنی روایت حدیث میں صدق کے ساتھ مشہور ہو، (یہ کہ) جس حدیث کو روایت کر رہا

ہو، اس کے (مطلب مقصود) کو سمجھتا ہو، (یہ کہ) حدیث کے الفاظ سے جو جو معانی سمجھ میں

آسکتے ہوں اُن کا عالم ہو، (یہ کہ) جن کلمات و حروف کے ساتھ حدیث سنی ہو، اُسی کے

مطابق اس کو ادا کر سکتا ہو، روایت بالمعنی نہ کرتا ہو، کیونکہ جب وہ حدیث کے معنی کو

اپنے الفاظ میں ادا کرے گا، اور جو جو معنی حدیث سے مراد ہو سکتے ہیں اس کا عالم نہ ہوگا

اس سے ممکن ہوگا کہ حلال کو حرام کی طرف لے جائے، لیکن جب حدیث کو اس کے حرف

کے ساتھ ادا کرے گا تو اس میں یہ خوف نہیں ہوگا کہ اس نے حدیث کو کسی دوسرے معنی

پر محمول کر لیا، (یہ کہ) اگر حدیث حفظ روایت کرتا ہے تو (مکمل) حافظ ہو، اور اگر کتاب سے

روایت کرتا ہے تو اس کتاب کا حافظ ہو، دیکھ، دیگر محدثین کی مرویہ احادیث سے اسکی حدیث موافق ہو (دیکھ) حدیث میں تدلیس نہ کرتا ہو، اس فعل سے بری ہو، اور اس سے کہ ایسے شخص سے روایت کرے جس سے صرف ملاقات ہوئی اور سماعت نہ حاصل کر سکا اس سے بھی (بری) ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت ثقہ راویوں نے کی ہے اس کی روایت کردہ حدیث اُن کے مخالف ہو،

۱۰۰۳۔ اور اپنے مافوق (اوپر) کے جس راوی سے اُس نے روایت کی ہے اسی صفت کے ساتھ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے کہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے یا اُس شخص تک جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، کیونکہ ان راویوں میں سے ہر ایک راوی (اپنے مافوق) کے لئے (مذکورہ صفات کا) مثبت ہے، لہذا ہر راوی میں وہ صفات ہونی چاہئیں جو میں نے بیان کئے ہیں،

۱۰۰۴۔ قائل نے کہا: اس سلسلہ میں میرے لئے وضاحت فرمادیں تاکہ میرے علم میں اضافہ ہو سکے، کیونکہ احادیث کے متعلق جو آپ نے بیان فرمایا ہے میری معلومات اس میں بہت کم ہیں،

۱۰۰۵۔ میں نے کہا: کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں کوئی ایسی شے بیان کروں جس پر اس مسئلہ کو آپ قیاس کر سکیں؟

۱۰۰۶۔ اس نے کہا: جی ہاں!

۱۰۰۷۔ میں نے کہا: احادیث (احتجاج میں) بذاتِ خود اصل ہیں اُن کو کسی دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قیاس تو اصل کی (نسبت سے) زیادہ ضعیف ہے،

۱۰۰۸۔ شافعیؒ نے فرمایا: قائل نے کہا، میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ اس کو قیاسی ٹکڑا بیان منسرا میں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ شہادت جس کی (تعریف) عام لوگ بھی جانتے ہیں اس کی نسبت سے کوئی مثال بیان فرمادیں؟

۱۰۰۹۔ میں نے کہا: بعض اشیاء میں شہادات (اقسام و شرائط) حدیث سے مختلف اور بعض امور میں متفق ہے،

۱۰۱۰۔ اس نے کہا: کون (مقامات) پر مختلف ہے؟

۱۰۱۱۔ میں نے کہا: حدیث کی (روایت) میں ایک مرد اور ایک عورت کی (فرداً فرداً)

روایت میں قبول کر لوں گا، لیکن شہادت کے موقع پر ان میں سے کسی ایک کی تہنہ شہاد قبول نہ کر دوں گا،

۱۰۱۱۔ اور حدیث میں (حدّثنی فلان عن فلان) ”مجھ سے فلان نے فلان کے واسطہ

سے حدیث بیان کی“ اس عبارت سے حدیث قبول کر لوں گا، جب (شاہد) یہ کہے (میں نے خود سنا) یا کہے (میں نے دیکھا) یا (فلان نے مجھے گواہ بنایا) ،

۱۰۱۲۔ اور احادیث مختلف ہوتی ہیں تو ان میں سے بعض کو میں کتاب اللہ یا دیگر سنت

یا اجماع یا قیاس کے استدلال سے قبول کر لیتا ہوں، لیکن شہادت میں یہ امر کسی حال میں نہیں لیا جاتا،

۱۰۱۳۔ پھر بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن سب کی شہادت مقبول ہوتی ہے،

لیکن احادیث میں ایسا نہیں ہوتا کہ اُن سب کی حدیث قبول کی جائے، اس وجہ سے کہ حدیث میں بعض معانی کے الفاظ میں بعض کی جگہ بعض کو لے آنا یا ازالہ کر دینا کثرت سے واقع ہو جاتا ہے،

۱۰۱۴۔ اب یہ شہادت بعض اشیاء میں مذکورہ امور کے علاوہ متفق بھی ہے،

۱۰۱۵۔ قائل نے کہا: آپ نے حدیث کے سلسلہ میں یہ فرمایا ہے کہ میں ثقہ، حافظ، معنی

حدیث کی تادیل کے عالم کی حدیث قبول کر لوں گا، یہ مجھے تسلیم ہے، لیکن شہادات میں آپ اس کے قائل کیوں نہیں؟

۱۰۱۶۔ میں نے کہا: حدیث کے معنی کو الٹ پلٹ کر نا بہت خفی شے ہے، بہ نسبت

معنی شہادت کے، اسی لئے میں نے حدیث میں شہادت کی نسبت سے زیادہ احتیاط اختیار کی ہے،

۱۰۱۷۔ قائل نے کہا: یہ بات ایسے ہی ہے جیسے آپ نے بیان کی، لیکن مجھے آپ کی

اس بات کا انکار ہے کہ ایک شخص سے ایک ثقہ راوی روایت کرے، اور یہ ثقہ ایک ایسے شخص سے روایت کرے جس کے ثقہ ہونے کو آپ نہیں جانتے، تو آپ

اس ثقہ راوی کی تقلید کو منع فرماتے ہیں، اور اس کے ساتھ حُسن ظن نہیں رکھتے، لہذا آپ اس کی حدیث کو یہ خیال کر کے کہ اس نے بھی ثقہ سے روایت کیا ہوگا، متروک

نہ قرار دیں خواہ آپ کو اس کے ثقہ ہونے کا علم نہ ہو؟

۱۰۱۔ میں نے کہا: آپ یہ بتلائیں کہ چار عادل فقیہ شخص یہ گواہی دیں کہ دو شاہدوں (رہائے سامنے) فلاں شخص کے حق کی فلاں شخص پر گواہی دی ہے، اور ان چاروں (ثقتہ) نے اُن دونوں شاہدوں کے عادل ہونے کے متعلق تم سے کچھ نہ کہا، کیا تم اس شہادت کے ذریعہ فیصلہ کر دو گے؟

۱۰۲۔ قائل نے کہا: جب تک میں اُن دونوں شاہدوں کی عدالت کا یقین حاصل نہ کر لوں گا، خواہ وہ اُن چار حضرات کے کہنے پر ہو یا اُن کے علاوہ کسی غیر شخص کی اظہارِ عدالت کے واسطے سے ہو، یا یہ کہ میرا ذاتی علم اُن کی عدالت کے متعلق موجود اس وقت تک فیصلہ نہ کروں گا،

۱۰۲۱۔ میں نے قائل سے کہا: جس معنی کا لحاظ کر کے آپ مجھے حدیث قبول کرنے کہہ رہے ہیں، آپ خود اس موقع پر اسی معنی کا لحاظ کر کے اُن دونوں کی شہادت قبول نہیں کر لیتے، یہ خیال کر کے کہ ان چار حضرات نے ان دونوں کو اپنی ذات سے زیادہ عادل سمجھ کر شہادت دی ہوگی؟

۱۰۲۲۔ اس نے کہا کبھی (ثقتہ) حضرات اپنے خیال میں عادل سمجھ کر شہادت دیتے ہیں اور کبھی عدل کے بغیر محض تعارف کی بنا پر، لہذا جب ان کی شہادت میں یہ (موجود ہے تو میرے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کے اظہارِ عدل کے بغیر، یا یہ کہ میں بذات ان کے عدل کو اور جن لوگوں نے میرے سامنے شہادت دی ہے ان کے عدل کو نہ جانتا اُن کی شہادت قبول کر لوں، (خلاصہ یہ کہ) میں ایسے شاہد کی تعدیل جو اپنے کسی غیر کے میں کر رہا ہوں اُس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک مجھے خود اس کی عدالت کا علم نہ ہو۔

۱۰۲۳۔ میں نے کہا: چنانچہ جو دلیل (عدم قبولِ شہادت میں) آپ نے بیان کی وہی (جانب سے) آپ پر حجت ہے، کہ آپ کسی صادق کی خبر کسی دوسرے کے متعلق اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک دوسرے کا صادق ہونا معلوم نہ ہو،

۱۰۲۴۔ اور لوگ شہادت علی الشہادت کے (مسئلہ میں) شاہد کی عدالت کی معرفت کی اتنی حفاظت نہیں کرتے جتنی کہ حدیث کی روایت کے سلسلہ میں حفاظت کرتے ہیں یعنی صرف اسی شخص کی حدیث قبول کرتے ہیں جس کی حدیث کی صحت کا علم ہو چکا ہو۔

۱۰۲۵۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کے وقت بہتری



علامات دیکھتا ہے، اور ان کی بناء پر حسن ظن قائم کر کے اس کی حدیث قبول کر لیتا ہے، حالانکہ اس قبول کرنے کے وقت اس کے (حقیقی) حالات سے واقف نہیں ہوتا، چنانچہ بیان کرتا ہے کہ ایک شخص نے جس کا فلاں نام ہے مجھ سے یہ حدیث بیان کی، یا تو اس بنا پر کہ اس کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس شخص نے کسی ثقہ راوی سے حدیث اخذ کر کے روایت کی ہوگی، یا اس بناء پر کہ اس کی حدیث کو منکر تصور کر کے تعجب کا اظہار کرے، یا اس وجہ سے کہ اس حدیث میں اس راوی کی غفلت کو ظاہر کرے،

۱۰۲۸۔ اور مجھے یاد نہیں آتا کہ میں نے کسی (محدث) سے کبھی ملاقات کی ہو، اور اس

کو ثقہ وغیر ثقہ ہر دو قسم کے راویوں سے روایت کرنے میں بری پایا ہو،

۱۰۲۹۔ لہذا میں نے اس وقت وہی (طریقہ) اختیار کیا جو مجھ پر واجب تھا،

۱۰۲۸۔ اور جس شخص نے مجھ سے حدیث بیان کی اس کی سچائی کی معرفت پر، میرا دلائل

طلب کرنا اس کے اوپر کے راوی کے مقابلہ میں زیادہ ضروری مسترار نہیں پاتا،

کیونکہ میں اُن تمام راویوں کے متعلق (صدق معلوم) کرنے میں اُتنا ہی محتاج ہوں

جتنا کہ اس کے متعلق جس سے میں نے ملاقات کی، اس لئے کہ اُن میں سے ہر ایک

ما فوق ماتحت راوی کے حق میں حدیث کا مثبت ہوا کرتا ہے،

۱۰۲۹۔ اس نے کہا: آپ جس شخص کو حدیث میں تدلیس کرنے والا نہیں سمجھتے، اس کی

حدیث قبول کر لیتے ہیں، وہ کہتا ہے (فلاں) سے (مروی) ہے، حالانکہ اس کا امر کا

ہے کہ اس نے جس سے روایت کیا ہے اس سے سماعت حاصل نہ کی ہو،

۱۰۳۰۔ میں نے قائل سے کہا: تمام عادل مسلمان اپنی ذات کے اعتبار سے عادل صحیح

الامر ہوا کرتے ہیں، اُن کی اپنی ذاتی حالت غیر کی نسبت سے مختلف ہے، کیا آپ

غور نہیں کرتے کہ جب مجھے اُن کے عادل ہونے کا علم ہو جائے تو میں اُن کی شہادت

قبول کروں گا، لیکن اگر وہ اپنے غیر کی شہادت کی بناء پر (کسی معاملے) میں شہادت

دیں تو جب تک اوّل شاہد کا حال معلوم نہ کروں اُن کی شہادت قبول نہ کروں گا

ان لوگوں کی عدالت کا علم اُن دوسروں کی عدالت کا سبب نہیں ہو سکتا،

۱۰۳۱۔ اور ان کا قول و تعین صفات اپنی ذات کے متعلق صحیح متصور ہوگا، الا یہ کہ اُن

کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جس سے اُن کے سابقہ قول و فعل و صفات کے

مخالفت استدلال کر سکتے ہیں، تو اب ہم اس موقع پر حسیا ط کریں گے، جہاں ان کا فعل اُس ذمہ داری سے جو اُن پر واجب تھی مخالفت واقع ہوا،

۱۰۳۲۔ ہمارے اپنے شہر کے محدثین و نیز سلف و دیگر وہ محدثین جن سے ہماری ملاقات ہوئی ان تمام حضرات میں ہم نے حدیث میں تدلیس کے فعل کو موجود نہ پایا، صرف ایک حدیث مدلس ہے، جس کو بعض محدثین نے ایسے شخص سے قبول کیا ہے کہ اگر وہ اس کو روایت نہ کرتا تو اس کے لئے بہتر ہوتا، لہ

۱۰۳۳۔ اور راوی کا یہ کہنا (سمعتُ فلاناً یقول سمعتُ فلاناً) اور یہ کہنا (حدثنی فلان عن فلان) محدثین کے نزدیک برابر درجہ رکھتے ہیں، اس طریقے سے محدثین اُسی وقت روایت کرتے تھے جب کہ اپنے شیخ سے ملاقات کے بعد حدیث کی عمت حاصل کی ہوئی ہوتی ہے، (چنانچہ) ایسے راوی سے (ان الفاظ سے مروی حدیث) حد ثنا فلان عن فلان ہم قبول کر لیتے،

۱۰۳۴۔ اور جس شخص کے متعلق ہم کو تدلیس کا علم ہو جاتا اس کی روایت میں اس کا عیب ظاہر ہو جاتا ہے،

۱۰۳۵۔ اور یہ عیب کذب بھی نہیں تصور کیا جاسکتا، تاہم اس کی حدیث کو رد کر دیں اور یہ بھی نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس نے سچائی کے ساتھ نصیحت کی ہوگی، تاکہ اس کی حدیث کو اہل نصیحت فی الصدق کے درجہ میں قبول کر لیں،

۱۰۳۶۔ لہذا ہم اس کے قائل ہو گئے کہ مدلس کی حدیث ہم اُس وقت تک قبول نہ کریں جس وقت تک وہ یہ عبارت استعمال نہ کرے (حدثنی) یا (سمعتُ)،

۱۰۳۷۔ قائل نے کہا: مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ جس کی روایت حدیث آپ قبول نہیں کرتے اس کی شہادت قبول کر لیتے ہیں؟

۱۰۳۸۔ میں نے کہا: مسلمانوں میں حدیث کا عظیم درجہ ہے، پھر ایک کھلی ہو (دلیل)

www.KitaboSunnat.com

لہ تدلیس یہ ہے کہ راوی اپنے ما فوق راوی سے غیر مسموعہ حدیث ایسے الفاظ سے روایت کرے جس سے سماع کو ما فوق راوی سے اُس حدیث کی سماع کا دم پیدا ہو جائے، حالانکہ سماع حاصل نہ ہو، مثلاً (حدثنی فلان عن فلان) یا (سمعت فلان یقول)،

اور بھی ہے،

۱۰۳۱۔ اس نے کہا: وہ کیا (دلیل ہے)؟

۱۰۳۲۔ میں نے کہا: کبھی حدیث کا کوئی لفظ چھوٹ جاتا ہے، جس سے حدیث کے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں، یا راوی کے معنی کے تبدیل کے قصد و ارادے کے بغیر اس کی زبانی سے اپنے شیخ کے لفظ کا غیر لفظ ادا ہو جاتا ہے، جس سے معنی متغیر ہو جاتے ہیں،

۱۰۳۳۔ لہذا جو راوی اس معنی سے جاہل ہوتے ہوئے اس حدیث کو روایت کر دے گا اس کی حدیث کو ہم قبول نہیں کریں گے، کیونکہ وہ حدیث کے (معنی) کو سمجھ گیا نہیں (خصوصاً) جب کہ ایسا شخص ہو کہ بغیر سمجھے ہوئے حدیث لے لیتا ہو، یہ اُن لوگوں میں سے ہو جو حدیث کو اس کے کلمات کے ساتھ ادا کر سکتے ہوں، بلکہ حدیث بالمعنی روایت کرنے کے درپے ہو، اور معنی سمجھ نہ سکتا ہو،

۱۰۳۴۔ اس نے کہا: کیا (آپ کے نزدیک) ایسا شخص عادل غیر مقبول الحدیث کہلائیگا؟

۱۰۳۵۔ میں نے کہا: ہاں، جب کسی شخص میں وہ امور موجود ہوتے جو میں نے بیان کئے ہیں تو وہ واضح طور پر تہمت کا محل ہو جائے گا، اور اس کی حدیث رد کر دی جائے گی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان غیر کے حق میں عادل ہوتا ہے، لیکن اپنی ذات کے لحاظ سے اور اپنے بعض اقرباء کے نزدیک مہتمم ہوتا ہے، اگرچہ اس کے خیال میں اس کا کسی بلندی سے گر پڑنا اس کو باطل شہادت سے آسان معلوم ہوتا ہے (جو اس کے درع پر دلالت کرتا ہے) لیکن جب تہمت کو اس میں دخل ہو جاتا ہے تو اس کی شہادت چھوڑ دی جاتی ہے، لہذا کسی شخص میں اس گمان کا پیدا ہو جانا کہ وہ حدیث اُس کے (اصلی) کلمات کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا، اور حدیث کا مفہوم نہیں سمجھتا، اس شاہد کی نسبت سے جو اپنی شہادت میں مہتمم ہونے کی وجہ سے۔۔۔ مردود الشہادت ہو چکا، زیادہ واضح عیب ہے،

۱۰۳۶۔ اور شاہدین جس معاملے میں شہادت دیتے ہیں اُن کے حق میں دیگر امور بھی

معتبر ہوتے ہیں، اگر مشہور و دل کے حق میں ہم ان کا واضح طور پر میلان پاتے ہیں، یا اس امر کی حفاظت کرتے ہوئے کہ قصداً (اس کے حق میں حد سے) تجاوز نہ کر جائیں، تو ان کی گواہی (اس کے حق میں) قبول نہیں کرتے، اور اگر وہ کسی ایسی شے میں گواہی

دیں کہ جس کا سمجھنا اُن کے فہم سے دور ہو اور وقتِ نظر کا محتاج ہو، تب بھی ہم اُن کی شہادت قبول نہ کریں گے، کیونکہ جس معاملہ میں انھوں نے شہادت دی اس کی حقیقت ہی نہ سمجھ سکے،

۱۰۴۵۔ اور محدثین میں سے جو شخص کثرت سے غلطیاں کرتا ہو (اس کی روایات کی) کوئی صحیح کتاب اصل نہ ہو، اس کی حدیث بھی قبول نہ کریں گے، جس طرح اُس شاہد کی جو شہادت میں کثرت سے غلطیاں کرتا ہو، شہادت ہم قبول نہیں کرتے،  
۱۰۴۶۔ اور اہل حدیث کے مختلف درجات ہیں،

۱۰۴۷۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ جن کی طلب حدیث و سارع حدیث، حدیث میں بحث و مباحثہ کرنے والے شیوخ کے ساتھ طویل ہمنشینی، اُن کے باپ چچا، دیگر رشتہ داران و احباب کی جانب سے مشہور چل آتی ہے، چنانچہ اس درجہ کارادی حفظ میں اُس راوی سے جو اس سے کم درجہ کا ہو مقدم ہوگا، اگر کم درجہ والے راوی کی حدیث اس کی حدیث کے مخالف ہوگی، تو (اول) روایت (ثانی) کے مقابلے میں قابل قبول ہوگی،

۱۰۴۸۔ اور اہل حدیث میں جب کہ چند افراد کسی ایک شیخ سے حدیث روایت کرنے میں مشترک ہوں، اس کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے کہ ان سے ہر ایک کی قوتِ حافظہ و کانداز کیا جائے، اس طرح کہ جو راوی اس شیخ سے روایت کرنے والے (مسلم) اہل حفظ ہیں ان کی روایت ان کے موافق ہے یا مخالف،

۱۰۴۹۔ اور اختلافِ حدیث کی صورت میں ہم (اسی طریقہ سے) محفوظ حدیث پر استدلال کر لیتے ہیں، اس کے علاوہ اور دوسری وجہ ہیں جو صدق و حفظ و غلط ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اس مقام کے علاوہ ان کو ہم نے دوسرے مقام پر بیان کیا ہو، وَاسْتَغْلِ اللَّهُ التَّوَفِيقَ،

۱۰۵۰۔ قائل نے کہا: خبر واحد کے قبول کرنے میں آپ کے پاس کیا دلیل ہے، حالانکہ ایک فرد کی گواہی آپ قبول نہیں کرتے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ آپ نے حدیث کے سلسلہ کو زیادہ تر امور میں شہادت پر قیاس کیا ہے، اور بعض امور میں اس سے مختلف تصور کیا ہے؟

۱۰۵۱۔ شافعیؒ فرماتے ہیں، میں نے قائل سے کہا، آپ پھر اُسی چیز کو لوٹنا چاہتے ہیں جو

کے متعلق میرا خیال تھا کہ آپ اس کے سمجھنے سے فارغ ہو چکے، حالانکہ میں نے اس شہاد پر قیاس نہیں کیا، آپ نے یہ خواہش کی تھی کہ میں کوئی ایسی مثال پیش کروں کہ آپ خود بھی اس کی معلومات رکھتے ہوں، اور وہ حدیث آپ کو بخوبی معلوم ہو، لہذا میں نے ایسی حدیث پیش کر کے بطور مثال واضح کر دیا، یہ بات نہیں کہ میں نے اس کو بیان کر کے حدیث کے معاملہ کو اس پر قیاس کیا ہو،

۱۰۱۔ خبر واحد اپنے ثبوت میں اس امر سے مستغنی ہے کہ کسی غیر کے ذریعہ اس کو ثابت کیا جائے، کیونکہ وہ بذاتِ خود اصل (حجت) ہے،

۱۰۲۔ اس نے کہا: حدیث کا بعض امور میں شہادت کی مثل ہونے اور بعض میں اس سے مختلف ہونے کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے؟

۱۰۳۔ میں نے قائل سے کہا: میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں کہ حدیث بعض امور میں شہادت سے مخالف ہے، اور اگر میں حدیث کو بعض امور میں شہادت کی مثل اور بعض میں اس کے خلاف کہوں تو اس کے لئے میرے پاس واضح دلیل موجود ہے انشاء اللہ تعالیٰ،

۱۰۴۔ اس نے کہا: یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ حالانکہ شہادت کا طریقہ (اور حدیث کا طریقہ) یکساں ہی ہے،

۱۰۵۔ میں نے کہا: آپ کا کیا مقصد ہے؟ کیا بعض امور میں شہادت کی مثل ہے اور بعض میں نہیں، یا یہ کہ تمام امور میں شہادت کی مثل ہے؟

۱۰۶۔ قائل نے کہا: تمام امور میں،

۱۰۷۔ میں نے کہا: زنا کے (مسئلہ) میں کم سے کم تعداد شاہدوں کی کیا ہوگی؟

۱۰۸۔ قائل نے کہا: چار افراد؛

۱۰۹۔ میں نے کہا: ان میں سے اگر ایک فرد کم ہو (یعنی صرف تین کی تعداد ہو) تو کیا آپ ان لوگوں کے کوڑے لگائیں گے؟

۱۱۰۔ اس نے کہا: جی ہاں؛ (اُن پر حدِ قذف جاری کی جائے گی)

۱۱۱۔ میں نے کہا: قتل اور کفر (اختیار کرنے میں)، اور ڈاکہ زنی جس میں قتل واقع ہوا ہو کتنے گواہ مقبول ہوں گے؟



۱-۶۳۔ قائل نے کہا: (صرف) دو گواہ،

۱-۶۴۔ میں نے کہا: مال کے (مقدمہ میں) کتنے قبول کر دو گے؟

۱-۶۵۔ اس نے کہا: ایک مرد اور دو عورتیں (بھی کافی ہوں گی)

۱-۶۶۔ میں نے کہا: عورتوں کے عیوب کے (ثابت کرنے) میں کتنے قبول کر دو گے؟

۱-۶۷۔ اس نے کہا: (صرف) ایک عورت کی شہادت!

۱-۶۸۔ میں نے کہا: (سابقہ تمام مسائل میں) دو شاہد اور ایک مرد شاہد اور دو عورتوں

کی تعداد پوری نہ ہوتی تو آپ شہودزنا کی طرح اُن پر تازیانے نہیں ماریں گے؟

۱-۶۹۔ اس نے کہا: ہاں (نہیں ماریں گے)،

۱-۷۰۔ میں نے کہا: کیا (شہادت کو) آپ نے (باہم) متفق پایا؟

۱-۷۱۔ اس نے کہا: ہاں! شہادت مقبول ہونے میں (متفق ہے) اگرچہ تعداد میں مختلف

ہے، اور اس امر میں کہ زنا کے شاہدوں کی تعداد کے کم ہونے پر حد جاری ہوگی، اور دیگر

مقامات پر جاری نہ ہوگی،

۱-۷۲۔ میں نے قائل سے کہا: لہذا اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ یہی صورت خبر واحد میں ہے کہ

مقبول ہونے میں تمام (اخبار) متفق ہیں، لیکن عدد میں باہم ایک دوسرے سے مختلف

ہیں، تو آپ کے لئے کوئی دوسری دلیل نہ ہوگی، مگر یہی (جو آپ کے مقابلہ میں پیش ہوگی)

۱-۷۳۔ قائل نے کہا: میں نے شہادت کے درمیان جو اختلاف ظاہر کیا ہے وہ استدلال کے

ادرجو خبر حاصل ہوتی ہے اس کے اعتبار سے ہے،

۱-۷۴۔ میں نے کہا: اسی طرح خبر واحد کے قبول کرنے میں خبر و استدلال کے لحاظ سے میں

مختلف ہونے کا قائل ہوں،

۱-۷۵۔ اور میں نے (یہ بھی) کہا: کہ عورتوں کی ولادت کے (مسئلہ) میں آپ (خالص) عورتوں

کی شہادت جائز رکھتے ہیں، لیکن مال کے (معاملے میں) کیوں جائز نہیں رکھتے؟

۱-۷۶۔ اس نے کہا: اتباع (شرع کی وجہ سے)!

۱-۷۷۔ میں نے کہا: اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ قرآن میں ایک شاہد مرد اور دو عورتوں

سے کم شاہدوں کی تعداد نہیں بیان کی گئی ہے؟

۱-۷۸۔ قائل نے کہا: اس سے کم تعداد کا جائز ہونا ممنوع تو نہیں ہے، تمام مسلمانوں نے

- جس قعدا کو جائز کہا ہم نے بھی اس کو جائز کہہ دیا، اور یہ امر قرآن کے خلاف نہیں ہوگا؛  
 ۱۰۷۹۔ ہم نے کہا: بس اسی طرح چندا شیاء سے جو عورتوں کی شہادت سے قوی ہیں،  
 استدلال کر کے خبر واحد کے ثبوت میں ہم بھی کہتے ہیں،  
 ۱۰۸۰۔ قائل نے کہا: اتباعِ شریعت کے علاوہ کوئی دیگر دلیل ایسی ہے جس سے شہادت  
 اور خبر واحد میں فرق ثابت ہوتا ہو؟  
 ۱۰۸۱۔ میں نے کہا: ہاں! ایسی دلیل کہ اہل علم میں سے کوئی بھی اس کا مخالف نہیں ہے،  
 جس کا مجھے یقین ہے،  
 ۱۰۸۲۔ قائل نے کہا: وہ کیا دلیل ہے؟  
 ۱۰۸۳۔ میں نے کہا: ایک عادل شخص بعض امور میں جائز الشہادت ہوتا ہے، اور بعض امور میں  
 نہیں ہوتا،

- ۱۰۸۴۔ اس نے کہا: وہ کون مقام ہے جہاں اس کی شہادت مقبول نہیں ہوتی؟  
 ۱۰۸۵۔ میں نے کہا: جب وہ کسی موقع پر شہادت دے، اور اس شہادت سے کسی طرح اس  
 کی اپنی ذات کو فائدہ پہنچتا ہو، یا اس کی ذات سے کوئی مالی بوجھ دور ہوتا ہو، یا اس کے  
 بیٹے یا باپ کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو، یا ان کی ذات سے اس کی شہادت کسی نقصان کو دفع  
 کرتی ہو، اور اس کے علاوہ دیگر مقامات جو اس کو مہتمم کر دیتے ہوں (ان تمام صورتوں میں  
 اس عادل کی شہادت مقبول نہ ہوگی)

- ۱۰۸۶۔ پھر اس شاہد میں شہادت کے موقع پر (ایک یہ صورت ہوتی ہے) کہ شاہد کسی شخص  
 پر گواہی اس لئے دیتا ہے کہ (مشہود علیہ) کی ذات پر کوئی مالی ذمہ داری ثابت ہو جائے  
 یا کسی سزا کا مستحق ہو جائے، اور دوسرے شخص کے حق میں اس لئے کہ وہ مال اس کا حق  
 ہو جائے یا اس کے حق میں (مشہود علیہ) سزا پایا جائے، اور خود یہ شاہد اس مالی ذمہ داری  
 میں داخل ہونے سے بری ہوتا ہے، نہ اُس سزا سے اس کا تعلق ہوتا ہے (جو مشہود علیہ  
 کو دی جانی ہے، اور نہ اُس بے عزتی سے واسطہ ہوتا ہے جو (مشہود علیہ) کو لاحق ہوتی ہے،  
 اور یہ احتمال ہوتا ہے کہ اس کی یہ شہادت اس کو ایسی اذیت کی طرف کھینچ لائے کہ بیٹے اور  
 باپ کو اذیت پہنچنے کے مقابلے میں اس کا برداشت کرنا زیادہ سخت ہو، .....  
 اس موقع پر اس عادل کی گواہی مقبول ہوگی، کیونکہ ظاہراً یہاں کسی قسم کی تہمت اس

کی طرف منسوب نہیں ہوتی، نہ اُس کے ذاتی نفع و دفع نقصان کے لحاظ سے، اور نہ اس کے بیٹے یا باپ کے (نفع و نقصان) کے اعتبار سے، اور نہ اس کے علاوہ دیگر مواضع تہمت جن کو ان کے موقع پر بیان کیا گیا ہے ان کے اعتبار سے لے۔

۱۰۸۷۔ اور محدث جب ایسی حدیث بیان کرے جو حلال و حرام سے تعلق رکھتی ہو، تو نہ تو یہ اس کی ذات کے لئے کسی نفع کا باعث ہوتا ہے، نہ اس کے غیر کے لئے، اور نہ اسے یا غیر سے دفع ضرر کا سبب ہوتا ہے، یعنی ایسی کوئی شے نہیں ہوتی جو لوگوں کے لئے متول کا باعث بنتی ہو، اور نہ کوئی ایسی سزا جو لوگوں پر یا لوگوں کے لئے عائد ہوتی ہو، اور یہ محدث و دیگر وہ تمام لوگ جو اس حدیث کو روایت کرتے ہیں درجہ میں برابر ہوتے ہیں اگر حدیث کسی شے کی حلت و حرمت سے متعلق ہو تو اس حالت میں یہ سب (حدیث کے حکم میں) عام لوگوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اُن کے حالات میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا، چنانچہ محدث بھی اسی طرح کبھی مہتمم اور مردود الحدیث ہوتا ہے، اور کبھی غیر مہتمم و مقبول الحدیث ہوتا ہے، جس طرح عام اور خواص مسلمانوں کے لئے شاہد کے حالات مختلف ہوتے ہیں،

۱۰۸۸۔ لوگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں (بعض ایسے حالات ہیں کہ) ان لوگوں کی خبر نہ بہت زیادہ صحیح اور تقویٰ پر مبنی ہوتی ہیں، اور صاحبانِ نیت کی نیت اُن حالات میں انتہائی صحیح ہوتی ہے، اُن کی فکر کا مادہ ترقی پذیر ہوتا ہے، غفلت بہت کم ہو جاتی ہے اور یہ اُس حالت میں جبکہ انسان کو کسی مرض یا سفر میں اپنی موت یقینی نظر آنے لگتی ہے اس کے علاوہ دیگر حالات اور بھی ہیں کہ جن میں انسان متنبہ ہو جاتا ہے، اس کی غفلت میں کمی واقع ہوا کرتی ہے،

۱۰۸۹۔ میں نے اس سے کہا: ان حالات میں جھوٹا آدمی بھی سچ بول جاتا ہے، اس کی خبر

۱۔ یہاں تک شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خبر واحد کے عنوان کے تحت تقریر کا خلاصہ یہ ہو کہ (خبر واحد کی کیا تعریف ہو، اور اس کے قابلِ حجت ہونے کے کیا شرائط ہیں، چنانچہ وضاحت کے لئے شافعی نے شہادت کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے اس کے بعض اصول کو مقیس علیہ مترادف دیکر یہ بتایا ہو کہ جس طرح شہادت مشہود علیہ و مشہود لہ کے لئے اپنے مقررہ اصول کے ساتھ حجت ہو سکتی ہے، اسی طرح خبر واحد اپنے مقررہ اصول کے ساتھ قابلِ حجت ہو سکتی ہے بصورت دیگر نہیں!

امانداری پر مبنی ہوتی ہے، وہ خود یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی خبر اُس حالت میں قابلِ بھروسہ ہونا چاہئے، اس لئے انتہائی درجہ میں صدق اختیار کرتا ہے، اگر تقویٰ کی بناء پر نہ سمجھا جائے تو (کم از کم) اس کو یہی شرم ہوتی ہے کہ اس کی خبر ایک ایسی امانت کی ادائیگی ہے کہ جس سے نہ تو اس کی ذات سے کوئی نقصان و ضرر دفع ہو سکتا ہے، اور نہ اس کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے، تو پھر وہ کیوں جھوٹ بولے، یا سچائی میں کوتاہی کیوں اختیار کرے؟

۱۰۹۔ چنانچہ جب لوگوں کے اور جھوٹ بولنے والوں کے بعض حالات لیے ہوتے ہیں کہ اُن ہیں وہ ایسی سچائی اختیار کرتے ہیں جس سے گفتگو کرنے والوں کا دل خوش ہو جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ جو حضرات اپنے تمام حالات میں اہل تقویٰ و اہل صدق ہوں وہ ایسے مواقع پر کہ جہاں سچ بولنا ضروری ہوتا ہے، اپنی حفاظت بہت زیادہ کریں گے، کیونکہ وہ امانت کی ادائیگی کے لئے مفتر رکنے لگتے ہیں، اور دین کی علامات قرار دیئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صدق کے متعلق اُن پر جو کچھ لازم کر دیا ہے اس کو ہر امر میں بخوبی جانتے ہیں، اور جو حدیث حلال و حرام کے حکم پر مشتمل ہو اس میں (مذکورۃ الصدر) تہمت کی گنجائش بھی نہیں ہوتی، (پھر) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی جانب سے حدیث کے سلسلہ میں اُن کے سامنے ایسی شے پیش کر دی گئی ہے جو کہ کسی دوسری (اخبار) میں موجود نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت کر دینے پر جہنم کی وعید فرمائی گئی ہو۔

۱۰۱۰۔ عبدالعزیز، محمد بن عجلان، عبد الوہاب بن بخت، عبد الواحد النصری نے حضرت واثقہ بن اسقع کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا: سُب سے زیادہ بڑا کذب یہ ہے کہ جو میں نے نہیں کہا ہے اس کو میرا کہا ہوا ظاہر کر دو، اور جھوٹا خواب بیان کرے، اور اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے۔

۱۰۹۲۔ عبدالعزیز، محمد بن عمر، ابوسلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میری طرف سے ایسی بات کہی جو میں نے نہ کہی ہو وہ اپنا مقام جہنم میں بنا لے۔

۱۰۹۳۔ یحییٰ بن سلیم، عبید اللہ بن عمر، ابوبکر بن ابی سالم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

سے روایت کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری طرف سے جھوٹ بولے گا اس کے لئے جہنم میں مکان تعمیر کیا جائے گا۔

۱۰۹۳۔ عمر بن ابی سلمہ، عبدالعزیز بن محمد، اسید بن ابی اسید نے اپنی والدہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی کہ والدہ نے فرمایا، میں نے ابو قتادہ سے کہا: کیا وجہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت نہیں کیا کرتے جس طرح دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں؟ کہتی ہیں: قتادہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا: جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنی آرا نگاہ آگ میں بنالے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے اور اپنے دست مبارک کو زمین پر پھیرتے جاتے،

۱۰۹۵۔ سفیان، محمد بن عمرو، ابوسلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کی باتیں نقل کر داس میں کوئی حرج نہیں، اور میری باتیں بھی (لیکن) میری جانب سے جھوٹ نہ بولنا،

۱۰۹۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے (آخری) یہ حدیث سخت ترین حدیث ہے، جو روایت کی گئی ہے، ہم نے دیگر (سابقہ) روایات کے ساتھ اس حدیث پر اعتماد کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث صرف ثقہ راوی سے روایت لی جائے، اور اس کے ہر راوی کے متعلق ہم یہ جانتے ہوں کہ ان میں سے ہر شخص ابتداء حدیث سے انتہاء حدیث تک صادق ہے،

۱۰۹۷۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اس حدیث میں آپ کے مدعا، یعنی راوی کا صادق ہونا ضروری ہے، پر دلیل کہاں ہے؟

۱۰۹۸۔ کہا جائے گا: یہ یقینی امر ہے کہ ایک نبی کسی شخص کو کسی حال میں کبھی بھی یہ حکم نہیں دے گا کہ وہ بنی اسرائیل یا کسی غیر کی طرف سے جھوٹی بات بنا کر نقل کرے، چنانچہ جب آپ نے بنی اسرائیل کی باتیں روایت کرنے کو مباح فرمادیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن پر جھوٹ بول کر روایت کر دینا بھی مباح ہو گیا، بلکہ حضورؐ نے یہ امر مباح کیا ہے، کہ بنی اسرائیل میں سے جب کوئی روایت بیان کرے تو اس کا نقل کر دینا مباح ہو، بشرطیکہ اس کے کذب و صدق سے لاعلم ہو،



۱۰۹۹۔ یہ بھی مباح نہیں فرمایا ہے کہ ان میں سے جس شخص کا جھوٹ بولنا معلوم ہو اس کی بات بھی روایت کر دے، کیوں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہر آپ نے فرمایا: ”جس شخص نے کسی ایسی بات کو نقل کیا جس کے جھوٹا ہونے کا اس کو علم ہے وہ بھی جھوٹے لوگوں میں سے ایک جھوٹا متصور ہوگا، اور جو شخص کسی کاذب سے روایت کرے گا وہ خود کذب سے کیسے پرہیز کر سکے گا، کیونکہ وہ کاذب کے کذب کو کذب سمجھ رہا ہے (اور پھر نقل کر رہا ہے)۔“

۱۱۰۰۔ حدیث کی تھوڑی مخصوص تعداد کے علاوہ حدیث کے صدق و کذب پر عموماً حدیث کے بیان کرنے والے کے صدق و کذب سے استدلال کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں صدق و کذب معلوم کرنے کے لئے دیکھا جاتا ہے کہ محدث نے جو حدیث بیان کی ہے وہ ایسی ہے جو ناممکنات میں سے ہے، یا (اس کے معنی) اُس حدیث سے مخالف ہے جو اس کی نسبت سے زیادہ قوی ہے، اور سچائی کی علامات اس (قوی) میں زیادہ موجود ہیں،

۱۱۰۱۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث اور بنی اسرائیل کی حدیث کے روایت کرنے میں اسی طرح فرق کر دیا کہ (میری حدیث بیان کرو، لیکن میرے حق میں جھوٹ نہ بولو) تو یہ یقینی بات ہے کہ جس کذب سے اُن کو منع کیا ہے اس سے کذب خفی مراد ہے، اور یہ (کذب خفی) یہ ہے کہ ایسے شخص سے روایت کر دی جائے جس کے صادق ہونے کا علم نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ جب ہر حالت میں ممنوع قرار پایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جھوٹ بولنے سے زیادہ بڑا کوئی کذب نہیں ہو سکتا،

## خبر واحد کے ثبوت کی دلیل؛

۱۱۰۲۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ خبر واحد کے ثبوت میں کسی نصیحت کے ذریعہ یا دلالت حدیث کے ذریعہ یا اجماع کے ذریعہ کوئی حجت قائم کیجئے،

۱۱۰۳۔ میں اس سے کہوں گا: سفیان بن عیینہ، عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود نے اپنے والد (عبد اللہ بن مسعودؓ) سے روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس شخص کو اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے جو میری بات کو دل و دماغ میں محفوظ کر کے ادا کرے

کیونکہ بہت سے سمجھداری کی بات کو لینے والے خود سمجھدار نہیں ہوتے، اور بہت سے سمجھداری کی بات کو جاننے والے ایسے ہوں گے کہ وہ اپنے سے زیادہ سمجھدار کو پہچانیں گے۔ تین چیزوں میں کسی مسلمان کا قلب خیانت نہ کرے، (اول) عمل خالص اللہ کے لئے ہو، (دوم) مسلمان کے حق میں بھلائی کی خواہش ہو، (سوم) ان کی جماعت کے علمائے عہدہ نہ ہو اس لئے ان سب کی دعا باہم سب کا حلقہ کئے ہوئے رہتی ہے،

۱۱۰۴۔ اور جب (اس حدیث) میں ایک شخص کو اس امر کی دعوت دی کہ وہ آپ کی بات کو سنے، محفوظ رکھے اور (دوسرے کو) پہنچائے، اور (حدیث میں) امرًا کا لفظ واحد استعمال کیا گیا ہے، اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ایسا حکم اسی صورت میں فرمایا جائے گا جبکہ اس ایک شخص کا قول دوسرے کے لئے حجت بن سکتا ہو، کیونکہ یہ شخص آپ کی طرف سے حلال و حرام (جو قابل پرہیز ہوگا)، اور (کسی جرم) کی حد اور مال کے دینے لینے کے احکام و دین و دنیا کے متعلق نصیحت (سب کچھ روایت کرے گا،

۱۱۰۵۔ اس حدیث نے اس پر بھی دلالت کی کہ کچھ لوگ عالم تو ہوتے ہیں، اور اس کے حافظ بھی ہوتے ہیں، لیکن دین کے معاملہ میں فقیہ نہیں ہوتے،

۱۱۰۶۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کی جماعت کو لازمی طور پر ختم تیار کرنے پہنے کا حکم اس بات پر دلیل ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع انشاء اللہ تعالیٰ لازمی حجت ہو سکے گا،

۱۱۰۷۔ سفیان، سالم ابو النصر، عبید اللہ بن ابی رافع نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہو اور جب اس کے سامنے میرے امر و نہی سے کوئی حکم آئے تو یہ کہے کہ میں کچھ نہیں جانتا، کتاب اللہ میں جو ہم کو ملے گا اس کی اتباع کریں گے،

۱۱۰۸۔ ابن عیینہ نے کہا کہ محمد بن منکدر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مانند منقول طور پر مجھ سے روایت کیا،

۱۱۰۹۔ اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر واحد کے ثبوت کے ساتھ اُن کو یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اس پر (عمل کرنا) اُن کے ذمہ لازم ہے، خواہ وہ کتاب اللہ

۱۱۱۰۔ میں اس کے متعلق کوئی صاف حکم نہ پائیں، اس مضمون کو ہم نے دوسرے موقع پر بیان کیا کہ مالک، زید بن اسلم، عطاء بن یسار سے ہم کو حدیث پہنچی، ایک شخص نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد اس کو بڑی فکر لاحق ہوئی، اس نے اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے اپنی زوجہ کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں روانہ کیا، کہ آپ سے جا کر معلوم کرے، وہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت خانے پر حاضر ہوئی، اور ان سے واقعہ بیان کیا، حضرت ام سلمہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے ہیں، اُس عورت نے واپس آ کر اپنے شوہر کو اس کی اطلاع دی، لیکن (اس اطلاع سے) وہ شخص اور زیادہ فکر میں مبتلا ہو گیا، کہنے لگا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند نہیں ہیں، (کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لئے جو چاہتا ہے حلال فرما دیتا ہے، چنانچہ وہ عورت پھر حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی، دیکھا کہ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وہاں) رونق انداز میں، آنحضرت نے فرمایا: یہ عورت مشکل میں مبتلا ہے، حضرت ام سلمہ نے آپ کو واقعہ سنایا، حضور انور نے فرمایا، پھر تم نے اس کو (میرے فعل کی) اطلاع کیوں نہ دی کہ میں بھی ایسا کر لیتا ہوں، حضرت ام سلمہ نے عرض کیا، میں نے اس کو اطلاع دیدی تھی، اور اس نے اپنے شوہر سے جا کر بیان (بھی) کر دیا، لیکن وہ شخص اور زیادہ فکر میں مبتلا ہو گیا، کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لئے جو چاہے حلال فرما دے (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا، پھر فرمایا: خدا کی قسم! تمھاری نسبت سے میں زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، اور اس کی حد و کومت سے زیادہ جانتا ہوں۔“

۱۱۱۱۔ اس حدیث کو جس نے متصل کیا ہے میں نے اس کا نام سنا تھا، لیکن اس وقت مجھے یاد نہیں آ رہا ہے،

۱۱۱۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانہ ارحم نے اس کو یہ اطلاع کیوں نہ دی کہ میں خود ایسا کر لیتا ہوں) اس میں یہ دلیل ہے کہ آپ کی جانب سے حضرت ام سلمہ کی خبر اُس کے حق میں حجت تھی اس کا قبول کر لینا جائز تھا، یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کو اپنی طرف سے ایسی چیز کے نقل کرنے کا حکم فرمائیں گے جو دوسرے شخص کے لئے حجت نہ ہو سکے، بلکہ اُسی چیز کا حکم فرمائیں گے جو دوسرے کے

لئے حجت ہو سکے،

۱۱۱۳۔ اور اسی طرح اُس شخص کی بیوی کا اُس شخص کو خبر دینا (حجت ہوگا) جبکہ وہ اس کے نزدیک سچے لوگوں میں شمار ہوتی ہو،

۱۱۱۴۔ مالکؒ نے بواسطہ عبداللہ بن دینار حضرت ابن عمرؓ سے روایت کر کے ہم سے بیان کیا، فرمایا: کہ لوگ قبا میں صبح کی نماز میں مشغول تھے کہ اُسی حالت میں کسی آنے والے شخص نے ان کو اطلاع دی، بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہے جس کے ذریعہ آپ کو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیدیا گیا ہے، لہذا آپ لوگ کعبہ کو متوجہ ہو جائیں، اس وقت قبا کے لوگ شام (بیت المقدس) کی طرف متوجہ تھے، چنانچہ (نماز کی حالت ہی) میں یہ کعبہ کی طرف پھر گئے،

۱۱۱۵۔ اور اہل قبا انصار میں سابقین اسلام لوگوں میں سے تھے، نیز اصحاب فقہ متصوّر ہوتے تھے، اور ایسے قبلہ کی طرف نماز ادا کر رہے تھے جس کی طرف متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ نے اُن پر فرض کر دیا تھا،

۱۱۱۶۔ اُن کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ کے فرض کو کسی ایسی خبر کے ذریعہ ترک کر دیں جو قابل حجت نہ تھی، اور نہ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی، نہ اُن آیات کو سنا تھا جو حضورؐ پر تحویل قبلہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں، بلکہ یہ لوگ کعبہ کو صرف اس اطلاع کی بناء پر متوجہ ہو گئے تھے کہ کتاب اللہ میں تحویل کا حکم نازل ہو گیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس طرف متوجہ ہو چکے ہیں، اور نہ یہ جبر عام لوگوں کی اطلاع تھی، بلکہ خبر واحد تھی، جس کی بناء پر یہ حضرات (ایک قبلے سے دوسرے کی طرف) منتقل ہو گئے تھے، کیونکہ خبر دینے والا ان حضرات کے نزدیک اہل صدق لوگوں میں سے تھا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر تحویل قبلہ کا جدید حکم نازل ہو گیا اور اُس فرض کو ان حضرات نے ترک کر دیا، جو اللہ کی طرف سے اُن پر عائد تھا،

۱۱۱۷۔ ہم کو انشاء اللہ یہ امید ہے کہ (یہ کہہ سکیں) ان حضرات نے یہ اس لئے کیا کہ وہ جانتے تھے جو خبر اُن کو ملی ہے اس قسم کی خبر سے حجت قائم ہو سکتی۔ ہے بشرطیکہ خبر اہل صدق میں سے ہو،

۱۱۱۸۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ حضرات اپنے دین کے معاملے میں ایسی عظیم بدعت کے ایجاد

کے مرتکب ہو جاتے ہیں، مگر اسی صورت میں کہ وہ یہ جانتے تھے کہ اس امر سے کہ صحابہ کی حاصل ہے،

۱۱۱۹- اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے فعل کی اطلاع دیئے بغیر باز نہ آتے،

۱۱۲۰- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر واحد کو تحویل قبلہ کے سلسلہ میں اُن لوگوں کا

قبول کرنا، حالانکہ یہ استقبال فرض تھا، ان حضرات کے لئے ناجائز ہوتا، تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے فرمادیتے کہ تم لوگ جس قبلہ کی طرف متوجہ تھے، اُس وقت

تک اس کو چھوڑ دینا تمھارے لئے صحیح نہ تھا، جب تک میری جانب سے تم کو ایسے طریقہ

پر علم حاصل نہ ہو جاتا جو تمھارے حق میں حجت ہو سکتا، یا تو خبر عام ہوتی، یا کم از کم ایک شخص

سے زیادہ انفرادی اطلاع ہوتی،

۱۱۲۱- ہم سے مالک نے حدیث بیان کی بروایت اسحق بن عبد اللہ ابن ابی طلحہ حضرت

انس بن مالک سے فرمایا: میں ابو طلحہ و ابو عبیدہ ابن حبراج و ابی ابن کعب کو شراب

پلارہا تھا، جو گدڑ و پنچہ کجور سے تیار کی گئی تھی، اتنے عرصہ میں ایک شخص نے آکر خبر

دی کہ شراب حرام کر دی گئی، پس ابو طلحہ نے فرمایا: اے انس! اٹھو! اور یہ جتنے شراب

کے ٹکے رکھے ہیں سب کو توڑ ڈالو، چنانچہ میں نے ایک پتھر کا پیالہ اٹھالیا، اور اس کے

نیچے کے حصہ سے مار مار کر تمام ٹکڑوں کو توڑ دیا،

۱۱۲۲- اور (پھر) یہ حضرات اپنے علم و مرتبہ و قدیم الصحت ہونے کے اعتبار سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جو مقام رکھتے تھے کوئی عالم اس کا انکار نہیں کر سکتا،

۱۱۲۳- جس شراب کو یہ استعمال کر رہے تھے وہ اُن کے لئے حلال تھی، صرف ایک

شخص آکر اس کی تحریم کی اطلاع دیتا ہے، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جو کہ شراب کے منکوں

کے مالک تھے اُن کو توڑنے کا حکم دیتے ہیں، خود ابو طلحہ اور دیگر صحابہ جو وہاں موجود تھے

ان میں سے کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ ہم تو اس کو اس وقت تک حلال ہی سمجھیں گے

جب تک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ کر لیں، کیونکہ آپ تو ہم سے

قریب ہیں، یا یہ کہ عام طور پر یہ اطلاع مشہور نہ ہو جائے اور عام ذریعہ سے ہم تک نہ

پہنچے،

۱۱۲۴- اور یہ عمل اُن کا اس وجہ سے ہوتا کہ وہ شراب اُن کے لئے (اُس وقت) تک حلال



لئے۔ یہ حلال شے کا ضائع کر دینا فعل اسراف تھا، جس کے ارتکاب کی امید ان رات سے نہیں کی جاسکتی تھی، ۱۱۱۳۔

۱۱۱۴۔ ان حضرات کے حال سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ یہ اپنے اس فعل کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیتے، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ جس خبر واحد کو قبول کر کے ان حضرات نے یہ عمل کیا، اور وہ اُن کے لئے جائز نہ تھا، حضور اُن کو اس کے ناجائز ہونے کو نہ فرماتے،

۱۱۱۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ ایک شخص کی عورت نے زنا کیا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اگر وہ زنا کا استرار کرے تو کل صبح جا کر اس کو سسگسا کر دیا جائے، چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا، اور حضرت انس نے اس کو سسگسا کر دیا،

۱۱۱۶۔ اس واقعہ مذکورہ کی حدیث کو روایت کیا ہم سے مالک سفیان نے بروایت زہری، عسید اللہ ابن عبد اللہ حضرت ابو ہریرہ وزید ابن خالد رضی اللہ عنہما کے، لیکن حضرت سفیان نے اپنی روایت میں ابو ہریرہ اور زید ابن خالد کے ساتھ ساتھ حضرت شبل (ابن معبد) رضی اللہ عنہ کا اضافہ کیا ہے،

۱۱۱۷۔ ہم کو عبد العزیز نے خبر دی بروایت ابن الہاد، عبد اللہ ابن ابی سلمہ، عمرو بن سلیم زرقی بواسطہ والدہ کے، اُن کی والدہ نے فرمایا: ہم مقام منی میں تھے کہ اچانک ہم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز آئی جو اپنے اونٹ پر یہ کہہ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یہ کھانے پینے کے ایام ہیں، تم میں سے کوئی شخص (ان ایام) میں روزہ نہ رکھو چنانچہ حضرت علی نے اپنے اونٹ پر سوار چھپچھپ کر یہ اعلان کیا اور لوگوں نے اس کی اتباع کی،

۱۱۱۸۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ممانعت کا حکم ایک شخص کو لے کر اسی وقت روانہ کریں گے جب کہ اس کی اطلاع پر لوگوں کے لئے عمل کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ لوگ اس خبر دینے والے کے صادق ہونے کے معتقد ہوں یہ یقین کرتے ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہوگا،

۱۱۱۹۔ (اس موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کثرت سے حج کرنے والے موجود

تھے، خود آنحضرتؐ کو بھی یہ قدرت حاصل تھی کہ بالموافقہ یہ حکم سنادیتے، ایک کم از کم صحابہ کی ایک جماعت کو اس حکم کی اشاعت کے لئے روانہ فرماتے، (لیکن اس کے باوجود) حضورؐ نے صرف ایک صادق شخص کو روانہ فرمایا،

(خلاصہ یہ کہ) حضورؐ اپنا حکم ایک شخص کے واسطے سے اُسی صورت میں پہنچائیں گے کہ جب اس شخص کی اطلاع اُن لوگوں کے حق میں جن کی طرف اس کو بھیجا گیا ہے حجت قائمہ ہو سکتی ہو،

۱۱۔ لہذا جب صورت واقعہ وہ ہوئی جو میں نے بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جماعت کے روانہ کرنے پر قدرت حاصل تھی، تو آپ کے بعد جس شخص کو یہ قدرت حاصل نہ ہو اس کے لئے ایک صادق شخص کی خبر بطریقہ اولیٰ (حکم) کی مثبت ہوگی،

۱۲۔ ہم کو سفیان نے خبر دی بروایت عمر بن دینار، عمر بن عبد اللہ بن صفوان اپنے ماموں سے جن کو یزید بن شیبان کہا جاتا تھا، فرمایا: ہم عرفہ میں اپنے موقف میں تھے، عمر و امام کے موقف سے کچھ زیادہ بعید تھے، اس عرصہ میں ہمارے پاس ابن مرہب النصارى رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ہم سے فرمایا: میں آپ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہو کر حاضر ہوا ہوں، حضورؐ نے تم لوگوں کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے مقام پر ہی قیام (عرفہ) کریں، کیونکہ آپ لوگ اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کے درنامہ میں سے ایک وارث کی حیثیت رکھتے ہیں،

۱۳۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا تھا، اس حج میں مختلف مقامات کے لوگ شریک تھے، اور نیز مختلف قبائل کے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے ان تمام حاجیوں کو ان کے مناسک پورے کرائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اُن کے لئے جو کچھ حکم تھا، اور اُن پر جو واجب تھا اس کی تعلیم دی،

۱۴۔ اسی سال میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، انھوں نے حاجیوں کے مجمع میں یوم النحر میں سورہ برأت کی آیات پڑھ کر سنائیں، بعض کے عہد کو واپس کیا، اور ان کے حق میں برائیتیں معسر فرمادیں، بہت سے امور سے منع کیا،

۱۱۳۶۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ و علیؓ اہل مکہ میں تو امانت و دیانت و صدق میں معروف و مشہور تھے، اور باہر سے آنے والے اُن لوگوں کو جو ان دونوں سے یا ایک سے ملاقات تھے، مکہ کے رہنے والوں نے اُن کے صدق و فضل کو بتلادیا ہوگا،

۱۱۳۷۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم امید رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسی لئے روانہ فرمایا ہوگا کہ اس کی خبر اُن لوگوں کے لئے حجت ہو سکتی ہوگی، جن کی طرف اس کو روانہ کیا گیا تھا،

۱۱۳۸۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف و جوانب میں اپنے عاملین کو روانہ فرمایا تھا جن کے ناموں کا بھی ہم کو علم ہے، اور اُن مقامات کا بھی جہاں ان کو عامل بنا کر روانہ فرمایا گیا تھا،

۱۱۳۹۔ چنانچہ قیس بن عاصم اور زبرقان ابن بدر اور ابن نویرہ رضی اللہ عنہم کو ان کے اپنے اپنے قبیلوں کی طرف روانہ فرمایا، قبیلے کے تمام لوگ ان حضرات کے صدق کو جانتے تھے

۱۱۴۰۔ نیز حضورؐ کی خدمت میں بحرین کا وفد حاضر ہوا، اس وفد سے تعارف کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ ابن سعید بن عاص کو روانہ فرمایا،

۱۱۴۱۔ اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے حکم دیا تھا کہ جو لوگ اطاعت کر لیں ان کو اپنے ہمراہ لے کر نافرمان غیر مطیع لوگوں سے جنگ کریں، اور جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر فرض کیا ہے اس کی تعلیم دے کر اُن کے مال سے زکوٰۃ وصول کریں، یہاں کے تمام لوگ حضرت معاذؓ کے مرتبے اور ان کے صدق کو بخوبی جانتے تھے،

۱۱۴۲۔ اور جس شخص کو بھی آپؐ نے امیر مقرر فرمایا اس کو یہی حکم دیا کہ ان کے ذمہ اللہ نے جو کچھ واجب کیا اُس کو اُن سے وصول کریں،

۱۱۴۳۔ اور ان اہل صدق میں سے کسی کے متعلق ہم کو یہ اطلاع نہ ملی کہ وہاں کے لوگوں نے اُن سے یہ کہا ہو کہ تم صرف ایک فرد ہو، تم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم سے کچھ وصول کرو جب تک کہ ہم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سُن لیں کہ ہم پر یہ واجب ہے،

۱۱۴- اور مجھے یقین ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان مشاہیر بالصدق کو ان علاقوں میں روانہ کرنا جن کے رہنے والے ان کو سچائی سے متصف خیال کرتے تھے، صرف اس وجہ سے تھا کہ اُن میں سے ہر ایک کی خبر اُن لوگوں کے لئے حجت تھی،

۱۱۵- اور اسی معنی کے مشابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امراء لشکر کا سلسلہ ہے، (کہ آپ نے ایک ایک ہی شخص کو امیر لشکر مقرر فرمایا ہے) چنانچہ غزوہ موتہ میں (اولاً) حضرت زید بن حارثہ کی امارت مقرر فرمائی، ان کی شہادت ہو جانے کے بعد حضرت جعفرؓ کو امیر بنانے کا حکم تھا، اُن کے بعد حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو، اور ابن اُنیسؓ کو تنہا ایک رستہ کا امیر بنایا تھا،

۱۱۶- (پھر) یہ امراء لشکر تمام کے تمام اپنے ہمراہیوں پر حاکم ہوتے تھے، کیونکہ ان حضرات کے ذمہ یہ بھی ہوتا کہ جن کو دعوت اسلام نہیں پہنچی ہو، ان کو دعوت دیں اور جن لوگوں سے قتال جائز ہو اُن سے قتال کریں،

۱۱۷- اور یہی شکل ہر امیر کی ہوتی تھی، خواہ وہ بڑے لشکر کا امیر ہو یا کسی چھوٹے دستے کا اور ان تمام اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ یہ قدرت حاصل رہی کہ آپ ایک سے زیادہ دو یا تین اور چار کو امیر بنا دیتے،

۱۱۸- اور جن وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہان وقت کے نام دعوت نامے ارسال فرمائے ہیں، تو بارہ افراد کی طرف بارہ قاصدوں کو روانہ فرمایا تھا، اور ان کو اسی لئے روانہ فرمایا تھا کہ دعوت اسلام دیں، اور ہر بادشاہ پر اس قاصد کی دعوت حجت قائمہ ہو، اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ہر قاصد کو ایسی تحریریں بھی مرحمت فرماتے جن سے یہ ثابت ہوتا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں، اور اُن کے پاس جو تحریر ہے وہ حضورؐ ہی کی ہے،

۱۱۹- اس موقع پر بھی آپ نے یہی کوشش فرمائی کہ جس قاصد کو جہاں بھیجا جا رہا ہو وہ وہاں کے لوگوں میں معروف ہو، چنانچہ حضرت وحیہ (ابن خلیفہ کلبیؓ) کو اس جانب روانہ کیا، جہاں وہ معروف تھے،

۱۲۰- اور اگر یہ قاصد مجہول ہوتے تو جن کی طرف اُن کو ارسال کیا گیا تھا وہ اسکی تحقیق کرتے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بھیجا بھی ہے، یا نہیں، تاکہ قاصد کی خبریں

اُن کو شک نہ ہے، اور قاصد پر واجب ہوتا کہ جب تک مبعوث الیہ تحقیق نہ کر کے، اُس وقت تک وہ ٹھہرا رہے،

۱۱۵۲۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرامین جو آپ کی طرف سے دایاں کو روانہ کئے جاتے جو امر و نہی پر مشتمل ہوتے سب کی ہمیشہ یہی صورت رہی اُن دایاں میں سے کسی نے بھی ایسا نہ کیا، کہ حضور کے حکم کے نفاذ کو ترک کر دیتا، اور ہمیشہ آپ نے ایسے شخص کو روانہ کیا جو مبعوث الیہ کے نزدیک صادق ہوتا، اور اگر مبعوث الیہ اس کی سچائی کا علم حاصل کرنا چاہتا تو اسی مقام سے اس کو تصدیق حاصل ہو جاتی،

۱۱۵۳۔ اور اگر کوئی امیر آپ کی تحریر میں شک کرتا کہ اس میں کوئی تغیر کیا گیا ہے یا کسی دوسری وجہ سے قاصد کو متہم سمجھتا، یا قاصد کی جانب سے غفلت کا اندیشہ ہوتا تو اس پر واجب تھا کہ وہ اس مشکوک کے متعلق یقین حاصل کر لے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کر سکے،

۱۱۵۴۔ یہی شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء و دیگر عاملین کے حکم ناموں کی رہی، اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا کہ خلیفہ ایک ہو، قاضی ایک ہو، امیر ایک ہو، امام ایک ہو،

۱۱۵۵۔ چنانچہ (حضور کے بعد) صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، حضرت ابو بکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ معترف کیا، پھر حضرت عمر نے خلافت کا معاملہ شورا کے سپرد کر دیا کہ وہ مشورے کے بعد کسی ایک شخص کو اپنا خلیفہ بنالیں، اور اس (جمعیت شوریٰ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو تنہا اختیار دیا) حضرت عبدالرحمن نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا،

۱۱۵۶۔ اور جتنے دایاں تھے خواہ وہ قاضی ہوں یا کوئی دوسرے فیصلے دیتے اُن کے فیصلے نافذ ہوتے، حدود قائم کرتے، اور ان کے بعد آنے والے اُمراء ان کے احکام غیر نافذ شدہ کو نافذ کرتے، حالانکہ یہ تمام احکام ان صاحبان کے دوسروں کے خلاف نہر واحد ہوتے،

۱۱۵۷۔ لہذا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع مسلمانین کے ذریعہ جو کچھ



بیان کیا اس میں اس امر پر دلیل موجود ہے کہ شہادت و خبر و حکم میں فرق ہے،  
۱۱۵۹۔ آپ اس پر غور نہیں فرماتے کہ قاضی کا ایک شخص کے حق میں دوسرے شخص پر فیصلہ دینا یہ بھی ایک شخص کی خبر ہوتی ہے کہ اس کے پاس گواہوں سے یہ امر ثابت ہو گیا ہو، یا فریق ثانی نے اس کے اجلاس میں اس کے سامنے (اس حق کا) اقرار کر لیا ہے، اور اس نے اس معاملہ میں حکم نافذ کیا ہے، اب جب وہ اپنی اس خبر کو اپنے علم کے تحت نافذ کرتا ہے تو معنوی حیثیت سے حلال و حرام کا مخبر ہوتا ہے، اور شہادت کے بعد اس پر تحلیل و تحریم لازم ہو جاتی ہے،

۱۱۶۰۔ اور اگر کوئی قاضی جس کی عدالت میں معاملہ پیش نہیں کیا گیا ہے، لیکن (بجی طور پر) اس کے سامنے لوگوں نے کسی شخص کے حق کی کسی دوسرے پر گواہی دی ہو، اور یہ قاضی اس کی خبر دے کہ میرے پاس گواہوں نے فلاں شخص پر شہادت دی ہے، یا کہے کہ فلاں شخص نے (جس کا مقدمہ اس کے پیش نہ تھا) میرے سامنے یہ اقرار کیا ہے، تو خود یہ قاضی اپنی اس خبر کی بناء پر کوئی حکم نافذ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اس کے اجلاس میں مقدمہ پیش نہیں ہوا، بلکہ کسی دوسرے کے یہاں پیش کیا گیا ہے، اب اس قاضی کی یہ خبر ایک شہادت کے درجہ میں ہوگی، جو کسی دوسرے شخص کے سامنے ادا کی جا رہی ہو، لہذا (یہ خبر مقبول) نہ ہوگی، اس میں قاضی اور غیر قاضی دونوں برابر ہوں گے، البتہ اس وقت مقبول ہوگی جب کہ اس کے ہمراہ دوسری شہادت بھی موجود ہو، اس کی صورت بالکل یہی ہوگی کہ کسی دوسرے حاکم کی عدالت میں یہ قاضی بطور شاہد شہادت دے رہا ہو تو (قاضی ہونے کی بناء پر) تنہا اس کی شہادت وہ حاکم قبول نہیں کرے گا، بلکہ اس کے ہمراہ ایک اور شاہد کا مطالبہ کرے گا،

۱۱۶۱۔ سفیان، عبد الوہاب، یحییٰ بن سعید، سعید بن مسیب، سے ہم تک پہنچا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کسی شخص کے انگوٹھے (ضائع کر دینے میں) پانچ اونٹ کی (دیت مقرر کی) اور اس کی برابر والی انگلی میں دس اونٹ کی، اور درمیانی انگشت میں

یعنی اس قاضی کی یہ اطلاع اب خبر واحد کے درجہ میں متصور نہ ہوگی، بلکہ شہادت کا درجہ حاصل کر لے گی، اس بناء پر اس کی اس شہادت کے ساتھ دعوے کے ثبوت کے لئے مزید ایک اور شہادت کے پیش ہونے کی ضرورت ہوگی، اس سے بھی ثابت ہوا کہ خبر واحد اور شہادت میں بعض اعتبار سے احکام میں فرق ہے،

دش اونٹ کی، اور جو انگشت چھنگلی کے متصل ہے اُس میں نو اونٹ کی، اور چھنگلی میں تھ اونٹ کی،

۱۱۶۲۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث مشہور طریقہ سے معلوم تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکبی کے ہاتھ ضائع کر دیے ہیں، پچاس اونٹ کی (دیت) مقرر فرمائی تھی، اور ہاتھ میں پانچ انگشت مختلف ہیں جن کے مختلف منافع ہیں، اور ہر انگشت کا دوسری سے ہاتھ کے حُسن میں مختلف درجہ ہے، تو حضرت عمرؓ نے ہر ایک انگشت کو اس کے درجہ میں رکھنے کی کوشش فرمائی، لہذا تھیلی کے ان اطراف میں جس جس انگشت کا جو درجہ تھا اس کو اس پر باقی رکھا، درحقیقت حدیث میں قیاس کیا گیا،

۱۱۶۳۔ لیکن جب ہم کو عمر و ابن حزم کے خاندان والوں سے آئندہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر دستیاب ہوئی جس میں یہ تحریر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ کی ہر انگشت میں دش اونٹ (کی دیت) ہوگی، تو علماء نے اس کو اختیار کر لیا،

۱۱۶۴۔ اور جو مکتوب عمر و ابن حزم رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ان حضرات کو دستیاب ہوا تھا، اُس پر اُسی وقت انھوں نے عمل کیا ہوگا، جب یہ امر ثابت ہو گیا ہوگا کہ آئندہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مکتوب ہے،

۱۱۶۵۔ اس حدیث میں دو امر پر دلالت موجود ہے، اول یہ کہ خبر مقبول ہوگی، دوم یہ کہ خبر اسی وقت مقبول ہوگی جب پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہو، خواہ اس سے قبل قبول کرنے والے ائمہ نے اس کے مطابق عمل کیا ہو، (یا نہ کیا ہو)،

۱۱۶۶۔ اور ایک دلیل اس پر بھی ہے کہ اگر ائمہ میں سے کسی امام کا عمل پہلے جاری ہو چکا ہو اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اس عمل کے مخالف علم میں آجائے تو ایسی صورت میں حدیث پر عمل کیا جائے گا، اور اس امیر (امام) کے عمل کو ترک کیا جائے گا،

۱۱۶۷۔ اور یہ بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بذاتہ ثابت العمل ہوگی خواہ اس پر حدیث کے بعد کسی نے عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو،

۱۱۶۔ (اور اس موقع پر) مسلمانوں نے یہ نہیں کہا کہ مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں حضرت عمرؓ نے تو ہمارے لئے یہ حکم نافذ کر دیا تھا، تم لوگ اس حکم کے خلاف کا ذکر بھی نہ کرو، کہ اس کے مخالف تھائے پاس کچھ موجود ہے، یا کسی دوسرے کے پاس موجود ہے، بلکہ تمام مسلمانوں نے اُسی عمل کو اختیار کیا جو اُن پر واجب تھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو قبول کیا، اور جو عمل اس کے مخالف تھا اس کو ترک کر دیا،

۱۱۷۔ اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مکتوب یا اس کے مضمون کی اطلاع پہنچ جاتی، تو ہم کو امید ہو کہ انشاء اللہ وہ بھی اسی کی اتباع کرتے جو اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پہونچا ہوتا، آپ کے خدا سے خوف کا تقاضہ اسی کا مقتضی تھا، اور آپ پر جو واجب تھا اس کی ادائیگی بھی اسی طرح تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا اتباع کریں، کیونکہ آپ یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کو کسی امر کا حق حاصل نہیں ہے، اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی تبارک و تعالیٰ کی اطاعت ہے،

۱۱۸۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایسا کوئی اور واقعہ بھی بیان فرمادیں کہ جس سے ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہونے کے بعد اپنا وہ عمل چھوڑ دیا تھا جو وہ پہلے کرتے رہے،

۱۱۹۔ میں نے کہا: اگر یہ میں پیش کر دوں تو پھر؟

۱۲۰۔ قائل نے کہا: اگر آپ یہ پیش فرمادیں گے تو میرے لئے یہ دو امر پر دلیل ہو جائیگا۔ ایک یہ کہ جب حضرت عمرؓ کو سنت کا علم نہ ہوتا تو اپنی رائے سے حکم دیدیا کرتے دوسرے یہ کہ جب سنت کا علم ہو جاتا تو اپنا ذاتی عمل ترک کرنا آپ پر واجب ہوتا اور لوگوں پر بھی یہی واجب ہے کہ جب سنت کا علم ہو جائے تو اس کے خلاف ہر عمل کو ترک کر دیں، اور یہ قول بھی باطل ہو جائے گا کہ سنت اُس وقت قابل عمل ہوگی جب سابقین میں سے کسی نے اس پر عمل کیا ہو، اور یہ یقین ہو جائے گا کہ سنت کے مخالف کوئی چیز سنت میں دخل انداز نہیں ہو سکتی،

۱۲۱۔ میں نے کہا: سفیان نے بیان کیا بواسطہ زہری، سعید ابن مسیب، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے: دیت مقتول کی عاقلہ کا حق ہے، شوہر

کی دیت سے اُس کی زوجہ بالکل وارث نہ ہوگی، حتیٰ کہ ضحاک بن سفیان نے اُن سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو تحریر فرمایا تھا: ”اشیم ضبابی کی دیت سے اس کی زوجہ وارث ہوگی“ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی کو ختم تیار فرمالیا، اس حدیث کی تفسیر اس سے قبل میں اس کے محل پر کر چکا ہوں، ۱۱۷۴۔

۱۱۷۵۔ سفیان، عمرو بن دینار و ابن طاؤس، طاؤس نے ہم سے روایت کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت کے پیٹ سے مرد بچے کو ساقط کر دینے کے سلسلہ میں کچھ سنا ہو تو خدا کا واسطہ دیتا ہوں، وہ مجھ سے بیان کرے، چنانچہ حنظل بن نابغہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: میری دو بیبیاں تھیں، اُن میں سے ایک نے دوسری کے خیمہ کی میخ اٹھا کر مار دی، (جس کی ضرب سے) اس کے پیٹ کا بچہ مردہ حالت میں ساقط ہو گیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے معاوضہ میں ایک غلام یا لونڈی دینے کا حکم صادر فرمایا، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر اس معاملہ میں یہ حدیث ہم نہ سنتے تو کچھ اور فیصلہ کر دیتے،

۱۱۷۶۔ دوسرے محدثین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکور قول اس طرح نقل کیا ہے: ”اپنی رائے سے اس معاملے میں فیصلہ کرتے وقت شاید ہم ایسا فیصلہ نہ کر سکتے“

۱۱۷۷۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ضحاک کی حدیث سن کر اپنے فیصلہ سے رجوع فرمایا اور اپنے ذاتی حکم کی مخالفت کر ڈالی، اور فرما دیا کہ پیٹ سے مردہ ساقط بچے کے حق میں وہ کوئی دوسرا فیصلہ کر جاتے، یا فرمایا: اس معاملہ میں شاید اپنی رائے سے یہ فیصلہ نہ کر سکتے،

۱۱۷۸۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (حضرت عمرؓ گویا) یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت انسان کی جان ضائع کر دینے کے سلسلہ میں یہ موجود ہے کہ (دیت) میں تلو اونٹ ادا کئے جائیں گے، تو راب مذکورہ بچے کے معاملے میں ان کا فیصلہ صرف یہی ہوتا کہ اگر بچہ زندہ پیدا ہو کر (فوت ہوا) تو تلو اونٹ (دیت) کے دینا ہوں گے، اور اگر مردہ پیدا ہوا ہے تو کچھ (دیت) نہ ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم، چونکہ حضرت عمرؓ اپنی نفس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ضروری خیال فرماتے تھے خواہ اس حکم کے متعلق ہو جو آپ سنت کے مخالف پہلے دے چکے تھے

یا اس واقعہ کے متعلق جو (پیش کیا گیا تھا) اور اس کے متعلق سنت کا علم آپ کو نہ تھا اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کی نوبت آپ کی تھی، اس لئے جب بھی آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی اطلاع مل جاتی جو آپ کے اُن فیصلوں کے خلاف ہوتا تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کرتے، اور اپنے ذاتی فیصلہ کو ترک فرما دیتے اور حضرت عمرؓ کے تمام امور کی یہی شان تھی،

۱۱۸۰۔ نیز دوسرے لوگوں پر بھی اسی طرح کرنا لازم ہے،

۱۱۸۱۔ مالک، ابن شہاب، سالم کے ذریعہ ہم کو حدیث پہنچی کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبر پر حضرت عمرؓ لوگوں کو لے کر واپس ہو گئے تھے،

۱۱۸۲۔ شافعیؒ نے فرمایا: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت عمرؓ ملک شام کو جانے کے لئے (مدینہ سے نکلے تھے) راستے میں آپ کو اطلاع ملی تھی کہ وہاں طاعون پھیلنا ہوا ہے،

۱۱۸۳۔ مالک جعفر بن محمدؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ”حضرت عمرؓ نے (ایک دن) مجوسیوں کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کے ساتھ میں کیا طریقہ اختیار کروں؟ عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ میں شہادت کے طریقہ پر کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: اُن کے ہمراہ وہی طریقہ اختیار کرو جو اہل کتاب کے ساتھ کیا جاتا ہے“

۱۱۸۴۔ سفیان نے عمروؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے حضرت بکالہ کو فرماتے سنا: حضرت عمرؓ مجوس سے جزیہ نہیں لیا کرتے، حتیٰ کہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان کے سامنے حدیث بیان کی کہ مقام ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا تھا“

۱۱۸۵۔ شافعیؒ نے فرمایا: جس حدیث کی کتابت میں نے منقطع کی صورت میں کی، (جب) اس کی سماعت کی تو اس کو متصل پایا، یا عام اہل علم کی نقل سے عام مشاہیر

لے نمبر ۱۱۶۹ سے یہاں تک کی تقریر سے شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ خبر واحد کا حجت ہونا اتنا قوی الاثر ہے کہ اس کے علم کے بعد اس کے مخالف ہر عمل کا ترک کر دینا لازمی ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمل فرمایا،



اہل علم کے ذریعہ حدیث مشہور پایا، لیکن یہ میں نے مکر وہ خیال کیا کہ جو حدیث غیر یقینی طور پر میرے حافظہ پر مبنی ہو اور میری بعض کتب مجھ سے غائب ہو چکی ہوں، اس کو بھی میں (کتاب میں) لکھ دوں، چنانچہ اپنی محفوظ احادیث کے سلسلہ میں اہل علم سے میں نے تحقیق کی، اور پھر مختصر طور پر کتاب کی طوالت کے خوف سے اس کو نقل کر دیا، اور صرف اُتنا حصہ بیان کیا جو (مقصد کی وضاحت کے لئے) کافی ہو، یہ نہیں کیا کہ پورے طور پر تمام امور پر علی بحث کی ہو،

۱۱۸۶ خلاصہ یہ کہ مجھ سے جزیہ لینے کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبر (واحد) کو قبول کر کے اُن سے جزیہ لیا، حالانکہ قرآن میں آپ یہ آیت تلاوت فرماتے رہتے: **مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ**، اور اسلام لانے تک کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم میں قرآن میں آپ نے پڑھا تھا، لیکن اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث آپ کو معلوم نہ تھی، اور یہ (مجوسی) آپ کے نزدیک غیر اہل کتاب کافروں میں سے تھے، لیکن جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجوسیوں کے بارے میں حدیث پیش کر دی تو آپ نے اس کا اتباع فرمایا،

۱۱۸۷ اور حضرت بجالہ کی حدیث، حدیث متصل ہے، کیونکہ بجالہ نے حضرت عمرؓ کو پایا، اور ان کے عہد میں بعض امراء کے کاتب تھے،

۱۱۸۸ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض موقعہ پر خبر واحد کی تصدیق کے لئے کسی دوسرے شخص کی خبر کا مطالبہ بھی تو کیا ہے،

۱۱۸۹ اس شخص سے کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کی خبر پر جب کسی دوسرے کی خبر کا مطالبہ کیا ہے تو ان تین اسباب میں سے کوئی سبب ضرور موجود ہوا ہے،

۱۱۹۰ یا تو اس لئے کہ باوجود خبر واحد کے حجت اور مثبت ہونے کے آپ نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا، کیونکہ دو شخص یا اس سے زیادہ کی خبر مزید زیادتی ثبوت کا ذریعہ ہوتی ہے،

۱۱۹۱ اور میں نے تو ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جن کے پاس مکمل درجہ کی ثابت شدہ خبر واحد

موجود ہوئی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ مزید خبر کے طالب ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ان کے قبضہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت پانچ سندوں سے روایت کردہ موجود ہوتی، لیکن اس کے باوجود اگر چھٹی سند سے اُن کو مل جاتی تو اس کو بھی تحریر کر لیتے اس لئے کہ حدیث جتنے زیادہ طریقوں سے مروی ہوگی اور ظاہر ہوتی چلی جائے گی اتنی ہی زیادہ قابلِ حجت ہوگی، اور سامع کے نفس میں مسرت کا سبب ہوگی،

۱۱۹۲۔ اور میں نے تو بعض حاکموں کو یہ عمل کرتے دیکھا ہے، کہ کسی مقدمہ میں اُن کے سناؤ دو اور تین شاہد پیش ہوئے تب بھی انھوں نے مدعی سے کہا کہ اور گواہ لاؤ، اس سے ان کا مقصد اپنی نفس میں اطمینان و سکون پیدا کرنا تھا، لیکن اگر وہ صرف دو گواہوں کی شہادت کے بعد ہی فیصلہ کر دیتے، تو اُن کو یہ حق حاصل تھا،

۱۱۹۳۔ یا یہ سبب تھا کہ حضرت عمرؓ کو جس نے حدیث پیش کی اس کو آپ پورے طور پر جانتے نہ تھے، لہذا اُس پر عمل کرنے میں اس وقت تک توقف کیا جب تک کسی معروف شخص سے وہ آپ تک نہ پہنچی،

۱۱۹۴۔ اور جب بھی کوئی غیر معروف شخص کوئی حدیث بیان کرے تو یہی ہونا چاہئے کہ اس کی حدیث قبول نہ کی جائے، اس لئے کہ خبر واحد اسی شخص کی قابلِ قبول ہو سکتی ہو کہ جو جانا پہچانا اور اس کا اہل ہو کہ اس کی خبر قبول کی جائے،

۱۱۹۵۔ یا یہ سبب ہوگا کہ آپ کے نزدیک وہ خبر دینے والا مقبول القبول نہ ہوگا، چنانچہ آپ نے اس کی خبر کو اس وقت تک کے لئے نہ تسلیم کیا جب تک کسی مقبول القول شخص سے آپ کو نہ معلوم ہوئی،

۱۱۹۶۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ کے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خبر قبول نہ کرنے کا (کس مقام پر) کیا سبب ہوا ہوگا،

۱۱۹۷۔ ہم کہیں گے کہ اس سلسلہ کی ایک حدیث تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے، اس میں حضرت عمرؓ نے حسیاط کے پیش نظر ایسا کیا، کیونکہ حضرت ابو موسیٰؓ حضرت عمرؓ کے نزدیک ثقہ دامن صحابی تھے،

۱۱۹۸۔ اگر قائل کہے کہ آپ کے اس قول پر کیا دلیل ہے؟

۱۱۹۹۔ ہم کہیں گے: مالک ابن انسؒ نے بواسطہ ربیعہ، متعدد علماء (مدینہ) سے نقل

کر کے حضرت ابو موسیٰؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰؓ سے فرمایا تھا، میں تم کو مستہم خیال نہیں کرتا، بلکہ یہ میں اس لئے کر رہا ہوں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جھوٹ نہ بولنا شروع کر دیں، اگر کہے کہ یہ روایت منقطع ہے، ۱۲۰۰۔

۱۲۰۱۔ لیکن حجت اس سے بھی قائم ہو جائے گی، کیونکہ دین کے کسی امام کے لئے خواہ وہ حضرت عمرؓ ہوں یا کوئی دوسرا شخص، یہ جائز نہیں کہ اس کے نزدیک کوئی خبر واحد قابل قبول ہو اور وہ اس کو ایک مرتبہ قبول کر لے، پھر اسی خبر کے مثل اس کے سامنے پیش ہو تو اس کو رد کر دے، اور یہ تو کسی عالم و عاقل کے لئے کبھی بھی جائز نہیں کہ ایسا عمل کر دے اور کسی حاکم کے لئے یہ بھی درست نہیں کہ ایک مرتبہ وہ دو شاہدوں کی شہادت سے فیصلہ کر دے، اور پھر دوبارہ ان کی شہادت کو رد بھی کر دے، مگر ہاں جب کہ اُن پر بعد میں کسی قسم کی جرح ہو جائے، یا اُن کی عدالت غیر معلوم ہو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے (تو یہ توقع ہی نہیں ہو سکتی) کیونکہ علم و عقل و امانت و فضل میں آپ انتہائی درجہ کمال حاصل کئے ہوئے تھے،

۱۲۰۲۔ جو کچھ میں نے بیان کیا اس کی دلیل کتاب اللہ میں بھی موجود ہے:

۱۲۰۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ ،

۱۲۰۴۔ اور فرمایا ہے: وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ ،

۱۲۰۵۔ اور فرمایا: وَ اَوْحَيْنَا اِلٰی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ ،

۱۲۰۶۔ اور فرمایا: وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ،

۱۲۰۷۔ اور فرمایا: وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا ،

۱۲۰۸۔ اور فرمایا: وَ اِلٰی مَدَیْنِ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ،

۱۲۰۹۔ اور فرمایا: كُنْ بَتَّ قَوْمٍ اِلَی الْمُرْسَلِیْنَ ، اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ لُوطُ اَلَا تَتَّقُوْنَ

اِلٰی لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنُ ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اطِیْعُوْنَ ،

۱۲۱۰۔ اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَیْكَ مَا اَوْحَيْنَا

اِلٰی نُوحٍ ،

۱۲۱۱۔ اور فرمایا: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهٖ الرُّسُلُ ،

۱۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے سلسلہ میں اپنی مخلوق پر اُن علامات کے ذریعہ حجت قائم کر دی جن سے وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے، اور جن لوگوں نے انبیاء کے ان امور اور دلائل کا مشاہدہ کیا، جو انبیاء کو غیر سے ممتاز کرنے والے تھے، یہ علامات اُن کے حق میں مکمل حجت ہو گئی تھیں، ان انبیاء میں ایک فرد اور اس سے زیادہ کی تعداد قیام حجت میں برابر ہی سمجھی گئی، کہ ایک فرد بھی اسی طرح حجت بنا جس طرح اکثر افراد حجت ہوتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَاصْبِرْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَهُكُم مُّرْسَلُونَ**، **قَالُوا مَا آتَانَا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَنُ مِن شَيْءٍ إِنَّا آنْتُمْ إِلَّا تَكْلِفُونَ**،

۲۔ شافعیؒ نے فرمایا: اولاً دُور سولوں کے ذریعہ حجت قائم کی گئی، پھر تیسرے شخص کو بھیجا، اسی طرح اُمتوں پر ایک ایک رسول سے حجت قائم کی گئی، لیکن زیادتی صرف تاکید کا ذریعہ ہوئی، یہ نہیں کہ فرد واحد کے حجت ہونے میں کوئی نقصان تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (نبی) کو وہ کچھ عطا فرمایا تھا جو مخلوق میں سے دوسروں کو نہیں دیا گیا تھا جس کے ذریعہ وہ حضرات دوسری مخلوق سے بالکل جدا ہوتے تھے،

۳۔ ہم سے مالکؒ نے روایت کیا، سعد بن اسحق، ابی کعب بن عجرہ، اُن کی بھڑپی زینب بنت کعب سے، کہ فریجہ بنت مالک بن سنان نے اُن سے بیان کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئیں کہ آپؐ اپنے خاندان بنی خدرہ میں چلے جانے کی اجازت حاصل کریں، اس لئے کہ اُن کے شوہر کے (کچھ غلام بھاگ گئے تھے) وہ اُن کی تلاش میں بھٹکے تھے، اور مقام قدوم میں ان غلاموں کو جا پکڑا تھا، لیکن غلاموں نے اُن کو قتل کر دیا تھا، اس بنا پر میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواہش ظاہر کی کہ چونکہ شوہر نے میری سکونت کے لئے کوئی مکان نہیں چھوڑا ہے میں اپنے خاندان میں چلی جاؤں ۱۱ فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تم جاسکتی ہو، میں جب واپس ہو کر حجرے یا مسجد میں پہنچی، تو پھر حضورؐ نے مجھ کو طلب فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے دوبارہ پورا واقعہ بیان کر دیا، حضورؐ نے فرمایا: جب تک عدت

پوری نہ ہو جائے، اُس وقت تک تم اُسی مکان میں قیام کرو، فرمایا کہ پھر میں نے چار ماہ دس یوم کی عدت اسی مقام پر پوری کی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا، انھوں نے مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا، میں نے اس واقعہ کی اطلاع ان کو بھی دی، اور حضرت عثمانؓ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا،

۱۲۱۶۔ (چنانچہ) حضرت عثمانؓ نے اپنی امامت کے عہد میں اپنے عالم ہونے کے باوجود صرف ایک عورت کی خبر پر مہاجرین اور انصار کے ہوتے ہوئے اُس کے مطابق فیصلہ دیا،

۱۲۱۷۔ مسلم، ابن جریج، حسن ابن مسلم، طاؤس سے مروی ہے کہا: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا، اتنے میں حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا: کیا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ حائضہ عورت بیت اللہ کا آخری طواف کئے بغیر واپس ہو سکتی ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آپ کو یہ تسلیم نہیں ہے، تو آپ اس کے متعلق فلاں انصاری عورت سے معلوم کر لیں، کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہی حکم دیا تھا یا نہیں، یہ سُنکر حضرت زید بن ثابتؓ ہنس پڑے، فرمایا کہ میں آپ کو سچا سمجھتا ہوں،

۱۲۱۸۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت زیدؓ کو صرف یہ حدیث پہنچی تھی کہ کوئی حائضہ رخصت کا طواف کئے بغیر واپس نہ ہو، اور حضرت زیدؓ کے نزدیک جو عورت ذوالحجہ حج میں حائضہ ہو جائے وہ اس میں داخل تھی، اب جبکہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ فتویٰ دیا کہ جو عورت یوم النحر کے بعد طواف فرض (طواف زیارت) کر چکی ہو اور پھر حائضہ ہو جائے تو وہ بغیر طواف رخصت واپس ہو سکتی ہے، تو حضرت زیدؓ نے (اپنے علم کی بنیاد پر) اس کا انکار کیا، لیکن جب ابن عباسؓ نے ان کو ایک عورت کی حدیث بیان کرنے سے ان کو مطلع کیا، اور حضرت زیدؓ نے اس سے معلوم کیا اس نے ان سے وہی بیان کیا (جو حضرت ابن عباسؓ نے فتویٰ دیا تھا)، تو آپ نے اُس عورت کی تصدیق فرمادی، اور اپنے حق میں یہ ضروری تصور کیا کہ وہ حضرت ابن عباسؓ سے اختلاف نہ کریں (اور اپنے قول سے رجوع کر لیں)، حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس اُس عورت کی خبر کے علاوہ اور کوئی حجت موجود نہ تھی،



۱۲۱۔ سفیان، عمرو، سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے، فرمایا: میں نے ابن عباسؓ سے کہا: کہ نوافل بکالی کا خیال ہے کہ جن موسیٰ نے حضرت خضرؓ سے ملاقات کی تھی وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہ تھے، ابن عباسؓ نے فرمایا، وہ خدا کا دشمن جھوٹا ہے، مجھ سے ابی بن کعبؓ نے بیان کیا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا، اس کے بعد حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی پوری حدیث نقل کی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خضرؓ کے وقت حضرت موسیٰ وہی بنی اسرائیل کے موسیٰ تھے،

۱۲۲۔ (اب غور کیجئے کہ) ابن عباسؓ اپنے تقویٰ اور فقیہ ہونے کے باوجود حضرت حضرت ابی بن کعبؓ کی اس اطلاع کی بناء پر جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کی ایک مسلمان فرد کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں، کیونکہ اس حدیث میں اس امر پر دلیل موجود تھی کہ وہ موسیٰ بنی اسرائیل ہی کے موسیٰ تھے،

۱۲۳۔ مسلم اور عبد المجید نے ابن حبرج سے نقل کر کے حضرت طاؤسؓ کا بیان نقل کیا، انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنے کے متعلق دریافت کیا، حضرت ابن عباسؓ نے اُن کے ادا کرنے سے منع فرمایا، طاؤسؓ نے کہا: میں نے ان سے عرض کیا، میں تو ان دونوں رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گا، ابن عباسؓ نے فرمایا: مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا لَا يُبْدِيَنَّ، ”کسی مومن مرد و مومنہ عورت کو خدا اور رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنے حق میں خستیاں نہیں رہتا، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ کھلا ہوا گمراہ ہو جائے گا“

۱۲۴۔ چنانچہ ابن عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث کو طاؤسؓ کے مقابلہ میں مکمل حجت تصور فرمایا، اور کتاب اللہ کی آیات تلاوت کر کے یہ دلیل قائم کر دی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کے بعد ان کو کسی امر کا اختیار نہیں رہتا،

۱۲۵۔ طاؤسؓ رحمۃ اللہ علیہ کو صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم معلوم ہوا، اور طاؤسؓ نے ابن عباسؓ کی اس خبر کو یہ کہہ کر نہیں رہتا،

۱۲۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم معلوم ہوا، اور طاؤسؓ نے ابن عباسؓ کی اس خبر کو یہ کہہ کر

زد نہ کیا کہ یہ صرف تمہاری اطلاع ہے، اس لئے میں اس کو تسلیم نہیں کرتا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہوگا، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ بھول گئے ہوں،

۱۲۲۔ اگر کوئی یہ کہدے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایسی گفتگو کرنا اُن کو ناگوار معلوم ہوا ہوگا،

۱۲۲۔ لیکن اگر ایک شخص ایک بات کو حق سمجھتا ہو، اور ابن عباسؓ نے حضور انورؐ کی طرف سے اس حکم کو نقل کرنے سے پہلے اس کو ان رکعتوں کو عصر کے بعد پڑھنے سے منع کیا، تو ابن عباسؓ کے مقابلہ میں اس شخص کا اس حق بات کو کہہ دینا کہ وہ ان رکعتوں کو نہیں چھوڑے گا، افضل تھا،

۱۲۲۔ سفیان نے عمرو سے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کیا: ہم لوگ بیع مخاہبرہ کیا کرتے تھے، اور اس بیع میں کوئی حرج تصور نہ کرتے تھے، حتیٰ کہ حضرت رافعؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا ہے، اس کے بعد ہم نے اس طریقہ بیع کو ان کی خبر کی بنا پر ترک کر دیا،

۱۲۱۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ بیع مخاہبرہ کے ذریعہ فائدہ اٹھاتے اور اس کو حلال تصور فرماتے لیکن جب ان کو ایک غیر متہم شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنیکی اطلاع دی تو اُن کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس کے بعد بیع مخاہبرہ کرتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مروی حدیث کے بعد ابن عباسؓ نے اپنی رائے کو دخل نہ دیا، اور یہ نہ کہا کہ ہم تو ایک زمانے سے یہ بیع کرتے چلے آ رہے ہیں، لیکن آج تک کسی نے بھی ہمارے اس فعل کو معیوب نہ خیال کیا،

۱۲۱۔ اس موقع پر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہونے سے قبل اگر کوئی فعل حدیث کے مخالف کیا جا رہا ہے اور پھر حدیث کا علم ہوتا ہے تو اب حدیث پر عمل کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ اُس حدیث پر کسی نے پہلے عمل بھی کیا ہو (اس عدم عمل سے حضورؐ کی حدیث میں کوئی ضعف پیدا نہ ہوگا)۔

۱۔ بیع مخاہبرہ یہ ہو کہ کھیتی کی پیداوار کے کچھ حصہ کو زمین والا اپنے لئے مخصوص کر کے مزارع کو اپنی زمین جی کے لئے دیدے،

۱۲۲۹۔ ہم سے مالک نے بیان کیا بروایت زید بن اسلم، عطاء بن یسار سے کہ معاویہ ابن ابی سفیان نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ اُس کے وزن سے زیادہ، سونے یا چاندی کے عوض فروخت کر دیا، حضرت ابو دردار رضی اللہ عنہ نے اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی کہ آپ نے اس قسم کی بیع سے منع فرمایا ہے، حضرت معاویہ نے کہا کہ میرے خیال میں اس بیع میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، یہ سنکر حضرت ابو دردار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی ایسا شخص ہے جو معاویہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے؟ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اطلاع دے رہا ہوں، اور وہ میرے سامنے اس کے مقابلہ میں اپنی رائے پیش کر رہے ہیں، اس زمین میں میں سکونت نہ رکھوں گا جہاں اے معاویہ تم رہتے ہو،

۱۲۳۰۔ چنانچہ حضرت ابو دردار رضی اللہ عنہ نے اپنی خبر کو حضرت معاویہ کے مقابلہ میں حجت تصور فرمایا، لیکن جب معاویہ اس کے تابع نہ ہوئے تو حضرت ابو دردار نے اُس مقام ہی کو چھوڑ دیا جہاں معاویہ اقامت پذیر تھے، اس امر کو ابو دردار نے ایک عظیم جرم تصور کیا، کہ ایک ثقہ شخص کی حدیث کو معاویہ نے ترک کیا،

۱۲۳۱۔ اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی، حضرت ابوسعید نے اس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی، اس شخص نے ان کی حدیث کے مقابلہ میں اس کے مخالف کسی حدیث کو بیان کر دیا، ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم ہم تم دونوں ایک مقام پر اب کبھی نہیں رہ سکتے،

۱۲۳۲۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث بیان کرنے والے پر یہ امر بہت گراں گذرتا ہے کہ اس کی بیان کردہ حدیث قبول نہ کی جائے، اُس شخص نے بھی اُن کی حدیث کے مقابلہ میں اس کے مخالف کوئی حدیث ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روایت کی تھی، لیکن اس کی حدیث سے (ناگوار سی کی) دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اُس میں ابوسعید خدری کی حدیث کے خلاف کا احتمال تھا، دوم یہ کہ احتمال نہ تھا (صرف مقابلہ تھا)،

۱۲۳۳۔ ہم سے ایسے شخص نے بیان کیا جو ہمارے نزدیک ثقہ تھے، بروایت ابن

ابی ذئب مغلہ بن خفاف سے فرمایا: میں نے ایک غلام خرید کیا، اور پھر اس کی آمدنی حاصل ہوئی، اس کے بعد مجھے اس غلام میں ایک عیب کا علم ہوا، چنانچہ عمر ابن عبد العزیز کی عدالت میں ہمارا مقدمہ پیش ہوا، انھوں نے میرے حق میں فیصلہ دیا کہ میں اس کو واپس کر دوں، اور یہ کہ اس کے ذریعہ جو آمدنی ہوئی ہے وہ بھی بائع کو دیدوں (اس فیصلے کے بعد) میں حضرت عروہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان کو اس واقعہ کی اطلاع دی، عروہؓ نے فرمایا، میں شام کو ان کے پاس جاؤں گا، اور وہ حدیث ان سے بیان کروں گا جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے مقدمہ میں اخراج بالضمان کا فیصلہ کیا تھا، (یعنی مبیعہ کی آمدنی اس شخص کی ملکیت ہوگی۔ مبیعہ جس کی ضمان میں داخل ہو چکا، اور وہ مشتری ہے) لیکن میں عمر ابن عبد العزیز کی خدمت میں (ان سے پہلے ہی) حاضر ہو گیا، اور حضرت عروہؓ نے جو حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی تھی ان کے سامنے پیش کر دی، حضرت عمر ابن عبد العزیزؓ نے فرمایا: خدا جانتا ہے کہ اپنے فیصلہ سے میں نے ادا بحق ہی کا ارادہ کیا تھا، پس اس فیصلے کو میرے لئے کتنا آسان کر دیا گیا، کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میرے سامنے پیش کر دی، اب عمر کا (اپنا) فیصلہ منسوخ کر دوں گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاری کر دوں گا، پھر شام کو حضرت عروہؓ ان کی خدمت میں پہنچے، چنانچہ حضرت عمر ابن عبد العزیزؓ نے آمدنی کا فیصلہ میرے حق میں کر دیا کہ بائع سے اس کو واپس لے لوں،

۱۲۳۴- اہل مدینہ سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا، ابن ابی ذئبؓ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: سعد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کسی معاملے میں ایک شخص پر ربیعہ ابن عبد الرحمن کی رائے کے مطابق فیصلہ کر دیا، میں نے ان کے فیصلے کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی، سعد نے (اس حدیث کو سن کر) ربیعہ سے فرمایا یہ ابن ابی ذئبؓ کی شخصیت ہے جو میرے نزدیک ثقہ ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ میرا فیصلہ حدیث کے خلاف ہوا ہے، ربیعہ نے کہا، میں نے اجتہاد کیا تھا، اور آپ کا فیصلہ اُس کے مطابق نافذ ہو چکا ہے (یعنی نفاذ کے بعد اس کا منسوخ کرنا درست نہیں) سعد نے فرمایا: بڑے تعجب کی بات



ہے کہ سعد بن اُم سعد کا فیصلہ نافذ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ رد ہو جائے بلکہ یہ ہو گا کہ سعد بن اُم سعد کا فیصلہ رد کر دوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نافذ کر دوں گا، چنانچہ حضرت سعدؓ نے اپنے فیصلے کی تحریر طلب فرما کر اس کو چاک کر دیا، اور دوسرے فریق کے حق میں فیصلہ دیدیا،

۱۲۳۵۔

شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابو حنیفہ ابن سہاک ابن الفضل الشہابی، ابن ابی ذئب مقبری ابو شریح الکعبی نے روایت کیا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال فرمایا، جس خاندان کا کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو وہ دو امور میں سے جو بہتر سمجھے پسند کر لے، اگر پسند ہو تو ودیت لے لے، اور اگر چاہے تو اس کو قصاص کا حق حاصل ہو، ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میں نے ابن ابی ذئب سے کہا، اے ابو الحارث کیا آپ اسی پر عمل کرتے ہیں؟ یہ سن کر انھوں نے چیخ کر میرے سینے پر ہاتھ مارا، اور ان کے اس فعل سے میں گھبرا بھی گیا، فرمایا، میں تمھارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پیش کر رہا ہوں، اور تم کہتے ہو کہ کیا تمھارا بھی یہی مذہب ہے، ہاں میرا بھی یہی مذہب ہے، اور میرے اوپر یہی فرض ہے، اور جو شخص بھی اس حدیث کو سُنے اُس پر بھی یہی فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا، اور آپ کے ذریعہ آپ کے ہاتھوں سے ان کو ہدایت فرمائی، اور ان کے لئے وہی پسند فرمایا جو آنحضرتؐ کے لئے پسند فرمایا، اور آپ کی زبان مبارک سے اس کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا، لہذا مخلوق پر فرض ہے کہ طوعاً یا کرہاً آپ کی اطاعت کریں، کسی مسلم کے لئے اس سے مجالِ خروج نہیں، ابو حنیفہؒ نے کہا وہ اس قدر بولتے رہے کہ میں یہ آرزو کرنے لگا کہ کاش یہ خاموش ہو جاتے،

۱۲۳۶۔

فرمایا کہ خبر واحد کے مقبول ہونے میں دیگر احادیث بھی ہیں لیکن ہمارے خیال میں اس قدر بیان کافی ہو گا،

۱۲۳۷۔

اور ہم سے پہلے حضرات کا اور ان سے بعد والے تمام حضرات کا یہی طریقہ رہا ہے، کہ خبر واحد کو قبول کرتے رہے ہیں،

۱۲۳۸۔

اور روایت کرنے والوں نے تمام مقامات کے اہل علم سے اسی طرح ہم سے روایت کیا ہے،



۱۲۳۹- شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے مدینہ میں حضرت سعیدؓ کو فرماتے سنا  
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیح صرف کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کی حدیث مجھ سے بیان فرمائی، پس یہ حدیث آپ کی سنت قرار دی گئی، اور فرمایا  
ابو ہریرہؓ نے ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی وہ بھی سنت قرار دی گئی،  
اور جو کسی ایک صحابی نے بیان کی وہ بھی سنت قرار پائی،

۱۲۴۰- نیز حضرت عروہؓ کو ہم نے (یہی) کہتے پایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حدیث  
مجھ سے نقل کی ہے کہ (آمدنی ضمان والے کی ہوتی ہے) یہ حدیث حضورؐ کی سنت قرار پائی  
نیز حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بہت سی احادیث روایت  
کی ہیں، اور ان سب میں حلت و حرمت کا حکم موجود ہے، ان تمام روایات کو سنت  
قرار دیا گیا ہے،

۱۲۴۱- اسی طرح حضرت عروہؓ فرماتے تھے کہ سلمہ بن زید کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
سے اور عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہما کی احادیث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منفرداً  
روایت کی گئی ہیں، اور سب کو سنت قرار دیا گیا ہے،

۱۲۴۲- پھر حضرت عروہؓ نے فرمایا کہ عبد الرحمن بن عبد القاری نے ایک اثر حضرت  
عمر رضی اللہ عنہ کا اور ایک اثر یحییٰ ابن عبد الرحمن ابن حاطب کا حضرت عمرؓ سے ہمارے  
سامنے روایت کیا اور ہر ایک کو مثبت مانا گیا،

۱۲۴۳- اور قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی  
روایت انفرادی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابن عمرؓ کی حدیث منفرداً ہم سے  
روایت کی گئیں، اور سنت قرار پائیں،

۱۲۴۴- اور فرمایا کہ (اسی طرح) عبد الرحمن ابن یزید ابن جاریہ و صحیح ابن زید ابن جاریہ نے  
خفسار بنت خدام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت نقل کی، اور باوجود ان کے  
عورت ہونے کے (وہ روایت مقبول ہو کر) سنت قرار پائی،

۱۲۴۵- اور علی بن حسینؓ کو ہم نے کہتے سنا کہ عمر ابن عثمان نے اُسامہ ابن زیدؓ سے روایت  
کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا فرکا وارث نہ ہو گا، چنانچہ اس خبر کو  
سنت قرار دیا، اور لوگوں نے بھی ان کی اس روایت کو (اپنے حق میں) سنت قرار دیا،

۱۲۴۔ اسی طرح محمد بن علی ابن حسینؑ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور عبید اللہ بن ابی رافع نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کیں، اور ان سب کو سنت تصور کیا گیا،

۱۲۴۔ نیز محمد بن جبیر بن مطعم و نافع ابن جبیر بن مطعم و یزید بن طلحہ ابن رکانہ و محمد بن طلحہ ابن رکانہ و نافع ابن عجز ابن عبد یزید و ابو سلمہ ابن عبد الرحمن و حمید ابن عبد الرحمن و طلحہ ابن عبد اللہ ابن عوف و مصعب ابن سعد ابن ابی وقاص و ابراہیم ابن عبد الرحمن ابن عوف و خارجہ ابن زید ابن ثابت، و عبد الرحمن بن کعب ابن مالک و عبد اللہ ابن ابی قتادہ و سلیمان بن یسار و عطار ابن یسار و غیر ہم محدثین اہل مدینہ نے واحدًا واحدًا روایات کی ہیں، اور فرمایا ہے کہ ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے فلاں صحابی یا تابعین میں سے فلاں تابعی نے فلاں صحابی سے روایت کیا، اور ہم ان سب کو سنت قرار دیتے ہیں،

۱۲۴۔ (اس کے بعد) مکتی محدثین میں سے حضرت عطاء و طاہر و مجاہد و ابن ابی ملیکہ و عکرمہ ابن خالد و عبد اللہ ابن باہ و ابن عمار اور یحییٰ محدث حضرت وہب ابن منبہ اور شام میں مکحول اور بصری محدثین میں سے عبد الرحمن ابن غنم و حسن و ابن سیرین، اور کوئی محدثین میں اسود، علقمہ و شعبی و دیگر بلاد کے تمام علماء محدثین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر واحد کا قبول کر کے ثابت رکھنا اسی پر فتویٰ دینے کی انتہاء کر دینا منقول ہے، اور اوپر سے نیچے تک برابر اس قبولیت کا سلسلہ چلا آیا ہے،

۱۲۴۔ اور اگر اہل علم کے مخصوص طبقہ میں سے کسی کے لئے یہ کہنا جائز ہو کہ قدیم و جدید تمام محدثین کا خبر واحد کی قبولیت اور انتہاء پر اجماع ہو چکا ہے، اور فقہاء مسلمین میں سے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو خبر واحد کے مقبول و مثبت ہونے کا قائل نہ ہو، تو میں یہی کہہ سکتا ہوں:

۱۲۵۔ کہ فقہاء مسلمین میں سے کسی ایک شخص کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو سکا کہ اس نے خبر واحد کے ثابت و تسلیم کرنے سے اختلاف کیا ہو، جیسا کہ میں نے ان تمام مذکورہ حضرات سے نقل کر کے بیان کر دیا،

۱۲۵۔ اگر کسی شخص کو یہ شبہ پیدا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فلاں فلاں احادیث

مروی موجود نہیں، لیکن فلاں شخص ایسے قول کا قائل ہے جو ان احادیث کے خلاف ہو،  
 ۱۲۵۲۔ (لیکن) میرے نزدیک کسی عالم کے لئے جو خبر واحد کو مقبول و مثبت تسلیم کرتا ہو  
 اور اس کے ذریعہ حلت و حرمت کا قائل ہو، یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اسی خبر کو رد بھی  
 کر دے، مگر اس صورت میں کہ جب اُس حدیث کے مقابلہ میں اس کے پاس کوئی  
 دوسری مخالف حدیث موجود ہو، یا یہ کہ جو حدیث اُس نے جس شخص سے سنی ہے  
 اس کے مخالف روایت کرنے والا راوی اس کے نزدیک پہلے راوی سے زیادہ  
 قابلِ وثوق ہو، یا یہ کہ اولِ حافظِ حدیث نہ ہو، یا یہ کہ اس کے نزدیک مہتمم ہو، یا اس  
 راوی نے جس سے روایت کیا ہے اس سے اوپر والا راوی مہتمم ہو، یا یہ کہ (دو اول  
 حدیث) دو معنی کی محلی ہو، اور اس نے اپنے اجتہاد سے ایک معنی چھوڑ کر دوسرے  
 مراد لئے ہوں،

۱۲۵۳۔ لیکن اگر کسی کو یہ وہم ہو کہ کوئی عاقل و عالم جو ایک مرتبہ یا چند مرتبہ خبر واحد کو  
 (احکام) کا مثبت تسلیم کر چکا ہو پھر وہ اسی کو دوسرے وقت بغیر مذکورہ وجوہ کے  
 جو اجتہادی بنا پر واقع ہوتی ہیں ترک کر دے، تو ایسا کوئی شخص نہ کر سکے گا، چنانچہ  
 مفسرینِ دستر آن کو ایسا شبہ واقع ہوتا رہا ہے، کہ مخبر مہتمم ثابت ہوایا (ان کی مردی)  
 حدیث کے خلاف کوئی حدیث اُن کے علم میں آگئی،

۱۲۵۴۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر ایک شہر میں ایسے فقیہ بہت کم موجود ہوں گے کہ جنہوں  
 نے کثرت سے روایات کی ہوں، اور اُن میں سے اکثر کو قبول کر کے بعض روایات  
 کو چھوڑ نہ دیا ہو،

۱۲۵۵۔ مگر یہ اُنہی وجوہ کی بنا پر صحیح ہو سکتا ہے جو میں نے بیان کر دیں، یا ایک  
 صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ روایت تابعین یا تبع تابعین میں سے کسی کا قول  
 ہوگا جس کو قبول کر لینا ضروری نہیں ہوتا، اُس قول کو صرف اس لئے روایت کیا ہوگا  
 کہ اُن کے اُس قول کا علم حاصل ہو جائے، اس سے قطع نظر کہ وہ حجت ہے یا نہیں  
 مخالف ہے یا موافق،

۱۲۵۶۔ لیکن اگر کوئی شخص ان طریقوں میں سے کسی طریقہ کی بنا پر جو کہ اس کی معذوری  
 کا سبب ہو سکے ایسا کرے (کہ خبر واحد کے مخالف قول اختیار کرے) تو ہمارے

نزدیک اس کے اس عمل کے باطل ہونے کے لئے، کوئی عذر نہیں ہو سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم  
۱۲۵۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ آپ (حجت) کے لفظ کو استعمال منسربلے ہیں  
تو اس کے معنی میں بھی کوئی فرق ہے؟

۱۲۵۔ کہا جائے گا، جی ہاں، انشاء اللہ تعالیٰ (اس میں فرق موجود ہے)

۱۲۵۔ اگر سوال ہو کہ وہ فرق کہاں کہاں ہے؟

۱۲۶۔ ہم جواب میں کہیں گے کہ جہاں کتاب (اللہ) کی کوئی صریح نص موجود ہو یا ایسی  
سنت موجود ہو جس کے ثبوت پر، اجماع ہو گیا ہو تو وہاں ہر قسم کا عذر یقیناً ناقابل  
قبول ہوگا، اور ان کے (حکم تسلیم) کر لینے میں کسی قسم کا شک درست نہ ہوگا، اور جو  
اس کے قبول کرنے میں کوتاہی کرے گا، اُس پر توبہ کرنا لازم ہوگا،

۱۲۶۔ لیکن وہ حدیث جو اہل علم کے ذریعہ روایت کی گئی ہو اس کی روایت میں اختلاف  
ہو اکرتا ہے، لہذا اُس میں تاویل کا احتمال ہوتا ہے، اور روایت انفرادی طور پر مردی  
ہوتی ہے تو وہاں میرے نزدیک حجت کے یہ معنی ہیں کہ اُس پر عمل کرنا اہل علم کے لئے  
ضروری ہے، حتیٰ کہ اُس سے جو کچھ نصاً ثابت ہو رہا ہے اس کا رد کر دینا درست نہیں  
ہے جیسا کہ اُن پر عادل شاہدوں کی شہادت کا قبول کرنا لازم ہوتا ہے، لیکن اتنے یقین  
کے ساتھ نہیں جتنا کہ کتاب اللہ کی نص یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث  
مشہور سے حاصل ہوتا ہے،

۱۲۶۲۔ اور اگر اس موقع پر کوئی شک کرنے والا اس میں شک کرے تو ہم اس سے  
توبہ کرنے کا مطالبہ نہیں کریں گے، بلکہ ہم اس سے یہ کہیں گے کہ آپ عالم ہیں تو  
اس میں آپ کو شک نہ کرنا چاہئے جس طرح عادل شاہدوں کی شہادت کے بعد  
سوائے فیصلہ دینے کے دوسرا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا، اگرچہ اس شہادت میں غلطی  
کا امکان موجود ہوتا ہے، لیکن اُن کی ظاہری صداقت (وعدالت) کی بنا پر فیصلہ  
دیدیتے ہیں، اور جو آپ کے اُن شاہدوں کی طرف سے پوشیدہ امور ہیں وہ خدا کے  
سپر دہوتے ہیں،

۱۲۶۳۔ قائل نے کہا، کیا اگر کوئی شخص کسی منقطع حدیث کا علم رکھتا ہو اس کے لئے  
یہ جائز ہے کہ اس سے حجت قائم کرے؟ کیا حدیث منقطع اور دیگر (اقسام) حدیث

میں کوئی فرق ہے، یا یہ کہ وہ اور دیگر (اقسام) اس سلسلہ میں برابر ہیں؟

۱۲۶۴۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بلکہ منقطع کے درجے مختلف ہیں،

۱۲۶۵۔ چنانچہ تابعین میں سے جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کا مشاہدہ

کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حدیث منقطع طرز پر روایت کی، تو اس راوی کے حق میں چند امور کا لحاظ کرنا ہوگا،

۱۲۶۶۔ اُن کے منجملہ یہ ہے کہ جس حدیث کو اس نے مرسل کیا ہے اس میں غور کیا جائے،

اگر دیگر حافظان حدیث ثقافت نے اپنی مستند روایات سے اس مضمون کو اسی کے

مانند روایت کیا ہے، اور اس طرح وہ اس روایت میں اس راوی کے شریک ہیں تو

یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ راوی صحیح الحفظ تھا، اور حدیث کو قبول کرنے والے کا فعل

بھی صحیح تھا،

۱۲۶۷۔ لیکن اگر اس کی حدیث میں مسند طور پر روایت کرنے والے راویاں شریک

نہ ہوں، بلکہ وہ اس کے روایت کرنے میں منفرد ہو تو اس کی حدیث منفرد قبول

کی جائے گی،

۱۲۶۸۔ (لیکن) یہاں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا کسی دوسرے راوی نے جو کہ سابقہ حضرات کے

درجہ کا تو نہ ہو لیکن مقبول الحدیث ہو، اس حدیث کو روایت کیا ہے؟

۱۲۶۹۔ اگر ایسا ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ اس کی مرسل حدیث قوی ہے لیکن

پہلی صورت کے مقابلہ میں اس کا درجہ کم ہوگا،

۱۲۷۰۔ اگر یہ شکل بھی نہ ہو تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض

اصحاب سے اُن کا اپنا قول اس کے مطابق مروی ہے یا نہیں، اگر ایسا کوئی قول پایا

گیا جو اس کی اس حدیث کے موافق ہے جس کو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے روایت کیا ہے، تو یہ اس امر کی دلیل ہوگا کہ اس کی مرسل کی بنیاد

کسی صحیح حدیث پر ہے، انشاء اللہ تعالیٰ،

۱۲۷۱۔ اسی طرح جب عام اہل علم اس کی روایت کے موافق فتویٰ دیتے ہوئے پتے

جائیں (تو اس کی مرسل کی تقویت کا باعث ہو جائے گا،

۱۲۷۲۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل اس قسم کی حدیث پر (منقطع کا) لفظ استعمال کیا ہے (باقی برآئے)



۱۲۷۱۔ شافعیؒ نے فرمایا، پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس راوی سے جس شخص نے روایت کیا ہے وہ راوی جب کسی حدیث میں اپنے شیخ کا نام لیتا ہے تو کسی مجہول الحال یا غیر مقبول شخص کا نام تو نہیں لیتا، (اگر نہیں لیتا تو) اس سے اس امر پر استدلال ہو جائے گا کہ اس کی روایت صحیح ہے،

۱۲۷۲۔ اور یہ شخص ایسا سمجھا جائے گا کہ جیسے حفاظ حدیث میں سے کوئی راوی اس کی موافقت میں شریک ہو گیا ہو، کیونکہ اگر اس کے مخالف ہو تو پھر اس کی حدیث بالکل ناقص ہو جائے گی، یہ وہ دلائل ہیں جس سے اُس کی حدیث کی صحت کا محسوس معلوم ہو جاتا ہے،

۱۲۷۳۔ لیکن اگر اس (منقطع روایت کرنے والے کی) روایت اُن وجوہ کے بغیر جو میں بیان کی ہیں مخالف ہوئی تو پھر یہ روایت اس قابل نہ ہوگی کہ اس کو قبول کیا جائے،  
۱۲۷۴۔ فرمایا: لہذا جب اس کی مرسل کے سلسلہ میں اس کی صحت کے وہ دلائل موجود ہوں جو میں نے بیان کئے تو میرے نزدیک پسندیدہ یہی ہے کہ اس کی مرسل حدیث کو ہم قبول کر لیں،

۱۲۷۵۔ اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف متصل حدیث کے ذریعہ حجت کے قائم ہونے کو موقوف خیال کر لیں،

۱۲۷۶۔ کیونکہ حدیث منقطع کے انقطاع کی علت پوشیدہ ہوتی ہے، ایک احتمال یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایسے شخص سے روایت کیا ہو کہ اگر اس کا نام ذکر کر دیتا تو ایسے راویوں

بغیر حاشیہ صفحہ ۲۶۶) اور اس کے بعد متعدد مقامات پر اُسی کو مرسل کے لفظ سے یاد کیا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ شافعیؒ کے نزدیک منقطع و مرسل حدیث باہم متحدہ یعنی ہیں، لیکن بالبعک محدثین نے ان دونوں قسموں میں تعترین پیدا کر دی ہیں، ان حضرات کے نزدیک حدیث کی سند سے کسی مقام پر کسی راوی کو ساقط کرنے سے حدیث منقطع کہلائے گی، اور اگر تابعی صحابی کو درمیان سے ساقط کر کے خود (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دے تو یہ حدیث مرسل کہلائے گی، گویا متاخرین محدثین کے نزدیک حدیث منقطع و مرسل میں عوم و خصوص مطلق ہو، یعنی مرسل حدیث پر منقطع کے لفظ کا اطلاق کیا جاسکے گا، لیکن ہر منقطع حدیث مرسل لفظ کا اطلاق ضروری نہیں، مثلاً جس مقام پر سلسلہ سند سے صرف صحابی کو ساقط کیا گیا ہو باقی تمام راوی سالم و جود ہوں یہ حدیث مرسل و منقطع دونوں کہلا سکتی ہو، لیکن جہاں حدیث کے سلسلہ میں صحابی سے نیچے کا کوئی راوی کسی مقام سے ماقط ہو اس مقام پر صرف منقطع کا اطلاق ہوگا، مرسل کا نہیں، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مجموعی تقریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک دونوں متحدہ ہیں،

میں سے ہوتا کہ جس کی روایت قبول کرنے سے محدثین احتراز کرتے تھے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض منقطع روایت کی اگرچہ دوسری منقطع روایت سے تائید ہو جاتی ہو لیکن احتمال ہوتا ہے کہ یہ دوسری روایت بھی مخرج کے اعتبار سے پہلی کے ساتھ متحد ہوں، یعنی اس میں جس راوی کو چھوڑا گیا ہے وہ بھی غیر مقبول قسم کا راوی ہو، اور یہ بھی (احتمال ہوتا) ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کا اپنا ذاتی قول اس کے موافق ہو، اگر ایسا ہوا تو یہ اُس مرسل (منقطع) حدیث کے مخرج کی صحت کی قوی دلیل ہوتی ہے، بشرطیکہ اس میں غور و فکر سے کام لیا گیا ہو، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ مرسل روایت کرنے والے نے یہ غلطی کی ہو کہ جس راوی کو اس نے ترک کیا ہے وہ غیر مقبول تھا، لیکن کسی صحابی کا قول روایت کرنے والے نے اپنی مروی حدیث کے موافق سن کر حدیث منقطع کر کے روایت کر دی (یہ خیال کر کے کہ صحابی کا قول اس کی روایت کی تائید کرتا ہے، اگرچہ متروک راوی غیر مقبول الحدیث ہے) اور یہی احتمال اُس وقت قائم ہوتا ہے جب کہ اس کی روایت کی موافقت کسی فقیہ کے قول سے ہوتی ہو، لیکن اُن کبار تابعین کے بعد کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مشاہدہ کثرت سے کیا تھا، جو حضرات محدثین اس قسم کی حدیث کے روایت کرنے والے ہوئے مجھے علم نہیں کہ کسی شخص نے بھی اُن کی مرسل حدیث کو قبول کیا ہو، ان چند امور کی بنا پر: ایک تو یہ کہ یہ حضرات جس سے روایت کرتے تھے اس کے سلسلہ میں بڑی چشم پوشی اختیار کرتے تھے، دوسرے اس لئے کہ اُن کی روایت کے متعلق ایسے دلائل پائے گئے ہیں جو اس کے مخرج کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتے ہیں، تیسرے یہ کہ (ایسا طرز اختیار کرتے) جس سے کوئی شخص (صحت کا) دم کر سکتا، حالانکہ راوی ایسے لوگوں میں سے ہوتا کہ جس کی حدیث نامقبول ہوتی، چنانچہ میں خود بعض ایسے اہل علم کو جانتا ہوں کہ جن میں ایک خصلت ہوتی، اور پھر اس کی ضد بھی اُن میں موجود ہوتی،

۱۲۷۹۔ ایسے شخص کو بھی دیکھا ہے کہ جس نے تھوڑے علم ہی پر قناعت کر لی، اور یہ ارادہ کیا کہ صرف اسی قدر سے وہ مستفید ہو جائے گا، حالانکہ اتنے علم والا متروک ہوتا ہے، یا اس کا ترک کر دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے، لہذا اس خیال کے پیش نظر علم

میں قاصر رہ گیا،

۱۲۸۔ اور ایسے شخص کو بھی دیکھا کہ جس نے علم کی توسیع کی خواہش رکھی، اور تقصیر علم کو عیب تصور کیا، اور ایسے افراد سے قبول کر لیا کہ اگر ان سے حدیث کو قبول نہ کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا،

۱۲۸۔ بہت سے محدثین کو میں نے دیکھا کہ اُن میں غفلت کا مادہ تھا، اور ایسے راوی سے قبول کر لیتے کہ جس کی حدیث قابل رد ہوتی، بلکہ اس سے بہتر راوی کی بھی (قابل رد ہونا چاہئے تھی)

۱۲۸۔ اور یہ مداخلت یہاں تک پہنچ جاتی، کہ اس کو راوی کا ضعف معلوم ہوتا، لیکن اپنے قول کے موافق ہونے کی وجہ سے اس کی حدیث کو قبول کر لیتا، اور اس کے مقابلے میں ایک ثقہ راوی کی حدیث کو اپنے قول کے مخالف ہونے کی بنا پر رد کر دیتا،

۱۲۸۔ اور دیگر محدثین پر مختلف قسم کے (جذبات) کی دخل اندازیاں تھیں،

۱۲۸۔ اور جو بھی ہوشمند سی و بصیرت علی سے غور کرے گا، وہ کبار تابعین کے بعد والے افراد کی مرسل کو قبول کرتے ہوئے وحشت محسوس کرے گا، جس کے دلائل بالکل واضح ہیں

۱۲۸۔ قائل نے کہا: آپ نے اُن متقدمین تابعین میں جنہوں نے کثرت سے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور اُن تابعین میں کہ جنہوں نے بعض کو دیکھا اور بعض کو نہ دیکھا، کیوں فرق کر دیا؟

۱۲۸۔ میں نے کہا: جن تابعین نے اکثر صحابہ سے ملاقات نہیں کی، اُن کی طرف حدیث کی نسبت کرنے میں بعد ہونے کی بنا پر،

۱۲۸۔ اس نے کہا: آپ ان جیسے حضرات اور دیگر فقہاء جو اُن سے نیچے درجہ کے ہوں اُن کی مرسل احادیث کو قبول کیوں نہیں کرتے؟

۱۲۸۔ میں نے کہا: اس کی (وجہ) میں بیان کر چکا ہوں،

۱۲۸۔ اس نے کہا: کیا آپ کو کسی ثقہ کی کوئی مرسل حدیث معلوم ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روایت کی ہو، اور اہل فقہ میں سے اس کو کسی نے قبول نہ کیا ہو؟

- ۱۲۹۱- میں نے کہا: جی ہاں! ہم سے حدیث بیان کی سفیان نے بواسطہ محمد بن مسند را کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا، یا رسول اللہ میرے پاس مال و عیال دونوں ہیں، اور میرے والد بھی مالدار و عیالدار ہیں، لیکن وہ یہ چاہتے ہیں کہ میرے مال سے اپنے عیال کی پرورش کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اور تمہارا مال دونوں تمہارے والد کی چیز ہیں،
- ۱۲۹۲- قائل نے کہا: ہم اس حدیث کو اختیار نہیں کرتے، لیکن آپ کے اصحاب اس پر عامل ہیں،
- ۱۲۹۳- میں نے کہا: نہیں، وہ بھی اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے کہ اگر مالدار باپ کو اس طرح کی اجازت دی جائے تو وہ اپنے بیٹے کا مال اڑا جائے گا،
- ۱۲۹۴- قائل نے کہا: ٹھیک ہے اس کا کوئی شخص بھی قائل نہ ہوگا، لیکن اس حدیث کی مخالفت دیگر لوگوں نے کیوں کی؟
- ۱۲۹۵- میں نے کہا: اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہو سکا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے باپ کے لئے بیٹے کی میراث فرض کر دی، اور اس طرح اس کو دیگر وارثوں کے درجہ میں کر دیا، بعض مراثی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دوسرے ورثاء کے مقابلے میں بہت کم حصہ پاتا ہے، بس یہی اس بات کی دلیل ہے کہ بیٹا اپنے مال کا خود مالک ہے، نہ کہ اس کا باپ (ورنہ پھر وراثت اور دوسرے ورثاء کے درجہ میں متساوی دینے کے کیا معنی رہتے ہیں؟
- ۱۲۹۶- اس نے کہا: محمد بن مسند را تو آپ کے نزدیک بڑے درجہ کے ثقہ حضرات میں سے ہیں؟
- ۱۲۹۷- میں نے کہا: ہاں، بلکہ تقویٰ اور دینداری میں بھی، لیکن ہم کو یہ معلوم نہ ہوا کہ انہوں نے یہ حدیث کس شخص سے حاصل کی ہے؟
- ۱۲۹۸- نیز یہ کہ میں یہ مثال بیان کر چکا ہوں کہ دو عادل شاہد جب کسی شخص پر شہادت دے ان کی شہادت اُس وقت قبول کی جائے گی، جب ان کی عدالت معلوم ہو جائے دوسرے لوگ ان کی عدالت بیان کریں،
- ۱۲۹۹- اس نے کہا: اس قسم کی کوئی دوسری حدیث مزید بیان کر دیں (تو بہتر ہوگا)۔

۱۳۰۰۔ میں نے کہا: ہاں۔ ہم سے ایک ثقہ شخص نے ابن ابی ذؤب، ابن شہاب سے روایت کر کے بیان کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو نماز میں نہیں پڑا تھا، حکم دیا کہ وہ نماز اور وضو دونوں کو لوٹائے،

۱۳۰۱۔ چنانچہ ہم اس حدیث کو قبول نہیں کرتے، اس لئے کہ یہ مرسل ہے،

۱۳۰۲۔ پھر اس حدیث کو ہم سے ایک ثقہ راوی نے معمر بن شہاب، ابن ارقم، حسن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے،

۱۳۰۳۔ اور ابن شہاب ہمارے نزدیک امام الحدیث ہیں، اور ثقہ افراد میں پسندیدہ

شخص ہیں، اور جب وہ اپنے اوپر والے کسی راوی کا نام لیتے ہیں تو یا تو وہ صحابی ہوتا ہے، یا پھر تابعین میں سے کوئی بہتر قسم کا تابعی ہوتا ہے، اور ہم نے کسی محدث کو نہیں دیکھا کہ اس نے ابن شہاب سے زیادہ افضل اور مشہور راوی کو بیان کیا ہو۔

۱۳۰۴۔ قائل نے کہا: پھر ابن شہاب نے جو یہ حدیث سلیمان بن ارقم سے روایت کی ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

۱۳۰۵۔ (شافعیؒ) نے فرمایا: انھوں نے ان کو اہل مروّت و صاحب عقل سمجھا، او

حسن ظن کی بنا پر اُن سے حدیث قبول کر لی، لہذا ان کے نام سے سکوت اختیار کیا یا تو اس وجہ سے کہ سلیمان اُن سے عمر میں چھوٹے تھے، یا اس کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے، اور معمر نے جب اُن سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اس کو مسند کر کے بیان کر دیا،

۱۳۰۶۔ تو اب ابن شہاب کے اُن اوصاف سے متصف ہونے کے باوجود جب انھوں نے سلیمان سے روایت لے لی، تو پھر دوسرے محدثین پر کیسے اطمینان کیا جاسکتا ہے؟

۱۳۰۷۔ قائل نے کہا: کیا آپ کو کوئی متصل حدیث ایسی بھی ملتی ہے کہ جو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکی ہو، اور پھر تمام علماء نے اس کی مخالفت کی ہو؟ میں نے کہا نہیں، البتہ ایسی حدیث میں میں نے لوگوں کو اختلاف کرتے ہوئے

۱۳۰۸۔ ضرور پایا ہے، بعض علماء نے تو اسی حدیث کو اپنایا، اور بعض نے اس کے مخالف قول اختیار کیا، لیکن ایسی کوئی متصل سنت کہ اس کے خلاف قول پر



۱۳.۹۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: میں نے قاتل سے کہا: آپ مرسل حدیث کے رد کرنے کے متعلق مجھ سے حجت بھی طلب کرتے ہیں، پھر خود اس کو رد بھی کرتے ہیں، اور ایک مسند حدیث کو جس کا قبول کرنا آپ لازم تھا اس کو رد کر دیتے ہیں؟

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## باب الاجماع

۱۳۱۰۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: مجھ سے کسی شخص نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے سلسلہ میں آپ کا مذہب میری سمجھ میں آ گیا، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض کر دی ہے، اس لئے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول کرے گا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنے والا سمجھا جائے گا، اور آپ کے اس قول پر حجت قائم ہو گئی کہ جس کسی عالم کو کتاب و سنت کا علم ہو جائے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے مخالف کوئی قول اختیار کرے، اور یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوا لیکن جس قول و عمل پر لوگ اجماع کر لیں، اس کی اتباع کے متعلق آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ کیونکہ وہ امر ایسے امور میں سے ہوتا ہے کہ جس کے متعلق نہ تو کتاب اللہ کی کوئی نص موجود ہوتی ہے، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت مردی ہوتی ہے، آپ کا اُس قول کے متعلق کیا خیال ہے جو آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں کا ہے کہ علماء کا اجماع ہمیشہ کسی ایسے امر پر ہو گا جس کے حق میں کوئی سنت ثابت ہوگی خواہ اس کو محدثین نے روایت نہ کیا ہو؟

۱۳۱۱۔ شافعیؒ نے فرمایا: میں نے اس سے کہا: جس مقام پر اجماع کے حق میں یہ کہہ دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے تو اس موقع پر وہی بات ہوگی، جس پر اجماع کیا گیا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ،

۱۳۱۲۔ لیکن جس مقام پر یہ کہیں تو وہاں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اس کے خلاف کا احتمال بھی ہوتا ہے، یہ امر صحیح نہیں ہے

کہ ہم اس کو یہی سمجھ لیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ماثر ہے، اور آپؐ مسکریٰ اجتماع کیا گیا ہوگا، اور یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شے میں حضورؐ کے قول نہ ہونے کا امکان ہو، اس کو صرف اس وہم کی بنا پر روایت کر دیا جائے؛ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہوگا۔

۱۳۱۳۔ پس اس صودت میں ہم ان کے قول کے قائل صرف ان کی اتباع کی بنا پر ہی ہوں گے، اور یہ سمجھ لیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اگرچہ بعض مخصوص افسران سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں، لیکن تمام اہل علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں، اور یقین کریں گے کہ امتِ عالمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف جمع نہ ہوگی، اور نہ ہی کسی ایسے امر پر جو خطا ہو، انشاء اللہ تعالیٰ،

۱۳۱۴۔ اگر قائل کہے کہ کیا آپ کے پاس ایسی کوئی دلیل ہے جو اس پر دلالت کرتی ہو اور آپ کے قول کی مؤید ہو؟

۱۳۱۵۔ کہا جائے گا بروایت سفیان، عبد الملک، بن عمیر، عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود کے اپنے والد سے روایت منقول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ تعالیٰ اُس جوان کو خوش و خرم رکھے)۔

۱۳۱۶۔ سفیان، عبد اللہ بن ابی لبید، ابن سلیمان بن یسار نے اپنے والد کی روایت سے بیان کیا، کہ (ایک روز) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مقام جاتیہ میں خطاب فرمایا، ارشاد فرمایا: جس طرح آج میں تمھارے سامنے کھڑا ہوں، اسی طرح ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے تشریف فرما ہوئے، اور فرمایا: میرے اصحاب کی تکریم کرو، پھر ان کی جو ان کے بعد آئیں، پھر ان کی جو ان سے متصل ہوں، اس کے بعد جھوٹ کا غلبہ ہو جائے گا، حتیٰ کہ ایک شخص بغیر قسم دیے ہوئے قسم کھائے گا، اور بغیر شہادت طلب کئے شہادت دے گا، دیکھو جو شخص وسط جنت میں رہنا چاہتا ہے وہ جماعت کو لازم پکڑے رہے، کیونکہ تنہا انسان کو شیطان قابو میں کر لیتا ہے، اور دو افراد سے بہت دور رہتا ہے، اور کسی مرد کو کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہائی خستیار نہ کرنا چاہئے، کیونکہ ان کا (وہم جنس) میسر شیطان ہوگا، اور جس شخص کو اس کا اچھا کام مسرور کرے، اور اپنا برا

کام بڑا معلوم ہو وہ شخص (صحیح معنی میں) مومن ہے،

۱۳۱۶۔ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت کو لازم خستیا رکھنے کے حکم دینے کا کیا مطلب ہے؟

۱۳۱۸۔ میں نے کہا: اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے،

۱۳۱۹۔ قائل نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک ہی مطلب ہو؟

۱۳۲۰۔ میں نے کہا: مسلمانوں کی جماعت مختلف شہروں میں متفرق ہے، لہذا یہ تو ممکن نہیں

کہ تمام مسلمانوں کے اجسام کا اجتماع مراد لیا جائے (اور یہ کہا جائے کہ) مسلمان قوم کے اجسام کی جماعت کو لازم پکڑے ہے، پھر اس جسمانی اجتماع میں ہر مذہب کے لوگ ہر ہر مقام پر مجتمع پائے جاتے ہیں، جن میں مسلمان اور کافر متقی و فاجر ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، لہذا ان سب کی جماعت میں شامل نہ ہونے کا حکم ظاہر ہے کہ مراد نہیں ہو سکتا ایک تو اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں دوسری اس لئے کہ اس سے کوئی فائدہ ہی نہیں، لہذا اگر حدیث کا کوئی مطلب ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ تحلیل و تحریم و طاعت میں مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنا لازم ہے (اس سے علحدگی نہ خستیا رکھنا)

۱۳۰۲۔ اب ایسی صورت میں جو شخص اس بات کا قائل ہو گا جو مسلمین کی جماعت کا قول ہے وہ ان کی جماعت کو لازم کئے رہنے والا سمجھا جائے گا، اور جو ان کے قول کے مخالف ہو گا، وہ ان کی جماعت سے علحدگی خستیا رکھنے والا متصور ہو گا، یہ (ظاہر امر ہے) کہ غفلت جلدی ہی میں زیادہ ہوا کرتی ہے، لیکن جماعت کی صورت میں یہ ممکن نہیں ہوتا کہ تمام افراد کتاب و سنت و قیاس کے معنی سے غافل ہو جائیں؟

۱۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقریر کا منشاء یہ ہے کہ احکام شرعیہ پر مسلمانوں کا صحیح ہونا ان کے اجتماع پر موقوف ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اجتماع کی امت کو وصیت فرمائی ہے۔

ہرگز نہ ہو کہ جماعت کی صورت میں

## باب القیاس

۱۳۲۲۔ قائل نے کہا: یہ آپ نے کس طرح کہہ دیا کہ جہاں کتاب و سنت و اجماع، (جیسے دلائل) موجود نہ ہوں تو قیاس کو لیا جائے گا؟ کیا قیاس بھی حدیث کی نص لازم کا درجہ رکھتا ہے؟

۱۳۲۳۔ میں نے کہا: اگر قیاس کتاب و سنت کی کسی نص پر ہوگا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ (اللہ تعالیٰ کا حکم ہے) اور اگر سنت کی نص پر ہو تو کہا جائے گا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، اس موقع پر اس کو قیاس نہیں کہا جائے گا،

۱۳۲۴۔ اُس نے کہا: تو پھر قیاس کیا چیز ہے؟ آیا یہی اجتہاد قیاس کہلاتا ہے یا دونوں میں کوئی منسوق ہے؟

۱۳۲۵۔ میں نے کہا: وہ ایک ہی معنی کے دو نام ہیں،

۱۳۲۶۔ قائل نے کہا: ان دونوں (اجتہاد و قیاس) کے ہم معنی ہونے کی کیا صورت ہو؟

۱۳۲۷۔ میں نے کہا: جس مسلمان کو جو کوئی واقعہ پیش آتا ہے اس کے لئے کسی حکم کا

ہونا لازمی امر ہے، اب یا تو واضح صحیح طور پر اس کے لئے کوئی دلیل موجود ہوگی، اور اس

شخص پر اس کا اتباع لازم ہوگا، اگر وہاں متعین طور پر کوئی حکم موجود ہو، لیکن اگر وہاں

متعین طور پر کوئی حکم موجود نہیں ہے تو طلب حق کے لئے وہاں اجتہاد کیا جائے گا،

اور اجتہاد قیاس ہی سے ہوگا،

۱۳۲۸۔ اس نے کہا: آپ یہ تو بتلائیں کہ جب چند عالم قیاس کریں یہ یقین کرتے ہوئے

کہ وہ اس حکم تک پہنچ گئے ہیں جو خدا کے نزدیک حق ہے، تو کیا اُن کے درمیان

اختلاف پیدا ہو جانا درست ہوگا؟ اور کیا اُن کو اس امر کا مکلف کیا گیا ہے کہ وہ

ایک ہی طرز اختیار کریں؟ یا یہ کہ چند طریق اختیار کریں؟ اور اس پر کیا دلیل ہے



کہ وہ صرف ظاہر (حال) کو دیکھ کر قیاس کریں، باطن کا کوئی لحاظ نہ کریں؟ اور یہ کہ اُن کے لئے مختلف ہونا درست ہے؟ اور یہ کہ وہ اپنی ذات یا غیر دونوں کے حق میں مکلف ہوتے ہوئے اختلاف کا حق رکھتے ہیں؟ اور وہ کون شخص ہے جو صرف اپنے حق میں قیاس کا حق رکھتا ہے، غیر کے حق میں نہیں؟ اور وہ کون ہے جو اپنی ذات اور غیر دونوں کے سلسلہ میں یہ حق رکھتا ہے؟

۱۳۲۸۔ میں نے کہا: علم حاصل کرنے کے چند طریقے ہیں، ان کے منجملہ ایک یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں کا لحاظ کیا جائے، دوسرا یہ کہ صرف ظاہر کے اعتبار سے حق کی تلاش کی جائے،

۱۳۲۹۔ لہذا جس مقام پر کتاب اللہ کی کوئی نص موجود ہو، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مشہور سنت موجود ہو، ان دونوں مقام پر جو حلال کیا گیا ہو گا وہ حلال تسلیم کرنا ہو گا، اور جو حرام کیا گیا ہو گا وہ حرام ماننا پڑے گا، یہی وہ علم ہے کہ جس سے کوئی شخص جاہل نہ پایا جائے گا اور نہ یہ قابل شک ہو گا،

۱۳۳۰۔ (دوسرا وہ علم ہے) جو علماء کے مخصوص طبقہ سے مخصوص طبقہ کو حاصل ہوتا رہا ہو، اس کا مکلف صرف مخصوص علماء کا گردہ ہی ہو گا، اُن کے علاوہ اس کے حصول کے مکلف دوسرے لوگ نہیں ہوں گے، چنانچہ اس قسم کا علم ان علماء میں کسی مخصوص سچے مخبر کی اُس روایت پر مبنی ہوتا ہے جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے روایت کرتا ہے، یہاں اہل علم پر یہ لازم ہوتا ہے، کہ اس کی جانب توجہ سے کام لیں اور صرف ظاہر کے اعتبار سے اس کا حق ہونا متصور ہو گا، مثلاً ہم دو شاہدوں کی شہادت پر قتل کا حکم دیدیں تو اس حکم کی حقانیت صرف ظاہر کے اعتبار سے ہوگی، کیوں کہ اُن شاہدوں کے متعلق غلطی کا بھی امکان موجود ہے،

۱۳۳۱۔ (یہی) علم اجماع ہے،

۱۳۳۲۔ (یہی) قیاس کے ذریعہ علم الاجتہاد (کہلاتا ہے) جس کے ذریعہ حق تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے، جو قیاس کنندہ کے نزدیک ظاہر کے لحاظ سے حق ہوتا ہے، یہ نہیں کہ عام علماء کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی ہو جیسا کہ قیاس کنندہ نے تصور کیا ہے، اس موقع پر باطن کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے،

- ۱۳۳۴۔ باقی رہا یہ امر کہ جب قیاس کے ذریعہ علم حاصل کیا جائے اور قیاس کا صحیح طریقہ استعمال کیا جائے تو کیا قیاس کرنے والے حضرات کی اکثریت کسی (علم) میں متفق ہو جائے گی؟ لیکن ہم نے جہاں تک پایا تو باہم مختلف ہی پایا،
- ۱۳۳۵۔ قیاس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، اول یہ کہ کوئی حادثہ (واضح طور پر) اُس اصل کے معنی میں ہو جس پر قیاس کیا جا رہا ہے، ایسی صورت میں قیاس میں اختلاف نہ ہوگا دوسری صورت یہ ہے کہ کسی واقعہ کو اصول کے ساتھ چند قسم کی مشابہت ہو، اس موقع پر آدنی اور اکثر مشابہت کا لحاظ کیا جائے گا، اور اسی وقت پر قیاس کرنے والے حضرات باہم مختلف ہو سکتے ہیں،
- ۱۳۳۶۔ قائل نے کہا: کوئی ایسی صورت بیان فرمائیں جس سے میں یہ سمجھ سکوں کہ حصولِ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ جہاں ظاہر و باطن دونوں کے اعتبار سے حق کا احاطہ ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ صرف ظاہر کے اعتبار سے احاطہ حق کا قول خستہ کیا جاتا ہے، نہ کہ باطن کے اعتبار سے (مثال ایسی ہو کہ) میں بخوبی سمجھ سکوں؟
- ۱۳۳۷۔ میں نے قائل سے کہا: یہ فرمائیے کہ جب ہم خاص طور پر مسجد حرام میں حاضر ہوں اور کعبہ ہمارے سامنے ہو تو کیا ہم کعبہ کو صحیح صحیح متوجہ ہونے کے مکلف ہیں یا نہیں؟
- ۱۳۳۸۔ اس نے کہا ہاں (ہم اس کے مکلف ہیں)
- ۱۳۳۹۔ (پھر) میں نے اس سے کہا: ہم پر نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ فرض کیا گیا ہے، کیا ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ ان امور کو پورے پورے طور پر بجالائیں کہ نہیں؟
- ۱۳۴۰۔ قائل نے کہا: (بالکل) مکلف ہیں،
- ۱۳۴۱۔ میں نے کہا: اور جس وقت ہم پر یہ فرض کیا گیا کہ زانی کے تسکو کوڑے لگائیں اور کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے پر اتنی کوڑے، اور جو اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرے اس کو قتل کر دیں، اور جو چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دیں، تو کیا ہم ان کے مکلف ہیں کہ جس پر پورے طور پر یہ جرم ثابت ہو اس کو یہ سزا دیں، اور سمجھ لیں کہ ہم نے اس سے مواخذہ کر لیا، یا کہ نہیں؟
- ۱۳۴۲۔ قائل نے کہا: جی ہاں،

۱۳۴۳۔ میں نے کہا: ہمارے ذمہ داری اپنی ذات اور غیر کے متعلق برابر درجہ میں ہوگی اگر

نہیں، جب ہم یہ جانتے ہیں کہ اپنی ذات کے متعلق جو علم ہم کو حاصل ہو سکتا ہے وہ غیر کے متعلق نہیں ہو سکتا، اور جو علم ظاہراً غیر کی ذات کے متعلق ہم کو حاصل ہوگا وہ اس علم کے درجہ میں نہ ہوگا جو ہم کو اپنے متعلق حاصل ہے،

۱۳۴۴۔ اُس نے کہا: ہاں (یہ بھی صحیح ہے)۔

۱۳۴۵۔ میں نے کہا: کیا ہم کو ہماری ذات کے متعلق اس امر کا مکلف کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں ہوں بحیثیت قبلہ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوں؟

۱۳۴۶۔ اس نے کہا: ہاں،

۱۳۴۷۔ میں نے کہا: کہ (جب ہم قبلہ کو توجہ کریں) تو کیا آپ ہمارے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم صحیح صحیح متوجہ ہو گئے ہیں؟

۱۳۴۸۔ قائل نے کہا: جب وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہو تب تو میں آپ کو کہوں گا نہیں، ذلکین جب آپ کی نظروں سے غائب ہو) تو آپ کے ذمہ پر جتنا واجب تھا اس کو آپ نے ادا کر دیا (ہو انصوّر کیا جائے گا)!

۱۳۴۹۔ میں نے کہا: توجہ امر کے ہم مکلف ہیں وہ یہ ہوا کہ (بیت اللہ) نظر سے غائب ہونے کی صورت میں جو حکم ہو وہ اُس حکم کے غیر ہے جب کہ کہہ ہماری نظر کے سامنے ہو

۱۳۵۰۔ اُس نے کہا: ہاں،

۱۳۵۱۔ میں نے کہا: اور اسی طرح ہم اس کے بھی مکلف ہیں کہ ظاہراً ایک عادل شخص کی ظاہری حالت کے پیش نظر اس کو قبول کر لیں، اور ایک شخص کے ظاہر اسلام کی بناء پر اس سے مناکحت و توارث کا سلسلہ قائم کر لیں؟

۱۳۵۲۔ اُس نے کہا: (جی) ہاں (یہ بھی صحیح ہے)

۱۳۵۳۔ میں نے کہا: کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص باطن کے اعتبار سے غیر عادل ہوتا ہو،

۱۳۵۴۔ اس نے کہا: ہاں، اس کے متعلق یہ ممکن تو ہے، لیکن آپ کو اس کے باطن کے

ٹٹولنے کا مکلف نہیں کیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ آپ اس کے ظاہر کو دیکھیں،

۱۳۵۵۔ میں نے کہا: تو ہمارے لئے یہ جائز ہوا کہ ہم اس سے مناکحت و وراثت کا تعلق

قائم رکھیں، اس کی شہادت کو جائز سمجھیں، اور ہمارے لئے حرام ہے کہ اُس کی جان پر

دست اندازی کریں، لیکن ہمارے علاوہ دوسرا شخص جس کو یہ علم ہے کہ وہ کافر ہے اس کے

لے بغیر قتل کے اس کو چھوڑ دینا حرام ہے، اور یہ کہ نہ مناکحت کرے، نہ ہی توارث کا سلسلہ جائز سمجھے، یعنی جس کا حق ہم نے اُس کو دے رکھا تھا،؟

۱۳۵۶۔ قائل نے کہا: جی ہاں،

۱۳۵۷۔ میں نے کہا: (بس تو) ایک ہی شخص کے متعلق ہم پر مختلف ذمہ داریاں عائد نہیں

ہم پر ہمارے علم کے مطابق اور ہمارے غیر پر اس کے علم کے مطابق؟

۱۳۵۸۔ اس نے کہا: ہاں، آپ میں سے ہر ایک اپنے علم کے مطابق اپنا حق ادا کرے گا،

۱۳۵۹۔ میں نے اس سے کہا: بس تو ہم نے بھی تم سے یہی تو کہا ہے کہ جہاں نصاً کوئی حکم

موجود نہ ہو تو وہاں ہم اجتہاد و قیاس سے کام لیں گے، اور ہم کو اسی طریقے سے حق تک پہنچنے کا مکلف کیا گیا ہے،

۱۳۶۰۔ قائل نے کہا: میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ ایک ہی امر میں مختلف طریقوں سے

حکم دیتے ہیں؟

۱۳۶۱۔ میں نے کہا: ہاں جب اس کے مختلف اسباب ہوں،

۱۳۶۲۔ سائل نے کہا: اس طرح کی کوئی صورت بیان فرمادیں، (تو بہتر ہوگا؟)۔

۱۳۶۳۔ میں نے کہا: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص حقوقِ خداوندی یا انسانی میں سے

اپنے ذمہ میرے سامنے کسی حق کا اقرار کرتا ہے، میں اس کے اقرار پر مواخذہ کر لیتا ہوں

اور اگر اقرار نہیں کرتا تو اس پر جو شہادت قائم ہوتی ہے، اس کی بنا پر یا اگر شہادت

بھی نہ ہو تو میں اس کو حکم دیتا ہوں کہ وہ حلف اٹھا کر بری الذمہ ہو جائے، پس (اگر)

وہ اس (حلف) سے بھی باز رہنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کے مقابل سے کہتا ہوں کہ

وہ حلف اٹھالے، اور اس فریقِ مقابل نے جس امر پر حلف اٹھایا ہے ہم مواخذہ

کرتے ہیں، جب کہ وہ ایسے حلف سے انکار کر دیتا ہے جو اس کو بری الذمہ کر دیتا،

اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ انسان کا اقرار اپنے مال پر حریص ہونے اور اس حرص کی

وجہ سے ظلم کا خوف ہونے کے ساتھ دوسرے کی شہادت کی نسبت سے زیادہ بچا

لے یعنی قیاس ہمیشہ ظاہرِ حال کے پیش نظر کیا جاتا ہے، باطنِ حال سے کوئی واقعیت نہیں ہوا کرتی، اسی سبب قیاس

کمندگانِ باہم ایک دوسرے سے مختلف ہو جایا کرتے ہیں، لیکن جو حکم کتاب اللہ یا سنتِ مشہور کے ذریعے

دیا گیا ہو وہ ظاہر و باطن دونوں کا لحاظ کیا جانا معتبر ہوتا ہے،

ہوتا ہے، اس لئے کہ غیر شخص غلطی بھی کر سکتا ہے، اور اس پر جھوٹ بھی بول سکتا ہے، اور اس کے اور اس کے فریقِ مقابل کے حلف کے اجتناب سے ایک عادل شاہد کی شہادتِ صدق سے زیادہ قریب ہوتی ہے، کیونکہ فریقِ مقابل کا عادل ہونا تو ضروری نہیں، و نیز دیگر اسباب کی بنا پر حق دلوایا جاتا ہے، جن میں سے بعض بعض کی نسبت سے زیادہ قوی ہوتے ہیں،

۱۳۶۹۔ قائل نے کہا: یہ سب کچھ اسی طرح ہے جیسا آپ نے فرمایا، لیکن ہمارے نزدیک جب (مدعا علیہ حلف سے) انکار کرے گا تو ہم اس انکار کی بنا پر دوسرے کا حق دیدیں گے،

۱۳۷۰۔ میں نے کہا (ایسی صورت میں) تو جس حجت کے پیشِ نظر ہم نے دیا تھا آپ نے اس سے بھی ضعیف حجت کی بنا پر یہ حق دیا؟

۱۳۷۱۔ اُس نے کہا: ہاں، لیکن ایک اصل میں، میں آپ کا مخالف ہوں،

۱۳۷۲۔ میں نے کہا: سب سے زیادہ قوی حجت جس کی بنا پر آپ کوئی حق ثابت کریں انسان کا اقرار ہے، اس کے باوجود اس میں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی مسلم کے حق کا اقرار بھول کر کر لے یا غلطی سے کرے، لیکن کیا میں اس احتمال سے قطع نظر کرتے ہوئے (اُس ر مقر) سے مواخذہ کر لوں گا؟

۱۳۷۳۔ قائل نے کہا: ٹھیک ہے (مواخذہ کر لیں گے) لیکن یہ اس وجہ سے کہ آپ صرف اتنے ہی کے مکلف ہیں،

۳۷۴۔ ہم نے کہا: اب آپ نے دیکھ لیا کہ میں طلبِ حق کا دو طریقے پر مکلف کیا گیا ہوں، ایک یہ کہ ظاہر و باطن ہر دو اعتبار سے اس کی جستجو کر دوں، دوسرے یہ کہ صرف ظاہر کا لحاظ کروں، باطن سے قطع نظر کر لوں؟

۱۳۷۵۔ اس نے کہا: صحیح ہے، مجھے تسلیم ہے، لیکن کیا آپ کو (اپنی اس تقریر پر) کتابِ سنت سے کوئی تائید ملتی ہے؟

۱۳۷۶۔ میں نے کہا: ہاں میں نے (ابھی) قبلہ کے سلسلہ میں اپنے اور غیر کے مکلف ہونے کو بیان کیا ہے، (وہی بیان اس کا مؤید ہے)

۱۳۷۷۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:



وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا مَشَاءُ، چنانچہ جتنا کچھ اور جیسا کچھ بندوں کو اپنے علم سے عطا فرمایا، اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں، وہ بہت جلد حسب لینے والوں میں سے ہے،

۱۳۷۳۔ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا، فِيمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرُهَا إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا، ”یعنی وہ آپ سے قیام قیامت کے متعلق سوال کریں گے، آپ اُس کے ذکر میں کہاں پھنسے ہیں، اس کے (علم) کی انتہا آپ کے پروردگار پر ہے،“

۱۳۷۴۔ سفیان نے بواسطہ زہری، عروہ سے روایت کیا، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل قیامت کے متعلق دریافت کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (فِيمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرُهَا) نازل فرمائی، اور آپ نے اس کو ترک فرمادیا،

۱۳۷۵۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔ ”یعنی فرمادیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہو اُن میں سے سوائے اللہ کے کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا۔“

۱۳۷۶۔ اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَاقَتْ كَيْسَ عُذِّهِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورہ لقمان: ۳۴) ”یعنی بیشک اللہ کے پاس ہر قیامت کا علم اور آواز اور میٹھ، اور جاتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے، اور کئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کھائے گی، اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی، بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے“

۱۷۔ یہ آیت و نیز ذیل کی دیگر آیات پیش کرنے کا بظاہر یہ مقصد ہے کہ ہمارا علم ظاہر کی حد تک محدود ہے، اس لئے ہم صرف ظاہر حال کا لحاظ کرنے کے مکلف ہیں، لیکن باطن حال کا علم صرف خدا سے تعالیٰ کو ہے، جس کو وہ عطا فرمائے، یعنی رسول کو ہو سکتا ہے، اس لئے ان کے احکامات ظاہر و باطن دونوں کے لحاظ پر مبنی ہوں گے،

۱۳۸۶۔ چنانچہ لوگ اس امر کے مکلف ہیں کہ ان کا قول و فعل حکم کے مطابق ہو، اور اسی حکم پر ٹکھڑ جائیں، اس سے تجاوز نہ کریں، اس لئے کہ یہ ذاتہ وہ کچھ نہیں دیئے گئے، بلکہ جو کچھ ہے وہ اللہ کی دین ہے، لہذا ہم خدا سے ایسی عطاء کا سوال کرتے ہیں جو اس کے حق کو ادا کر دے، اور مزید عطاء کا ذریعہ ہو،

————— بن بن بن بن بن بن بن بن بن بن —————

## بَابُ اجْتِهَادِ كَايَانٍ

۱۳۷۸۔ قائل نے کہا، آپ نے جو کچھ اجتہاد کے سلسلہ میں فرمایا ہے اس کے جوازیں اگر کوئی (حجت) ہو تو بیان فرماویں؟

۱۳۷۹۔ میں نے کہا: اچھا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود ہے:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ، (سورۃ البقرہ: ۱۵۰)

”یعنی تم جہر بھی نکلو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کرو، اور (اے مسلمانو) تم (بھی) اپنے چہروں کو اسی کی جانب پھیر دو“

۱۳۸۰۔ قائل نے کہا (شطرہ) کے کیا معنی ہیں؟

۱۳۸۱۔ میں نے کہا: (اس کی جانب اُس کی طرف) شاعر نے کہا ہے یہ

إِنَّ الْعَيْبَ بِهَادِءٍ غَامِرَهَا ۖ فَشَطْرُهَا بَصِلُ لَعِينِينَ مَسْجُورٍ  
”یعنی قابو لینے والی اونٹنی میں دل میں بیٹھی ہوئی ایسی بیاری ہے کہ جس کی طرف دیکھنے سے آنکھیں مسجور ہو جاتی ہیں“

۱۳۸۲۔ لہذا یقینی علم کے ساتھ کہا جائے گا کہ جس شخص کا مکان مسجد حرام سے کہیں دور

ہو وہ اجتہاد کے ذریعہ دلائل سے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ وہ اس کی طرف متوجہ ہونے کا مکلف کیا گیا ہے، لیکن اس کے لئے (حقیقتاً) یہ جان لینا کہ وہ مسجد حرام کو متوجہ ہوتے وقت صحیح صحیح متوجہ ہو گیا، یا اس نے غلطی کی ہو مشکل ہو، البتہ اس کی معرفت کے لئے ایسے دلائل ضرور مہیا ہوتے ہیں، (جن سے وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہے) اور دوسرے لوگ دوسری دلیلوں سے

اپنی معرفت کے مطابق متوجہ ہوتے ہیں، اگرچہ اُن کی توجہ مختلف ہوتی ہے،

۱۳۸۳۔ قائل نے کہا: اگر میں آپ کی اس بات کو تسلیم کر لوں تو پھر بعض حالات میں اختلاف کو جائز تسلیم کرنا ہوگا،

۱۳۸۴۔ میں نے کہا: اب جو حکم چاہو کہہ دو،

۱۳۸۵۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ منہ ما تے ہیں، قائل نے کہا: یہ توجائز نہ ہونا چاہئے،

۱۳۸۶۔ میں نے کہا: اس مسئلہ میں، آپ اور میں دونوں اس کی مثال ہیں، اور ہم

دونوں عالم ہیں، میں نے کہا: یہی قبلہ ہے، آپ اس میں میرے خلاف ہیں، اب ہم دونوں میں سے کس کو کس کی اتباع کرنا چاہئے؟

۱۳۸۷۔ قائل نے کہا: تم دونوں میں سے کسی کو بھی کسی کی اتباع نہیں کرنا چاہئے،

۱۳۸۸۔ میں نے کہا: تو پھر ایسے رُو شخصوں پر کیا واجب ہے، کیا کریں؟

۱۳۸۹۔ اس نے کہا، اگر میں یہ کہوں کہ اُن دونوں کو یہ معلوم کرنا لازم ہے کہ وہ صحیح صحیح

طور پر قبلہ کو متوجہ ہیں، یا نہیں؟ تو اُس قول کے مطابق تو قبلہ غائب ہونے کی وجہ سے وہ یقینی طور پر کبھی بھی یہ معلوم نہ کر سکیں گے، اور اب یا تو ان دونوں کو

نماز چھوڑنا پڑے گی، یا یہ کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا فریضہ اُن سے ساقط تصور کر کے یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرف چاہیں نماز ادا کر لیں، اور دونوں صورتوں میں

سے میں کسی ایک کا بھی قائل نہیں ہو سکتا، بس ایک لازمی صورت یہی ہو کہ میں یہ کہہ دوں کہ ہر ایک ان دونوں میں اپنی رائے کے مطابق عمل کرے، اور اس سے

زیادہ کا اس کو مکلف نہیں کیا گیا ہے، یا یہ کہہ دوں کہ کوشش تو یہی کی جائے کہ ظاہر اور باطن دونوں حیثیت سے صواب حاصل ہو، لیکن اگر باطن میں خطا

کر گیا صرف ظاہری عہت بار سے صواب کو حاصل کر لیا تو خطا باطنی معاف ہوگی،

۱۳۹۰۔ میں نے کہا، ان دونوں امر سے آپ جس کئے بھی قائل ہوں گے وہی آپ کے

حق میں حجت ہو جائے گا، کیونکہ آپ ظاہر و باطن کے حکم میں فرق کرنے والے قرار پا جائیں گے، اور یہی وہ چیز تھی جس کو آپ ہماری طرف سے غیر صحیح تصور کر رہے

تھے، اور خود ہی اس کے قائل ہو گئے، کیونکہ آپ نے اختلاف اختیار کر لیا، میں (یہ بھی) کہوں گا کہ ان دونوں میں ایک ضرور خطا پر ہوگا (یا نہیں)؟

۱۳۹۱۔ قائل نے کہا: جی ہاں !

۱۳۹۲۔ میں نے کہا: تو اب آپ نے یہ جانتے ہوئے کہ ان دونوں میں سے ایک خطا پر ہر اس کی نماز کے جواز کا حکم دیدیا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ دونوں شخص خطا پر ہی ہوں،

۱۳۹۳۔ اور میں نے اس قائل سے کہا کہ، شہادت اور قیاس میں بھی آپ کو ایسا ہی کرنا لازم ہوگا،

۱۳۹۴۔ اس نے کہا: اس کے علاوہ دوسری کوئی صورت بھی ممکن نہیں، البتہ یہ کہا جاتا گا یہ خطا محاف ہوگی۔

۳۹۵۔ میں نے قائل سے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَقْتُلُوا الصَّيِّئَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ  
وَمَنْ قَتَلَ مِمَّنْكُمْ مَتَعِدًا  
فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ  
يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِمَّنْكُمْ  
هَذِهِ آيَاتُ الْكِتَابِ

”یعنی جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو قتل نہ کرو، اور تم میں سے جس شخص نے قتل کیا تو اس کے بدلہ میں جس جانور کو قتل کیا ہے اس کے مثل چاروں سے دینا ہوگا، جس کا فیصلہ تم ہی سے ذوا عدل جان عدل کریں گے، یہ بطور ہدیہ کعبہ کو پہنچایا جائے گا“

۱۳۹۶۔ میں خدا نے ان کو (شکار) کے مثل (اداکر) کرنے کا حکم دیا، اور اس کے مثل کو دود عادل شخصوں کے فیصلہ کے سپرد کر دیا، اب جبکہ حلال شکار عام طور پر حرام کر دیا گیا تو اس شکار کے چارے کا مثل جسمانی طور پر ہونا چاہیے،

۱۳۹۷۔ چنانچہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ صحابہ نے مثل کا فیصلہ بھی دیا لہذا بجز کا مثل (مینڈھا) بھیڑ اور ہرنی کا مثل بکرا، اور خرگوش کا مثل بکری کا ایک سال سے کم عمر کا بچہ، اور جنگلی چوہے کا مثل بکری کا چار ماہ کا بچہ،

۱۳۹۸۔ اس موقع پر یہ یقین ہے کہ ان حضرات نے مثل سے (شکار کا) جسمانی مثل مراد لیا ہے، قیمتی مثل نہیں، اور اگر یہ حضرات قیمت کو مثل قرار دیتے تو ان کے احکام اس سلسلہ میں بالکل مختلف ہوتے، کیونکہ شکار کے جانور کی قیمت مختلف شہروں اور مختلف زمانوں میں مختلف ہوتی ہے، حالانکہ ان کے احکام ایک ہی طرح وارد ہوئے ہیں،

۱۳۹۹۔ یہ بھی یقینی علم ہے کہ جنگلی چوہا بکری کے چار ماہ کے بچے کے جسمانی طور پر مثل



نہیں ہے، بلکہ دوسرے جانوروں کی نسبت سے اس سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، اس بنا پر اس کو مثل و شرار دیا گیا، اور بکری کا ہرنی کے مثل ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ دونوں میں کامل تقارب موجود ہے، لیکن جنگلی چوہے اور بکری کے چار ماہہ بچے میں کچھ نہ کچھ بعد موجود ہے،

۱۲۰۰۔ اور چونکہ جسمانی مثل صرف شکاری چوپائے کے لئے مقرر ہے، پرندے کے حق میں نہیں ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو جانور شکار کیا گیا ہے اس کی جزاء میں جو جانور جسمانیست میں اس سے قریب تر مشابہت رکھتا ہو وہ دیا جائے، اگر جسمانیست میں مشابہت دشواری کا سبب ہو تو جو بھی قریب سے قریب تر ہو اس کو مشابہ تسلیم کیا جائے، جیسا کہ بچہ اور بکری میں مشابہت بعید تھی تو اس کے مثل مینڈھا معتسر کیا گیا، اور خرگوش، بکری کے ایک سالہ بچے سے چھوٹا تھا، اس لئے چار ماہ کا بچہ تجویز کیا گیا،

۱۲۰۱۔ اور پرندوں کی شکار کی صورت میں چونکہ چوپایوں میں مثل ملنا ناممکن تھا، کیونکہ دونوں میں تخلیقی طور پر اختلاف ہے، لہذا اس کے سلسلہ میں خبر و قیاس کے ذریعہ قیمت کو مثل قرار دیا گیا، کیونکہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی کسی ایسی چیز کو تلف کر دے جس کا تلف کرنا ممنوع تھا، تو تلف کر نیوالے پر مالک کے لئے اُس شے کی قیمت کی ادائیگی واجب ہوتی ہے،

۱۲۰۲۔ شافعیؒ نے فرمایا: لہذا اس قیمت کے معتسر کرنے میں ایام کا اور اس شکار کے مقام کا اعتبار کیا جائے گا، قیمت زمان و مکان کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایک پرندہ ایک مقام پر ایک درہم کا ہوتا ہے، اور دوسرے مقام پر اس سے کم قیمت کا ہوتا ہے،

۱۲۰۳۔ پھر ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ایک عادل شخص کی شہادت کو قبول کر لیں، اور جب یہ ہم پر شرط کیا گیا کہ وہ شخص عادل ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے جو اس کے خلاف (صفت رکھتا ہو) اس کی شہادت رد کر دیں،

۱۲۰۴۔ اب عادل و غیر عادل میں تمیز اس کے جسم اور الفاظ کے ذریعہ تو ہو نہیں سکتی، بلکہ اس کی تمیز کی ایک بھی صورت ہے کہ بدانہ اس کے حالات کا جائزہ لیا جائے

اور آزمائش کی جائے،

۱۲۰۵۔ چنانچہ اگر اس کے ظاہر حال سے اُس میں بہتری نظر آتی ہو تو اس کو مقبول کر لیا جائے، اگرچہ باطن کے اعتبار سے اس میں کچھ کوتاہی بھی ہو، اس لئے کہ ہم نے کسی ایک شخص کو بھی تقصیر سے مبرا نہیں پایا،

۱۲۰۶۔ اب جب کہ بُرائی و بھلائی دونوں ملی جلی چیزیں ہیں تو یہاں یہ کوشش کرنا ہوگی کہ ان میں یہ غور کریں، دونوں میں سے غالب کون ہے، تاکہ حُسن و قبح معلوم ہو سکے اور جب یہ صورت درپیش ہے تو یہ لازمی امر ہے کہ مجتہدین کے درمیان اس کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہو،

۱۲۰۷۔ لہذا جب کسی شخص کا رہائے نزدیک حُسن ظاہر ہو تو ہم اس کی شہادت قبول کر لیں گے، لیکن اگر کوئی دوسرا حاکم ہمارے علاوہ آجائے، اور اس کو اس شخص کی بُرائی ظاہر ہوں تو اس پر لازم ہوگا کہ اس کی شہادت کو رد کر دے،

۱۲۰۸۔ اور ایسا (عموماً) ہوا ہے کہ دو حاکموں نے ایک ہی امر میں رد اور قبول کا عمل کیا ہے، اور یہی اختلاف (کہلاتا ہے)، لیکن ہر حاکم نے اپنی ذمہ داری کے مطابق ہی کیا قائل نے کہا: اجتہاد کے جواز کے متعلق کوئی حدیث بھی بیان فرمادیں؟

۱۲۱۰۔ میں نے کہا: بہتر ہے: ہم سے عبدالعزیز نے حدیث بیان کی، بواسطہ یزید بن عبداللہ بن الہاد، محمد بن ابراہیم، بُسر بن سعید، ابی سعید مولیٰ عمرو بن عاص، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب کوئی حاکم اجتہاد کر کے حکم دے، از رِصواب کو پہنچ جائے، اس کو دواجر ملیں گے، اور اگر اس نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی ہوگی تو اس کو ایک اجر ملے گا،

۱۲۱۱۔ ہم سے عبدالعزیز نے ابن الہاد سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا، انھوں نے فرمایا میں نے اس حدیث کو ابو بکر بن محمد بن عمرو بن عاص سے سنا، انھوں نے فرمایا: مجھ سے ابوسلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا،

۱۔ یہاں تک کہ مختلف صورتوں سے شافعیؒ نے مجتہدین کے اجتہاد میں باہم مختلف ہونا ثابت کیا ہے، اور یہ بتلایا کہ چونکہ ہر مجتہد کا طریقہ استدلال مختلف ہوتا ہے، اس لئے ان کے باہم اختلاف سے کوئی چارہ نہیں،

۱۴۱۲۔ قائل نے کہا: یہ روایت منفرد ہے، میرے اور آپ کے مقابلہ میں ہمارا غیر اعتراض کر سکے گا،

۱۴۱۳۔ میں نے کہا: میں اور آپ دونوں اس حدیث کو ثابت کریں گے یا نہیں؟

۱۴۱۴۔ اس نے کہا: جی ہاں!

۱۴۱۵۔ میں نے کہا: جو لوگ اس کو رد کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہم اس کے ثبوت میں کیا کچھ کہیں گے؟

۱۴۱۶۔ میں نے قائل سے کہا: اس حدیث میں اعتراض کا محل کیا ہے؟

۱۴۱۷۔ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اجتہاد کی دو قسمیں بیان کی ہیں، یعنی خطا و صواب،

۱۴۱۸۔ میں نے کہا: یہی (امر) تو آپ پر حجت ہے،

۱۴۱۹۔ اس نے کہا یہ کیسے؟

۱۴۲۰۔ میں نے کہا: اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ ملے گا، اور جو امر ناجائز ہو اس میں ثواب نہیں ملا کرتا، اور نہ اس خطا میں جس کو معاف کیا گیا ہو؛

۱۴۲۱۔ اس لئے کہ اگر ایک شخص سے یہ کہا جائے کہ تم اجتہاد کرو خواہ خطا ہی کیوں نہ

کر جاؤ، اور وہ اس حکم کے مطابق ظاہر حال کو دیکھتے ہوئے اجتہاد کرے، آپ کے قول کے مطابق اگر اس نے غلطی کی تو مرفوع اقلم ہوگا، لیکن ہمارے خیال میں اس کو اس خطا پر سزا دینا بہتر ہے، یہ مناسب نہیں ہے کہ جو خطا اس کے لئے جائز نہ تھی اس پر اس کو ثواب دیا جائے، اور پھر اس کے اکثر اجتہادیات قابل مغفرت ہی ہوں گے (نہ کہ قابل ثواب، حالانکہ اس سے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے)،

۱۴۲۲۔ اور اسی میں ہمارے قول کی دلیل موجود ہے کہ انسان کو ظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے اجتہاد کا ذمہ دار کیا گیا ہو، پوشیدہ امور کے لحاظ کا مکلف نہیں ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵۔ یعنی مجتہد کے خطا کر جانے کے باوجود ثواب کا وعدہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اجتہاد ہر حالت میں جائز فعل ہے، کیونکہ مجتہد کا خطا کر جانا اگر جبرم ہو تو اس پر ثواب کا وعدہ نہ کیا جاتا، اگر اس خطا کے سلسلہ میں کوئی رعایت بھی کی جاتی تو صرف اتنی کہ معافی دیدی جاتی،

- ۱۴۲۳۔ قائل نے کہا: یہاں یہ احتمال ہے، جیسا آپ نے فرمایا، اسی طرح ہو، لیکن صواب و خطا کا کیا مطلب ہے؟
- ۱۴۲۴۔ میں نے کہا: اس کا مطلب وہی ہے جو قبلہ کو متوجہ ہونے کے موقع پر بیان کیا گیا ہے، کہ جس شخص کے سامنے قبلہ ہے، وہ بعینہ قبلہ کو متوجہ ہو، اور جس شخص کی نظر سے غائب ہو خواہ قریب ہو یا بعید ہو وہ اجتہاد کرے، چنانچہ بعض کا اجتہاد صحیح ہوگا اور بعض خطا کر جائیں گے، لہذا یہ توجہ الی القبلہ صواب و خطا دونوں کا احتمال رکھتی ہے اب آپ (جب اُن لوگوں کے حق میں) صواب و خطا کی اطلاع دینا چاہیں گے تو یہ کہہ سکیں گے کہ فلاں شخص نے مطلوب تک پہنچنے کا قصد کیا اور صواب کو پہنچ گیا خطا نہیں کی، اور فلاں شخص نے اپنی کوشش کے مطابق قصد کیا لیکن غلطی کر گیا، قائل نے کہا: یہ تو اسی طرح ہے جیسے آپ نے فرمایا، لیکن کیا آپ کے نزدیک اس معنی کے علاوہ اجتہاد کے کوئی دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں؟
- ۱۴۲۶۔ میں نے کہا: ہاں ہو سکتے ہیں، وہ یہ کہ اس کو غیر واضح امر میں اجتہاد کا مکلف کیا گیا، اب جب اس نے اجتہاد کیا تو اس حکم کی تعمیل کر دی جس کا اس کو حکم دیا گیا تھا، اور اس کا یہ فعل ظاہر کے لحاظ سے اس کے نزدیک درست ہی ہوگا، باقی رہا باطن کا علم تو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں،
- ۱۴۲۷۔ اور ہم یہ جانتے ہی ہیں کہ جب قبلہ کی طرف متوجہ ہونے میں دو شخص باوجود مختلف ہونے کے اجتہاد کرتے ہیں تو دونوں کا مقصد متعین طور پر قبلہ کی طرف توجہ کرنا ہوتا ہے لیکن کبھی ذات قبلہ کو صحیح طور پر متوجہ نہیں ہو سکتے، البتہ اجتہاد میں دونوں مصیب سمجھے جائیں گے، یہی صورت شہود وغیرہ میں ہوگی، جیسا کہ ہم نے بیان کیا،
- ۱۴۲۸۔ قائل نے کہا: کیا آپ میرے لئے اس کی مثال بیان کر سکتے ہیں؟
- ۱۴۲۹۔ میں نے کہا: میرا خیال ہے کہ ماسبق سے زیادہ واضح اور قوی اور طریقہ نہیں ہو سکتا،
- ۱۴۳۰۔ اس نے کہا: تو پھر کوئی دوسری مثال بیان فرمادیں؟
- ۱۴۳۱۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دوسے چار تک عورتوں سے نکاح کرنا اور لونڈیاں حلال فرمادی ہیں، اور مائیں، بیٹیاں، ہمشیر کاں حرام فرمادی ہیں،
- ۱۴۳۲۔ اس نے کہا: ہاں (صحیح ہے)،

۱۴۳۱- میں نے کہا: اگر کوئی لونڈی خریدے، اور ایک حیض سے پاک ہونے کے بعد اس سے صحبت کرے تو کیا یہ اس کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟

۱۴۳۲- اس نے کہا: ہاں (جائز ہوگا)،

۱۴۳۳- میں نے کہا: (اچھا) یہ شخص اس سے ایک طویل عرصہ تک صحبت کرتا رہا، اور اولاد بھی پیدا ہوئی، اس کے بعد اس شخص کو معلوم ہوا کہ یہ لونڈی اس کی ہمشیرہ ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟

۱۴۳۴- قائل نے کہا: جب تک اس کو علم نہ تھا یہ امر اس کے لئے حلال تھا، لیکن جب اس کو علم ہوا تو اب اس کے لئے جائز نہیں کہ اس سے صحبت کرے،

۱۴۳۵- میں نے کہا: آپ ایک ہی عورت کے متعلق اس سے فرما رہے ہیں کہ وہ حلال بھی ہے اور حرام بھی ہے، حالانکہ نہ اُس شخص نے کوئی نئی بات کی اور نہ اُس عورت نے،

۱۴۳۶- اس نے کہا: باطن میں وہ عورت ابتداء سے انتہاء تک اس کی ہمشیرہ ہی تھی، لیکن جب تک اس کو علم نہ تھا ظاہراً اس کے لئے حلال تھی، لیکن علم ہونے کے بعد حرام ہوگئی،

۱۴۳۷- اور یہ بھی کہا کہ ہمارے علاوہ دوسرا شخص یہ کہوگا کہ وہ شخص شروع ہی سے مجامعت کرنے میں گنہگار ہوتا رہا، لیکن (عدم علم کی وجہ سے) معاف کیا جائے گا،

۱۴۳۸- میں نے کہا: اس کو اللہ زیادہ جانتا ہے، بہر حال جو بات بھی ہو (یہ واضح ہو کہ) حکم ظاہر و باطن میں علماء نے فرق (ضرور) پیدا کر دیا، اور مجتہد کے باعتبار ظاہر کے گنہگار ہونے کے باوجود اس کے خطا کار ہونے کو لغو قرار دیا، لیکن قصداً ایسا کرنے والے کو لغو قرار نہیں دیا،

۱۴۳۹- اُس نے کہا: ہاں (صحیح ہے)

۱۴۴۰- میں نے کہا: اُس شخص کی مثال، جو لاعلمی میں اپنے کسی محرم سے نکاح کر لے اور اس کی جس کو اپنی چوتھی بیوی کے انتقال کی خبر پہنچی ہو وہ پانچویں سے نکاح کر لے، تو یہ (اس لاعلمی میں) اس کی زوجہ ہی ہوگی، اور اس کے علاوہ بھی صورتیں ہیں؟

۱۴۴۱- قائل نے کہا: ہاں بہت سی صورتیں ہیں،

۱۴۴۲- پھر کہا: آپ کا یہ بیان جس شخص کے سامنے آئے گا، یہ واضح امر ہے کہ وہ یہ سمجھ لیگا



کہ ہمیشہ کسی غائب حکم کی ذات تک دلائل کے پہنچ جانے کا نام اجتہاد ہے، اور یہ کہ صاحب اجتہاد (دوسرے) سے اختلاف کر سکتا ہے،

۱۴۴۵۔ اور کہا: اجتہاد کا طریقہ کیا ہوگا؟

۱۴۴۶۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عقل عطا فرما کر احسان فرمایا ہے، اسی عقل کے ذریعہ یہ مختلف فیہ امور میں فرق محسوس کر لیتے ہیں، اور یہی عقل نصّاً و دلالتاً حق تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے،

۱۴۴۷۔ قائل نے کہا: اس کی کوئی مثال بیان فرمادیں،

۱۴۴۸۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے بیت الحرام کو (قبلہ) مقرر فرمایا اور اُن کو حکم دیا کہ جب وہ اُن کے روبرو ہو تو خاص طور پر تعین کے ساتھ اس کی طرف منہ کریں، لیکن اگر غائب ہو تو پھر اجتہاد سے کام لیں، اور (علامت کے طور پر) ان کے لئے آسمان، زمین، آفتاب، ماہتاب، ستارے، دریا، پہاڑ، ہوائیں پیدا کیں،

۱۴۴۹۔ فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ  
لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ  
وَالْبَحْرِ،

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھارے لئے ستارے پیدا کئے تاکہ تم خشکی اور تری میں ان سے راستہ پاؤ۔

۱۴۵۰۔ اور فرمایا:

وَعَلَّمْنِي وَابْنَيْي بِالْجَبِّ هُمْ  
يَهْتَدُونَ،

”اور نشانیاں اور ستاروں سے لوگ راستہ پاتے ہیں۔“

۱۴۵۱۔ چنانچہ (ان آیات میں) اطلاع دی کہ لوگ ستاروں سے ہدایت حاصل کرتے ہیں، جو اُن کے حق میں علامات مقرر کئے گئے ہیں،

۱۴۵۲۔ لہذا خدا کے احسان کے پیش نظر بیت اللہ کی جہت یہ لوگ ان علامات کے ذریعہ ہی معلوم کرتے ہیں، اور بتوفیق خداوندی یہی امور اُن کے لئے ذریعہ ہوتے ہیں، چنانچہ بعض لوگ اپنے مقام پر رہتے ہوئے بھی اس کو حاصل کر لیتے ہیں، اور جو لوگ بذات خود حاصل نہیں کر سکتے ان کو اطلاع دیدیتے ہیں (کہ قبلہ کی جہت یہی) بعض لوگ جو پہاڑوں کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کا علم رکھتے ہیں ان کے ذریعہ

رجبت قبلہ) معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یا تاروں سے اس کی تکمیل کر لی جاتی ہو، اور شمال و جنوب و آفتاب کی مشرق و مغرب بھی (کام لیا جاتا ہے) کہ نمازی کے لئے عصر کا وقت کہاں (کب) ہوگا، اسی طرح دریاؤں سے،

۱۴۵۲- اب جو دلائل و علامات خدا نے اُن کے لئے پیدا فرمادیئے ہیں، اُن کی عقل کی بناء پر ان کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ عین بیت اللہ جس کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے، متوجہ ہونے کی حتی الامکان کوشش کریں،

۱۴۵۳- لہذا جب وہ ان علامات کے علم اور اللہ کی عطا کی ہوئی توفیق و امداد کے ذریعہ اپنی عقل سے جد و جہد کے ساتھ اس کی طلب کریں گے تو وہ اپنے اُس حق کو ادا کر دیں گے جو اُن پر واجب کیا گیا ہے،

۱۴۵۴- اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر یہ واضح فرما دیا ہے کہ اُن پر مسجد حرام کی جانب منہ کرنا فرض کیا گیا ہے، یہ فرض نہیں ہے کہ ہر حالت میں وہ عین کعبہ کو صحیح طریقہ پر متوجہ ہو اور ان کے لئے (اس شخص کی طرح جو بیت کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے) بالکل صحیح

طریقہ پر اس کی جانب متوجہ ہونا چونکہ ممکن نہیں تھا، اس لئے لوگ یہ بھی نہیں کر سکتے ہیں کہ بغیر اجتہاد بالذلائل کے یہ کہہ دیں کہ جس طرف ہمارا خیال جائے گا اُس طرف منہ کر لیں گے،

————— بنی بنی بنی بنی بنی بنی بنی —————

## بَابُ اسْتِحْسَانِ كَا بَيَانِ

۱۴۵۷- قائل نے کہا: یہ جو کچھ آپ نے کہا ٹھیک ہے کہ اجتہاد کسی مطلوب کے لئے کیا جاتا ہے، اور اجتہاد کے ذریعہ کسی متعین شے یا جو اس کے مشابہ ہو اس کی جانب قصد کرنا مطلوب ہوتا ہے، اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ استحسان کا قول اختیار کرے، خصوصاً جبکہ استحسان حدیث کے مخالف ہو، اور کتاب سنت سے جس شے کی اطلاع ملے وہاں مجتہد پر یہ فرض ہوتا ہے کہ اپنی کوشش کے ذریعہ حق تک پہنچے، تاکہ صحیح طریقہ سے اس کو حاصل کر سکے، جیسا کہ بیت اللہ کے مسئلہ میں جس شخص کی نظر سے بیت اللہ غائب ہو، اس پر صواب حاصل کرنے کے لئے اجتہاد لازم ہے، خواہ وہ قیاس ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو، اور یہ درست نہیں ہے کہ کوئی شخص بغیر اجتہاد کے کچھ کہہ دے، اجتہاد کا طریقہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا کہ بذریعہ کوشش کے حق کو طلب کرنا، اب آپ اس کو جائز خیال کریں گے، کہ ایک شخص بغیر قیاس کا طریقہ اختیار کرتے یہ کہہ دے کہ مجھے (اس جانب منہ کرنا) اچھا معلوم ہوتا ہے (اس لئے میری جانب قبلہ ہی ہوگی)؟

۱۴۵۸- میں نے کہا: میرے نزدیک تو یہ کسی کے لئے جائز نہیں، البتہ اہل علم پر یہ فرض ہو کہ جہاں کوئی حدیث موجود نہ ہو تو وہ کسی حدیث پر قیاس کر کے کوئی حکم دیدیں، لیکن غیر اہل علم کو یہ حق نہیں پہنچتا، اور ان اہل علم کے حق میں یہ قیاس علی الخبر بھی اتباع حدیث ہی سمجھا جائے گا،

۱۴۵۹- اور اگر قیاس کے طریقہ کو معطل کر دیا جائے تو پھر اہل علم کے علاوہ عامۃ الناس کے لئے بھی یہ جائز ہو جائے گا کہ جہاں کوئی حدیث موجود نہ ہو وہاں اپنے نزدیک کسی حکم کو بہتر سمجھ کر اس کے قائل ہو جائیں،

۱۴۶۰۔ اور میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ (قیامِ حجت کے لئے) پہلے کتاب اللہ ہے، پھر سنتِ رسولؐ، پھر قیاس، اب بغیر حدیث و قیاس کے کسی حکم کا قائل ہونا جائز نہیں ہے۔  
 ۱۴۶۱۔ قائل نے کہا: کتاب و سنت تو (آپ کے بیان پر) دلالت کرتے ہیں، کیوں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کا حکم دیا تو اجتہاد ہمیشہ کسی شے کی طلب کے لئے کیا جائے گا، اور اس طلب کے لئے دلائل کی ضرورت پڑے گی، اور یہی صورت قیاس کہلاتی ہے، کہنے لگا کہ پھر دلائل کے ذریعہ قیاس جس کو آپ نے بیان کیا ہو کس طرح کیا جائے گا؟

۱۴۶۲۔ میں نے کہا: کیا آپ غور نہیں کرتے کہ جب کوئی شخص کسی شخص کے غلام پر کسی قسم کی دست اندازی کر کے اس کو نقصان پہنچائے (اور پھر نقصان پہنچانے والے کو ضمان دینا پڑے) تو علماء (ضمان کے اندازہ کرنے میں) کسی تیسرے ایسے شخص سے قیمت لگانے کو کہتے ہیں جس کو بازار کے تجربات ہوں، تاکہ وہ اطلاع دینے کے وقت جس دوسرے غلام پر قیاس کرے دونوں کے صفات کا لحاظ کر کے آپ کو اطلاع دے سکے اور مال کے مالک سے قیمت بیان کرنے کو بھی اسی وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس کو تجربہ ہو۔  
 ۱۴۶۳۔ ..... لیکن ایک فقیہ عادل شخص سے جو اس کے متعلق کچھ نہ جانتا ہو، یہ نہیں کہا جائے گا کہ آپ اس غلام کی قیمت کا اندازہ کر دیں، اس غلام کی قیمت کا، اس لونڈ کی قیمت کا اندازہ لگا دیں، نہ یہ کہ اس مزدور کار گیر کی مزدوری کا اندازہ کر دیں، بلکہ یہ فقیہ اگر بغیر کسی دلیل و مثال کے ایسا کرے گا تو یہ ظلم تصور کیا جائے گا،

۱۴۶۴۔ لہذا جب ایک قلیل القیمیت کے حق میں خطا کر جانا آسان ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حلال یا حرام کیا ہو اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس میں تشفُّع اور استحسان خستیار نہ کیا جائے،

۱۴۶۵۔ استحسان و رحمتِ لالت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے،

۱۵۔ مقصد یہ ہے کہ استحسان کا عمل ایک جرم ہی بالکل اس طرح جیسے آپ کسی ایسے عالم و فقیر سے جو تجارت کے لین دین و بازاری اسشیاء کی قیمتوں کا کوئی تجربہ نہ ہو، آپ کسی غلام یا باندی کی قیمت کا اندازہ کرنے کو کہیں، اور وہ جس طرح دل میں آئے اور اس کو اچھا معلوم ہو اندازہ کر دے،

۱۴۶۶۔ اور قیاس کے سلسلہ میں وہی شخص کچھ کہہ سکے گا جو احادیث کا عالم اور (اس شبائیں) تشبیہات کو سمجھنے والا ہوگا،

۱۴۶۷۔ اور جب ایسی صورت واقع ہے تو ایک عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم کی بنا پر ہی کچھ زبان سے نکالے، اور علم سے کہنے کا ایک طریقہ یہی ہے کہ احادیث سے وقیفیت کے بعد دلائل کے ذریعہ قیاس کر کے صواب حاصل کرنے کی کوشش کرے، تاکہ یہ صواب علم ہمیشہ بلا واسطہ یا بواسطہ قیاس خبر کا متبع تصور کیا جائے، بالکل اسی طرح جس طرح بیست اللہ کو چشمِ خود دیکھنے والا اور جس کی نظر سے غائب ہے اجتہاد کے ذریعہ متوجہ ہونے والا دونوں مستبح حکم تصور کئے جاتے ہیں،

۱۴۶۸۔ اگر کوئی عالم شخص بغیر حدیث و قیاس کے کوئی حکم دیدے گا تو وہ اس جاہل سے زبا عاصی سمجھا جائے گا جو چہالت کے ساتھ کوئی حکم لگا دے، کیونکہ غیر اہل علم کے لئے کچھ کہنا ایک حد تک قابلِ معافی ہو سکتا ہے،

۱۴۶۹۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو خدانے یہ حق نہیں دیا ہے کہ کسی سابق علم کے بغیر کچھ کہے، اور حصولِ علم کا ذریعہ اب تک کتاب اللہ و سنتِ رسول و اجماع و آثار اس کے بعد میرے بیان کردہ طریقہ پر قیاس ہی رہا ہے،

۱۴۷۰۔ اور قیاس وہی شخص کر سکے گا جو تمام آلاتِ قیاس کا جامع ہو، اور یہ آلات کتاب اللہ کے احکام اس کے فرائض و مستحبات و ناخ و منسوخ و عام و خاص نصیحت کا علم ہے،

۱۴۷۱۔ (پھر یہ قوت رکھتا ہو) کہ سنتِ رسول میں جو سننِ تاویل کا احتمال رکھتی ہیں ان سے استدلال کر سکے، جب کسی معاملے میں کوئی سنت موجود نہ پائے تو پھر اجماعِ مسلمان پر عمل کرے، یہ بھی موجود نہ ہو تو قیاس سے کام لے،

۱۴۷۲۔ اور کسی شخص کے لئے اس وقت تک قیاس جائز نہیں جب تک اس کو احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اقوالِ سلف و اجماعِ امت اور ان کے درمیان اختلاف و عربی زبان پر مہارت حاصل نہ ہو،

۱۴۷۳۔ پھر صحیح العقل بھی ہو تاکہ مشتبہ امور میں تفریق کر سکے، اور جب تک کوئی امر ثابت نہ ہو جائے کسی حکم کا قائل نہ ہو،

۱۴۷۴۔ اور جو لوگ اس کے مخالف ہوں ان کی بات پورے طور پر سننے، کیونکہ ایسا کرنے



سے غفلت دُور ہو جاتی ہے، اور حُسنِ صواب جس کا وہ عقیدہ رکھتا تھا اُس کی تنبیہ کی زیادتی کا سبب ہوتا ہے،

۱۲۷۵۔ اور اس قیاس کسندہ پر یہ واجب ہے کہ وہ انتہائی کوشش و انصاف بذاتہ کے ساتھ یہ عمل کرے، تاکہ اس کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے کہا ہے کہا اور جس کو ترک کیا، کیا وہ ترک کرنے کے قابل تھا،

۱۲۷۶۔ اور جس کا وہ قائل ہو رہا ہے اپنے مخالف قول کے مقابلہ میں اسی کو ترجیح دینے کا جذبہ نہ رکھے، اس سے یہ معلوم کر سکے گا کہ جو اس نے کہا ہے متردک کے مقابلہ میں اس کو فضیلت حاصل ہے، انشاء اللہ تعالیٰ،

۱۲۷۷۔ اور وہ شخص جو ذہین تو ضرور ہے لیکن ان تمام اوصاف سے متصف نہیں ہے جن کو ہم نے بیان کیا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ قیاس کرے، کیونکہ جس چیز پر وہ قیاس کر رہا ہے اس کے متعلق وہ یہ سمجھ ہی نہ سکے گا کہ وہ مقیس علیہ ہو بھی سکتا ہو یا نہیں؟ جس طرح ایک سمجھدار فقیہ کو بازاری لین دین کا تجربہ نہیں ہو، تو اس کو کسی شے کی قیمت کا اندازہ لگانا درست نہیں ہے،

۱۲۷۸۔ اور جو شخص حافظِ احادیث ہے لیکن اس کو ان دیگر امور کی معرفت حاصل نہیں جن کو ہم نے بیان کیا، اس کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ قیاس کرے، کیونکہ اس صورت میں معانی کا سمجھ لینا اس کے لئے مشکل ہوگا،

۱۲۷۹۔ اسی طرح اگر ایک حافظِ احادیث نا سمجھ ہو، یا لسانِ عرب کی معرفت میں پوری قدرت نہ رکھتا ہو تو قیاس کے اس آلہ کی کمی کی بنا پر اس کے لئے بھی یہ درست نہیں کہ وہ قیاس کے عمل کا ارتکاب کرے،

۱۲۸۰۔ (ایسے شخص کے حق میں) ہم صرف اس امر کی وسعت کے قائل ہیں کہ وہ اتباع کرے، قیاس کے قائل نہیں،

۱۲۸۱۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نمونہ کے طور پر آپ کسی حدیث کا ذکر کر کے یہ بتلائیں کہ آپ نے اُس پر قیاس کیا اور کس طرح کیا؟

۱۲۸۲۔ اس سے کہا جائے گا، انشاء اللہ ہم یہ (بھی پیش کئے دیتے ہیں) جس مقام پر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی معنی پر دلیل مل جائے، یا اس

معنی کے مشابہ معنی پر واضح حکم لگایا جائے پھر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس کے متعلق نصاً کوئی حکم موجود نہیں، لیکن وہ واقعہ سابقہ محکوم علیہ کے ہم شکل وہم معنی ہے اس میں ہی حکم دیا جائے گا جو محکوم علیہ میں دیا گیا ہے،

۱۴۸۳۔ قیاس کے متعدد طریقے ہیں، لیکن (قیاس) کے لفظ میں تمام شامل ہیں، بعض اُن میں ابتدائی درجہ رکھتے ہیں، بعض قیاس کا محلِ صدور ہوتے ہیں، یا یہ کہ محلِ صدور ہوئے ساتھ ساتھ ابتدائی درجہ قیاس بھی ہوتے ہیں، بعض درجات دوسرے بعض کی نسبت سے زیادہ واضح ہوتے ہیں،

۱۴۸۴۔ قیاس کا قومی تر درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا اس کے رسولؐ نے کسی قلیل شے کو حرام فرمایا ہو، اس سے یہ قیاس کیا جائے گا کہ جب اس شے کا قلیل حصہ حرام ہے تو اس کا کثیر حصہ بطریقِ اولیٰ حرام ہوگا، بلکہ اس کی حرمتِ قلیل سے بھی زیادہ ہوگی، کیونکہ کثرت کو قلت پر فضیلت حاصل ہوتی ہے،

۱۴۸۵۔ اسی طرح جب کسی قلیل عمل کو قابلِ تعریف فرمایا گیا ہو تو اس کا زیادہ حصہ زیادہ قابلِ تعریف ہوگا،

۱۴۸۶۔ ایسے ہی جب کسی شے کا کثیر حصہ مباح ہو گیا ہو تو اس کا قلیل حصہ بدرجہ اولیٰ مباح ہوگا،

۱۴۸۷۔ اگر سوال ہو کہ ہر ایک کی مثال بیان فرمادیں تاکہ ہمارے لئے وضاحت کا سبب ہو سکے؟

۱۴۸۸۔ میں کہوں گا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے مومن کا جان و مال اور اس کے متعلق بدگمانی کرنے کو حرام فرمادیا ہے"

۱۴۸۹۔ لہذا جب خیر کے خلاف بدگمانی ظاہر کرنے کو حرام فرمادیا، تو اس قیاس پر اس کے متعلق ایسا قول جو حق کے خلاف اس کے متعلق کچھ ظاہر کرتا ہو بطریقِ اولیٰ حرام ہوگا، اور جس میں یہ کیفیت زیادہ ہوگی وہ زیادہ حرمت کا حامل ہوگا،

۱۴۹۰۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا  
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا  
يَرَهُ

جو شخص ذرہ کی برابر عمدہ کام کرے گا اس کی جہنم دیکھ لے گا، اور جو شخص ذرہ کی برابر بُرا کام کرے گا اس کی جہنم دیکھ لے گا،

ثُمَّ آتَيْنَاكَ ، اس کی جزا پائے گا ۛ

۱۲۹۱۔ لہذا جس کا کام ذرّہ سے زیادہ مقدار پر ہوگا وہ زیادہ قابلِ تعریف ہوگا، اور

بدی جس کی ذرّہ سے زیادہ ہوگی اس کی سزا بھی زیادہ بڑی ہوگی،

۱۲۹۲۔ اور جن اہل کفر سے ہمارا معاہدہ نہ ہو ہم سے جنگ کر رہے ہوں اُن کے جان

و مال اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حلال فرمادئیے ہیں، اُن میں سے مذکورہ ذیل کوئی

شے بھی ہمارے لئے ممنوع نہیں قرار دی، لہذا اُن کے جسم، ان کی جان کے علاوہ

اور ان کے ہر قسم کے مال بطریقہ اولیٰ مباح ہوں گے،

۱۲۹۳۔ بعض اہل علم نے اس طریقہ مذکور کو قیاس تصور نہیں کیا ہے، اُن کا کہنا ہو کہ

یہ صورت تو بالکل اللہ تعالیٰ کے حرام اور حلال کرنے کی ہے، یا (اعمالِ حسنہ پر)

تعریف و (افعالِ سیئہ پر) تذمیم کی ہے، گویا بعینہ خدا کا کیا ہوا فعل ہے، یہاں

کسی دوسرے امر پر قیاس کرنے کا وجود نہیں ہے،

۱۲۹۴۔ اسی طرح اُن تمام مقامات پر جو کسی حلال کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے حلال

ہیں، اور کسی حرام کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے حرام ہیں، کہا گیا ہے،

۱۲۹۵۔ یہ علماء قیاس صرف اُس صورت کو سمجھتے ہیں کہ کسی واقعہ کو احتمالی شکل میں مختلف

معنی کے پیش نظر اصل سے مشابہت ہو، پھر قیاس کے ذریعہ کسی ایک معنی پر معمول

کر لیا جائے، اور دوسرے کو ترک کر دیا جائے،

۱۲۹۶۔ لیکن دوسرے اہل علم فرماتے ہیں کہ نص کتاب اور سنت کے علاوہ جو امر

ان کے ہم معنی ہو ان میں نص کا حکم جاری کر دینا بھی، قیاس ہی ہے، واللہ اعلم،

۱۲۹۷۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ اس اوّل صورت کے علاوہ قیاس کی دیگر صورتیں

ایسی بھی بیان فرماؤں جن میں طرزِ بیان اور اسباب اور حجت کا اختلاف نہ پایا جاتا

ہو، اور عامۃ الناس کے فہم میں بھی آسکتا ہو،

۱۲۹۸۔ کہا جائے گا انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ

أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

لِمَنْ أَرْضَاكَ أَنْ يَبْنِيَهُ الرُّضْعَةَ

”اور مائیں دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا

ارادہ اعضا کی تکمیل کا ہو“

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَ  
كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ،  
اور فرماتا ہے : ۱۴۹۹

وَاِنْ اَرَدْتُمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا  
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
اِذَا اسَلَّمْتُمْ مَا الْمَعْرُوفِ  
اور اگر تم ان سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو ، تو  
اس میں کوئی گناہ نہیں ، بشرطیکہ طے شدہ معاوضہ  
خوبی کے ساتھ دیدو

۱۵۰۰۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند بنت عتبہ کو اجازت دی تھی کہ  
وہ اپنے شوہر ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لیا کریں جو ان کو اور ان کے بچوں کو کفایت  
کر سکتا ہو ، اور یہی بچے ابوسفیان کے بھی تھے ،

۱۵۰۱۔ کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت نے یہ بتلایا کہ اپنے بچے کو دودھ پلوانا اس

کے والد کے ذمہ پر ہے ، اور جب تک بچے چھوٹے ہیں ان کا نفقہ بھی اسی کے ذمہ پر ہے

۱۵۰۲۔ گویا جب تک بچہ اپنی ضروریات میں اپنے والد سے مستغنی نہ ہو جائے اُس وقت

تک والد پر اُس کی اصلاح کے لئے جبر کیا جائے گا ، تو اب بیٹے پر قیاس کرتے ہوئے

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح جب والد ایسے درجہ میں ہو کہ نہ کسب کر سکتا ہو ، نہ اُس کے

پاس مال ہو تاکہ اس کے ذریعہ وہ مستغنی ہو سکے تو اس کی اصلاح نفقہ اور لباس میں

اس کے بیٹے پر واجب ہے ،

۱۵۰۳۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ کا ایک جزء ہے ، باپ اپنے کسی حصہ کو بھی ضائع

نہیں کر سکتا ، جس طرح اگر بیٹے کی اولاد ہو تو وہ اُن کو ضائع نہیں کرے گا ، کیونکہ اس

کے بچے اُسی کا ایک جز ہوں گے ، اسی علت کی بنا پر تمام والدین کا یہی حکم ہو گا خواہ

وہ کتنے ہی اور پر ہوں ، اور تمام اولاد کا ہو گا خواہ کتنے ہی نیچے ہو ، لہذا میں کہوں گا کہ جو

بھی ان سے محتاج ہو کوئی پیشہ نہ کر رہا ہو ان میں سے غنی اور پیشہ ور پر اُس کا نفقہ

واجب ہو گا ،

۱۵۰۴۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس غلام کے حق میں جس کو کسی شخص نے خرید

کیا ہو ، اور (باع نے کسی عیب کو پوشیدہ رکھا ہو) اور مشتری نے اُس غلام کے ذریعہ

کوئی آمدنی حاصل کر لی ہو اس کے بعد مشتری کو وہ عیب معلوم ہوا ہو ، یہ فیصلہ

فرمایا ہے، کہ مشتری غلام کو اُس عیب کی بنا پر واپس کر سکتا ہے، اور جو آمدنی اس کو غلام سے حاصل ہوئی ہے وہ مشتری اپنے پاس رہنے دے، کیونکہ غلام اس کی ضمان میں داخل ہو چکا تھا،

۱۵۰۵۔ اس سے ہم نے استدلال کیا، جب (غلام) کی آمدنی سے بیع کے سودے کا کوئی تعلق نہیں ہے، تاکہ (غلام کی آمدنی کے) مقابلہ میں قیمت کا کوئی حصہ رکھا جاسکے، اور غلام مشتری کی ایسی ملکیت میں تھا کہ اگر اس وقت انتقال کر جاتا تو مشتری کا مال ضائع ہونا سمجھا جاتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کی آمدنی مشتری کی ملکیت اس لئے قرار دی کہ وہ مشتری کی ملکیت اور ضمان میں ہونے کے وقت حاصل ہوئی ہو، لہذا (اس قیاس پر) درختوں کے پھل اور جانور کے دودھ اور اُون ان کے بچوں اور لونڈی کے نومو لو د بچے اور ہر اس چیز کے حق میں جو مشتری کی ملکیت اور ضمان میں پیدا ہوئی یہ کہیں گے کہ مشتری کی ملکیت ہیں، اس کو روک لینے کا حق حاصل ہوگا، اسی طرح ثیبہ لونڈی سے وطی کر لینے اور اُس سے خدمت (لینے کا حکم ہوگا)،

۱۵۰۶۔ شافعیؒ نے فرمایا، (اس موقع پر) ہمارے بعض اصحاب و دیگر علماء نے حکم میں تفریق پیدا کی ہے،

۱۵۰۷۔ لہذا بعض لوگوں نے اس طرح کہا ہے کہ (غلام لونڈی کی) آمدنی اور خدمت و دیگر حاصل شدہ سامان اس شخص کا ہوگا جس نے اُن کو خرید کیا ہے، اور عیب کی بنا پر ان کو واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن ملوک سے جماع کی صورت اس کے خلاف ہو، چنانچہ لونڈی سے اگر جماع کر لیا ہے تو اس کی واپسی کا حق حاصل نہ ہوگا، خواہ یہ لونڈی پہلے سے ذائقہ چشیدہ ہی کیوں نہ ہو، اور درختوں کے پھل، جانوروں کا دوا ہوا دودھ اور اُن کی اُون، لونڈی سے نومو لو د بچے کوئی بھی مشتری کا نہ ہوگا، اس لئے کہ چوپایہ، لونڈی اور درخت اور ان کی پیداوار کوئی بھی غلام کی مانند نہیں ہے،

۱۵۰۸۔ لہذا میں نے اس قول کے قائلین میں سے بعض حضرات سے کہا: کیا غلام کی آمدنی، درخت کے پھل، لونڈی کا بچہ ان کی پیداوار نہیں ہے؟ کیا یہ (آخری) دونوں (اول) کے ساتھ مشتری کی ملک میں پیدا ہونے کے اندر مجتمع نہیں ہیں، یعنی یہ چیزیں بیع کے سودے کے وقت موجود نہ تھیں، اس سودے کو ان کوئی تعلق نہیں؟



۱۵۰۔ قائل نے کہا: ہاں، لیکن (ان دونوں مقیس و مقیس علیہ) میں فرق بھی ہے، وہ یہ کہ درخت کا پھل اُسی کا جُز ہے، (اسی سے پیدا ہوا ہے) لونڈی کا بچہ اور چوپائے کا دودھ بھی اس کا جُز ہے، بخلاف غلام کے مکسوبہ کے، وہ اُس کا جُز نہیں، (نہ اُس سے پیدا ہوا) بلکہ غلام نے اپنے پیشہ وارانہ عمل سے اس کو حاصل کیا،

۱۵۱۔ میں نے قائل سے کہا: آپ یہ بتلائیں کہ اگر کوئی معترض آپ کی حجت کے ذریعہ آپ پر اعتراض کرے، اور کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج بالضمآن (مذکور) کا فیصلہ دیا ہے، اور آمدنی غلام سے اُسی صورت میں حاصل ہوگی جب کہ وہ اپنے کسی پیشہ کے ذریعہ خستیار کرے، اب اس پیشہ وری سے (لازمًا) اپنے آقا کی خدمت نہ کر سکیگا آقا اس پر خورد و نوش وغیرہ کے سلسلہ میں صرف کرتا ہے گا، اور اس آمدنی کا مستحق اسی ترک خدمت و نفقہ کی بناء پر ہوگا، لیکن اگر اس غلام کو کوئی شخص مال ہبہ کرے (ظاہر ہے کہ) یہ ہبہ غلام کے لئے آقا کی ترک خدمت کا باعث نہ ہوگا، تو کیا یہ ہبہ کا مال آخری مالک کا نہ ہوگا؟ اول مالک کو واپس کر دیا جائے گا؟

۱۵۱۔ قائل نے کہا: نہیں، بلکہ یہ مال موزو بہ اُس آقا کا حق ہوگا، جس کی ملکیت میں غلام ہبہ کے وقت تھا،

۱۵۱۱۔ میں نے کہا: ایک حیثیت سے یہ مال غلام کی آمدنی تو ہے نہیں؟

۱۵۱۲۔ اس نے کہا اگر وہ خراج (آمدنی) بھی ہوتا تب بھی غلام کا جُز تو نہیں ہوتا،

۱۵۱۳۔ میں نے کہا: بہر حال اس مال کے حصول میں آمدنی کے معنی سے فرق ضرور ہے، ہے، کیونکہ (جس ذریعہ سے حصول مال کو آمدنی کہا جاتا ہے) اس طریقہ سے یہ مال حاصل نہیں ہوا،

۱۵۱۴۔ قائل نے کہا: اگرچہ یہ آمدنی کی حیثیت سے حاصل نہیں ہوا، لیکن مشتری کی ملکیت میں تو حاصل ہوا ہے،

۱۵۱۵۔ میں نے کہا: اسی طرح درخت کے پھل اور چوپایہ کا بچہ بھی تو مشتری کی ملکیت میں حاصل ہوئے ہیں، اور (غور کیجئے) پھل جب درخت سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو ایک مستقل چیز مانی جاتی ہے، اور پھل فروخت کیا جاتا ہے، تو اس کے ہمراہ درخت فروخت میں شامل نہیں ہوتا، یہی صورت چوپائے کے بچے کی ہے، اور

اگر ان دونوں میں سے کسی کی دلچسپی کی جائز صورت ہو تو غلام کے ساتھ اس کی آمدنی کا واپس کرنا درخت کے پھل کی نسبت سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ بعض حالات میں جو چیرپیا غلام کے تاج ہوتی ہیں، اُن میں یہی عمل کیا جاتا ہے،

۱۵۔ اور ہمارے بعض اصحاب نے غلام کی آمدنی اور ثبوت لوندی سے جماع و درختوں کے پھل میں ہماری موافقت کی ہے، لیکن لوندی کے بچے کے متعلق ہماری مخالفت کی ہے، حالانکہ یہ تمام صورتیں باہم ایک جیسی ہیں، کیونکہ تمام مشتری کی ملکیت میں حاصل ہوئی ہیں، اور اس کے علاوہ اور کوئی حکم دینا درست ہی نہیں، (کیونکہ اگر یہ حکم تسلیم نہ کیا جائے) تو پھر یہ کہنا ہوگا کہ غلام کا خریدنے والا صرف اس کی آمدنی اور خدمت کا حق رکھتا ہے، باقی اس مال کا جو غلام کو ہبہ کیا گیا ہو، یا کسی اور ذریعہ سے حاصل کیا ہو مثلاً حنزانہ مل گیا ہو کوئی حق نہیں رکھتا، فقط آمدنی اور خدمت کا حقدار ہے، نہ درخت کے پھل کا، نہ چوپائے کے دودھ کا، نہ اور کسی پیداوار کا، کیونکہ ان اشیاء میں سے کوئی بھی آمدنی نہیں کہلاتی ہے

۱۶۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کو سونے کے عوض، چھوڑے کو چھوڑے کے عوض، گندم کو گندم کے عوض اور جو کو جو کے عوض برابر نقد کی صورت میں فروخت کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے خلاف کرنے سے منع فرمایا ہے،

۱۷۔ لہذا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھانے کی اشیاء کے اقسام میں جن کے سلسلہ میں لوگ حریص ہوتے ہیں اور ناپ کر فروخت کرتے ہیں دو معنی کی وجہ سے منع فرمایا: ایک یہ کہ ان میں سے جب کسی شے کو اس کی مثل کے عوض فروخت کیا جائے، تو ایک نقد اور دوسری دین کی شکل میں ہو، دوم یہ کہ لینے دینے کے وقت ایک دوسری سے زائد مقدار میں ہو، لہذا جو شے بھی اپنے اندر یہ صفت رکھتی ہوگی، اس پر قیاس کر کے (اس کے خلاف اس کی بیع) حرام ہوگی،

۱۸۔ اور اس قسم کی وہ تمام اشیاء ہوں گی جو وزن کر کے فروخت کی جاتی ہوں

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس طویل تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ تیس کسندگان کے قیاس مختلف طرز پر ہوتے اور یہی اختلاف احکام کے اختلاف کا سبب ہوتا ہے، جیسا کہ سائل اور شافعیؒ کے درمیان بحث و مباحثہ طرز قیاس کی بناء پر واقع ہوا،

کیونکہ ایسی تمام اشیاء کھانے پینے میں مجتمع المعانی پائی جاتی ہیں، اور پینے والی چیزیں اُن چیزوں کے معنی میں ہیں جو کھائی جاتی ہوں، کیونکہ یہ تمام اشیاء یا تو انسان کے لئے قوت کا سبب ہیں یا غذا کا، یا قوت و غذا دونوں کا، اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ اُن کے سلسلہ میں بڑے حریص واقع ہوئے ہیں، حتیٰ کہ اُن کو وزن کر کے فروخت کرتے ہیں، اور یہ (امر واضح ہے کہ) وزن ناپ کے مقابلہ میں اشیاء کا احاطہ کرنے میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے، مثلاً شہد، گھی، زیتون کا تیل، شکر وغیرہ اشیاء کھانے پینے کی وزن کر کے فروخت کی جاتی ہیں،

۱۵۲۲۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو اشیاء وزن کر کے فروخت کی جاتی ہیں کیا یہ جائز ہو کہ ان کو دوسری وزنی اشیاء مثلاً سونا، چاندی پر قیاس کر لیا جائے، کیونکہ وزنی کو وزنی پر قیاس کرنا، کیلی پر قیاس کرنے کی نسبت سے زیادہ اولیٰ ہے،

۱۵۲۳۔ کہا جائے گا کہ انشاء اللہ رہم اس کا جواب بھی پیش کریں گے، ہم نے وزنی شے کو وزنی پر قیاس کرنے کو، جیسا کہ آپ نے کہا ہے، منع کیا ہے، (اس کی وجہ یہ ہے کہ) قیاس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب آپ کسی شے کو کسی دوسرے شے پر قیاس کریں تو اس کا حکم اُس دوسری شے پر لگا دیں، لہذا اگر آپ شہد اور گھی کو دینار و درہم پر قیاس کریں گے، اور جب یہ ہمجنس ہوں تو ان کی ایک دوسرے پر زیادتی سونے و چاندی کے مانند حرام کریں گے، تو کیا یہ جائز ہو گا کہ دینار و درہم نقد دے کر شہد اور گھی کی ادائیگی کی جتنی میعاد مقرر کر کے بیع کی جائے؟

۱۵ سائل کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ شہد و گھی، زیتون، کے تیل وغیرہ کو کھانے پینے کی میحلی اشیاء پر پول قیاس کرتے ہیں؟ چونکہ یہ اشیاء وزنی ہیں، لہذا ان کو ایسی اشیاء پر قیاس کیجئے جو وزنی ہیں، مثلاً سونا یا چاندی، شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ ایک شے کو دوسری شے پر قیاس کرنے سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقیس پر مقل کا حکم لگا دیا جائے، لہذا اگر روغن زیتون اور شہد و گھی ہم سونے چاندی پر دونوں کے موزونی ہونے پر قیاس کریں گے تو جو حکم سونے چاندی کو باہم بیع کرنے کے وقت دیا گیا ہے وہی حکم شہد و گھی وغیرہ کے حق میں دیا جائے گا، سونے کو سونے کے عوض، یا چاندی کو چاندی کے عوض فروخت کرنے کا حکم یہ ہے کہ نہ تو تفاضل ہو اور نہ ایک جانب تغلا دوسری جانب دین ہو، اسی طرح سونے کو چاندی کے عوض یا چاندی کو سونے کے عوض فروخت کرنے میں تفاضل اگرچہ حلال ہوتا ہے، لیکن نقد و نسیئہ بدستور ناجائز ہوتا ہے، (باقی بر صفحہ ۳۰۵)

۱۵۲۔ پس اگر قائل کہے کہ چونکہ تمام مسلمانوں نے اس کو جائز کہا ہے، اس لئے وہ بھی اس کو جائز کہے گا،

۱۵۲۔ تو کہا جائے گا کہ یہ مسلمانوں کا جائز کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ دان موز دنی اشیاء کو، اس سونا چاندی پر قیاس نہیں کیا گیا، اس لئے کہ اگر قیاس کیا جاتا تو جو حکم سونے، چاندی کا تھا وہی حکم ان اشیاء میں جاری کیا جاتا، اور ہر دو جانب سے نقد نقد فروخت کرنا ہی حلال ہوتا، جس طرح سونے کو چاندی کے عوض نقد نقد ہی کا سودا حلال ہے،

۱۵۲۔ اگر قائل کہے کہ کیا ناپ سے دی جانے والی چیزوں پر آپ قیاس کریں گے تو جو حکم اُن کا ہے وہی حکم ان میں بھی جاری کریں گے،

۱۵۲۔ میں کہوں گا: ہاں! میں اُن میں کسی حالت میں کچھ بھی فرق نہ کروں گا،

۱۵۲۔ قائل نے کہا: کیا یہ جائز ہوگا کہ آپ ایک مُد گندم نقد خریدیں، اور اس کی قیمت تین رطل زیتون کا تیل معتر کر کے اس کی ادائیگی کی میعاد معتر کر دیں؟

۱۵۲۔ میں نے کہا: نہ اس صورت میں اس طرح خرید و فروخت جائز ہے اور نہ دوسری کھانے پینے کی اشیاء میں مختلف ہونے کے باوجود ایک طرف میعاد ہونا جائز ہو،

۱۵۳۔ کھانے کی کیلی شے کا وہی حکم ہوگا جو کھانے کی موزونی چیز کا ہوگا،

۱۵۲۔ قائل نے کہا: پھر آپ دینار و درہم کے متعلق کیا فرمائیں گے؟

۱۵۳۔ میں نے کہا: وہ بذاتہ حرام ہیں، لیکن کھانے کی شے کو اُن پر قیاس نہیں کیا جائیگا

بلکہ کھانے کی اشیاء کی حرمت ایک مستقل امر ہے، اس میں مکیلی شے پر ذرونی کو قیاس کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ کھانے کی شے ہونے میں باہم متفق ہیں،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۴) اس بناء پر جب شہد و گھی و روغن زیتون کی سونے چاندی کے عوض خرید و فروخت کریں تو ایک جانب نقد و دوسری جانب نسیئہ ناجائز ہونا چاہئے، حالانکہ اس کے ناجائز ہونے کا کوئی ایک فقیہ بھی قائل نہیں، تمام علماء کے نزدیک بیع جائز ہوگی، (اس کے بعد باقی عبارت کتاب کے پورا مقصد واضح طور پر سمجھا جاتا ہے،

۱۵۲ یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی علت قیاس ان اشیاء کا اکل و شرب میں متفق ہونا ہے، اس بناء پر ان اشیاء کی باہی خرید و فروخت کا حکم یکساں ہوگا خواہ موزونی ہوں یا مکیلی، ان کے وزن اور کیل کے اختلاف سے حکم میں اختلاف پیدا نہ ہوگا۔ بخلاف سائل کے، اس کے نزدیک قیاس کی علت وزن اور کیل ہے،

۱۵۳۳۔ اگر قائل کہے کہ دراہم و دینار سے فرق بیان کیجئے ؟

۱۵۳۴۔ میں کہوں گا کہ اہل علم میں سے کسی نے بھی دراہم و دینار کے عوض کھانے پینے کی اشیاء کو خواہ ناپ کر دی جاتی ہوں یا وزن سے، میعاد مقرر کر کے فروخت کرنے سے منع نہیں کیا ہے، لیکن بذات خود دینار و درہم میں یہ جائز نہیں ہے، پھر اس مسئلہ میں بھی مجھے کوئی مخالفت معلوم نہیں ہوتا کہ مجھے (سونے چاندی کی) کان مل جائے اور میں اس کا شرعی حق ادا کر دوں، پھر اس کان کا سونا یا چاندی ایک زمانہ تک میرے پاس موجود رہے تو ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا مجھ پر واجب قرار دی جائے، (بلکہ سابق ادائیگی کافی متصور ہوگی) اور (اسی طرح) اگر میری زمین کے اناج کی پیداوار مجھے حاصل ہو، اور اس کا دسواں حصہ (شرعی) ادا کر دوں، اور پھر وہ اناج ایک زمانہ تک میرے پاس رکھا رہے تو اس کی زکوٰۃ (دوبارہ) مجھ پر واجب نہ ہوگی، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر میں کسی شخص کا کوئی مال تلف کر دوں تو اس کی (ضمان میں) اس کی قیمت دراہم دینا کی شکل میں واجب ہوگی، کیونکہ یہ دراہم و دینار مسلمان کے ہر قسم کے مال کی قیمت ہوا کرتے ہیں، البتہ دیت کا معاملہ اس سے جدا ہے،

۱۵۳۵۔ اگر قائل کہے یہ صحیح ہے،

۱۵۳۶۔ میں کہوں گا کہ: میرے بیان کے مطابق اسی تھوڑے تھوڑے فرق سے اشیاء ایک دوسرے سے متفرق ہو جاتی ہیں،

۱۵۳۷۔ اور ہم نے تمام اہل علم کو اس پر متفق پایا کہ اگر ایک مسلم کسی دوسرے مسلم کو خطا، قتل کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس کی دیت قاتل کے گھرانے والوں پر سواؤنٹ کی تعداد میں واجب ہوگی، اور یہ بھی عام بات ہے کہ یہ دیت تین سال میں مخصوص عمر کے اونٹوں سے ادا کی جائے گی،

۱۵۳۸۔ چنانچہ (یہاں) میرے قیاس کے لئے متعدد معانی پیدا ہوئے، لہذا جو اس وقت میرے ذہن میں حاضر ہیں، اس وقت میں ان کو انشاء اللہ بیان کر دوں گا،

۱۵۳۹۔ ذیل کے دو مسئلوں پر ہم نے تمام اہل علم کا اتفاق پایا ہے، یہ کہ اگر کوئی آزاد مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے حق میں قصداً کسی جہرم کا مرتکب ہو، خواہ مال کے سلسلہ میں یا جان کے سلسلہ میں تو اس کی ضمان اُس محرم کے اپنے ذاتی مال پر عائد ہوگی،



لیکن اگر کوئی جرم کسی جان پر خطا واقع ہوا تو اس کا ذمہ دار اس کا گھرانا ہوگا،

۱۵۴۰۔ پھر ہم نے تمام اہل علم کو اس میں بھی متفق پایا کہ مجرم کا خاندان مجرم کے کسی کو زخمی

کر دینے کے جرم پر صرف دیت کے ایک تہائی تک کا ضامن ہوگا،

۱۵۴۱۔ البتہ ایک تہائی کی مقدار سے کم درجہ میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے، چنانچہ جو زخم

ایسا ہو کہ اس میں انسان کی ہڈی دکھائی دیتی ہو، جس کو (موضہ) کہتے ہیں، اس کے متعلق

ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ دیت کا بیسواں حصہ دینا پڑے گا، اور اس سے کم درجہ

کے زخم میں کچھ نہیں،

۱۵۴۲۔ میں نے اس قسم کے بعض علماء سے کہا کہ: سنت پر قیاس کرنا صرف دو وجہ سے

درست ہو سکتا ہے،

۱۵۴۳۔ قائل نے کہا: وہ دونوں طریقے کیا ہیں؟

۱۵۴۴۔ میں نے کہا: یہ کہ آپ یہ کہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیت

کے متعلق خاندان کے حق میں فیصلہ کرتے پایا ہے، لہذا ہم بھی آپ کی اتباع میں اسی

کے قائل ہیں، لیکن دیت سے کم درجہ میں سزا جو کچھ واجب ہوگا وہ خود مجرم کے

مال پر ہوگا، اور آپ دیت پر غیر دیت کو قیاس نہ کریں، کیونکہ اصل امر یہی ہے کہ

مجرم اپنے جرم کی ضمان خود ہی برداشت کرے نہ کہ کوئی دوسرا، جیسا کہ قصداً زخم

لگانے میں وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور قتل خطا میں اللہ تعالیٰ نے مجرم پر دیت

اور غلام کا آزاد کرنا فرض کیا ہے، لہذا میرا خیال یہ ہے کہ یہ غلام مجرم کے مال سے (خرید)

جائے گا، اس لئے کہ اس کے جرم کی سزا ہے، لیکن دیت کو اس حکم سے اتباع سنت

کی بنا پر میں نے خارج رکھا ہے، خلاصہ یہ کہ دیت کے متعلق تو میں اتباع کروں گا،

لیکن دیت سے کم جرم کی سزا میں خود مجرم کے مال پر اس کی ضمان عائد کروں گا، کیونکہ اس پر

جسرم کی سزا میں غیر کی نسبت سے اس کا ضمان کو خود برداشت کرنا زیادہ اولیٰ ہے، اور

جیسا کہ موزوں پر مٹھ کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وارد ہوئی ہے، لہذا

میں اسی کا قائل ہوں، لیکن اس مسیح پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کروں گا،

۱۵۴۵۔ یا یہ کہ آپ ایک دوسرے طریقہ پر قیاس کریں،

۱۵۴۶۔ قائل نے کہا: وہ طریقہ کیا ہے؟

۱۵۴۷۔ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ خطار کی سزا میں قتلِ عمد سے کم درجہ کے جرم یا قصداً قتل کے جرم کے، عاقلہ پر دیت واجب کی ہے، یعنی قاتل کے گھر کے لوگ اس کو ادا کریں گے، اور یہ دیت (مقدار) میں زیادہ ہوتی ہے، لہذا جو جرم قتلِ خطار سے کم درجہ کا ہو (قیاساً) اس میں بھی میں خاندان ہی کو ذمہ دار کر دوں، کیونکہ جب خاندان کو زیادہ مقدار کا ذمہ دار کیا گیا تو اس سے کم مقدار کا بطریقہ اولیٰ ذمہ دار کیا جانا چاہئے،

۱۵۴۸۔ قاتل نے کہا: قیاس کا یہ دوسرا طریقہ زیادہ بہتر ہے، کہ اس طریقہ پر قیاس کیا جائے اور مع علیٰ یخفین سے اس کی کوئی مشابہت نہیں ہے،

۱۵۴۹۔ میں نے کہا: انشاء اللہ اسی طرح ہوگا، اور (آپ جانتے ہیں) اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ مجرم کا خاندان دیت کی ایک تہائی یا اس سے زیادہ مقدار کا ذمہ دار ہوگا اور ان علماء کا اجماع اس امر کی دلیل ہو کہ جو مقدار دیت سے کم ہوگی، اس میں اُن حضرات نے دیت سے قیاس کیا ہے،

۱۵۵۰۔ قاتل نے کہا: جی ہاں،

۱۵۵۱۔ تو میں نے اس سے کہا کہ ہمارے صاحب (امام مالک بن انسؒ) نے فرمایا ہو، (اس مسئلہ میں جو بہتر قول میں نے سنا ہے، وہ یہ ہے کہ مجرم کا خاندان دیت کی ایک تہائی یا اس سے زیادہ مقدار کا ضامن ہوگا) اور یہی اپنا مذہب بیان کیا ہے، اب آپ بتائیں کہ اگر کوئی شخص اُن کے مقابلہ میں دو حجتیں پیش کرے تو کیا جواب دے گا؟ اس نے کہا وہ دونوں حجتیں کیا ہیں؟

۱۵۵۲۔ میں نے کہا: مجرم کے خاندان کے ثلث دیت یا اس سے زیادہ مقدار کے ضامن ہونے پر ہمارا اور آپ کا اجماع ہے، اور ہم دونوں کے اجماع سے اس پر حجت قائم ہو چکی ہے، البتہ ثلث دیت کی مقدار سے کم پر ہمارے درمیان اختلاف ہو، کیونکہ اس سے کم مقدار کے متعلق کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے، لہذا (ایسا کہنے والے کو آپ) کیا جواب دیں گے؟

۱۵۵۳۔ قاتل نے کہا: میرے اجماع کا وہ طریقہ نہیں ہے جو آپ نے بیان کیا، اور جب کے آپ قاتل ہیں، بلکہ میرا اجماع اس امر میں ہے کہ عاقلہ جب اکثر مقدار دیت کی

ذمہ دار تیار رہا کرتی ہے، تو اس سے کم مقدار کی بھی ذمہ دار ہونی چاہیے، اور یہ قیاس کا درجہ ہوگا، لیکن اس کم مقدار کا ایک ہتھائی کی حد میں ہونا یہ کہاں سے مقرر کیا گیا؟ دوسری ایک شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ کم مقدار دسویں حصہ کا نواں حصہ ہو، اس سے کم مقدار کی تم پر ضمان نہیں ہوگی؟

۱۵۵۵۔ میں نے کہا: اگر وہ (ہمارا صاحب) آپ کو یہ جواب دے کہ ایک ہتھائی کا ادا کرنا اس شخص کے لئے جو ادا کرے گا اس پر گراں گزے گا، لہذا میں نے کہہ دیا، کہ ادا کرنے والے کے ہمراہ یا اس کی جانب سے اتنی مقدار ادا کرنے کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا، لیکن ثلث سے کم درجہ ادا کرنا گوارہ نہیں ہو سکتا، اس لئے ثلث سے کم کا گھرانہ ذمہ دار نہ ہوگا،

۱۵۵۶۔ قائل نے کہا: آپ یہ بتلائیں کہ اگر ایک شخص کے پاس صرف دو درہم اس کا کل مال ہوں تو کیا اس کے لئے جس طرح ثلث ادا کرنا گراں ہوگا اسی طرح ایک درہم ادا کرنا گراں نہ ہوگا، یہ تو بالکل تہی دست ہو کر رہ جائے گا، اور غور کیجئے کہ ایک شخص کے پاس کثیر مال ہے تو اس کو ایک ہتھائی دیت کا ادا کرنا کیا دشوار معلوم ہو سکتا ہو؟ میں نے قائل سے کہا: اگر وہ (ہمارا صاحب) آپ سے یہ کہہ دے کہ مدینہ کے فقہاء کا اجماع چونکہ اس مقدار پر پایا گیا، اس لئے ہم اس کے قائل ہیں، یہ صرف ہمارا اپنا قول نہیں ہے،

۱۵۵۸۔ قائل نے کہا: کیا اجماع اہل مدینہ خبر واحد سے زیادہ قوی ہے، اگر ایسا ہے تو یہ تکلف کیوں کیا گیا کہ قومی دلیل یعنی اجماع اہل مدینہ کو چھوڑ کر خبر واحد جو ایک ضعیف دلیل ہو حجت میں پیش کر دی؟

۱۵۵۹۔ ہم نے کہا: اگر آپ سے کوئی کہنے والا یہ کہدے کہ خبر کی قلت اور اجماع کی کثرت کی بنا پر ایسا کیا گیا، اور آپ خود بھی ایسا ہی عمل کرتے ہیں، چنانچہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ امر مجمع علیہ ہے،

۱۵۶۰۔ اس نے کہا: میں یاد نیکر اہل علم یہ کلام (اس پر اجماع ہے) صرف اُس وقت کہتے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ اپنے سے پہلے علماء سے مسلسل نقل ہوتا چلا آ رہا ہو، مثلاً ظہر کی چار رکعت ہیں، شراب حرام ہے، اور جو اس کے مشابہ احکام ہیں (لیکن) اُن

صاحب کو میں نے جب یہ کہتے پایا کہ مجمع علیہ ہے، تو (وہ صرف اہل مدینہ کا اجماع مراد ہوا) حالانکہ کثیر تعداد علماء مدینہ کی اس کے خلاف کی قائل ہوئی ہے، نیز دیگر شہروں کے علماء کو بھی میں نے دیکھا کہ مجمع علیہ معنی میں وہ ان کے مخالف ہیں،

۱۵۶۱۔ شافعیؒ فرماتے ہیں: میں نے قائل سے کہا کہ: بس تو آپ کے اس قول پر کہ موضع زخم سے کم درجہ کے زخم کی عاقلہ (گھرانہ) ذمہ دار نہ ہوگا، وہی لازم آتا ہے جو ہمارے اُس صاحب کے ثلث دیت کے قول پر لازم آتا ہے،

۱۵۶۲۔ قائل نے کہا: یہاں ایک اور سبب بھی ہے، وہ یہ کہ موضع زخم سے کم درجہ کے زخم کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ موجود نہیں ہے،

۱۵۶۳۔ میں نے قائل سے کہا: آپ بتلائیں اگر کوئی معترض آپ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہے (میں موضع زخم سے) کم درجہ کے زخم میں کوئی فیصلہ اس لئے نہیں دوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں کوئی حکم صادر نہیں فرمایا ہے (اس صورت میں آپ کا کیا جواب ہوگا؟)

۱۵۶۴۔ قائل نے کہا: اس معترض کو ایسا کہنے کا حق حاصل نہیں ہے، کیونکہ موضع سے کم درجہ کے زخم میں اگر وہ کوئی فیصلہ نہ دے گا، تو کم درجہ کے زخموں کو معطل تو نہیں چھوڑا جائیگا (بہر حال ان کے حق میں کوئی فیصلہ کرنا ہی پڑے گا)،

۱۵۶۵۔ شافعیؒ نے فرمایا: بس اسی طرح وہ قائل آپ کے کہدے گا کہ جب مجرم کا خاندان موضع سے کم کا ضامن نہیں ہوتا تو جو زخم اس کے کم درجہ سے بھی کم ہوگا، اس کے خاندان کا اس کا ضامن نہ ہونا کیوں ناجائز ہوگا، اور اگر موضع میں کوئی فیصلہ دے گا اور اس سے کم درجہ کے زخم میں دینے کے لئے کون امر مانع ہوگا، کیونکہ جب خاندان اکثر کا ذمہ بنا یا گیا تو اس سے کم کا بطریقہ اولیٰ ذمہ دار ہوگا، جب ہم اور آپ دونوں اس کے قائل ہیں، اور اس کے ثبوت میں آپ ہمارے صاحب کے مقابلے میں حجت بھی پیش کرتے ہیں، اور اگر یہ عمل آپ کے لئے صحیح تصور کیا جائے تو آپ کے مقابلے میں بھی صحیح مانا جائے گا،

۱۵۶۶۔ اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیسویں حصہ دیت کے متعلق فیصلہ فرمادیتے تو یہ حق تھا کہ یہ کہہ دے کہ مجرم کا گھرانہ نصف عشر (بیسویں حصے) کا اور یا مکمل دیت کا تو ضامن

ہوگا، لیکن اس کے درمیانی درجہ کا ضامن نہ ہوگا، اور یہ درمیانی قسم کے جرم کی ضمانت مجرم کے مال پر عائد ہوگی، اور یہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے، اور یہ کہہ دینا بھی جائز نہیں کہ جو جرم بصورت خطا واقع ہو اس کا ضامن مجرم کا خاندان ہی ہوگا، خواہ وہ ایک درجہ ہی کیوں نہ ہو،

۱۵۶۷۔ اور میں نے اس سے یہ بھی کہا: کہ ہمارے بعض اصحاب کا قول ہے، جب کوئی آزاد شخص کسی غلام پر دست اندازی کرے، خواہ وہ دست اندازی غلام کی جان ضائع کرنے کے درجہ میں ہو یا اس سے کم درجہ کا جرم ہو، بشرطیکہ خطا واقع ہو، ہو تو اس کی ضمانت اس مجرم کے مال پر ڈالی جائے گی، خاندان کو اس سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، خاندان غلام کی دیت نہ دے گا، لیکن ہم (اس موقع پر) یہ کہتے ہیں کہ یہ جرم ایک آزاد شخص سے واقع ہوا ہے، اور جب ایک آزاد شخص دوسرے آزاد کے حق میں خطا یا ایسا جرم کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرم کی عاقلہ پر دیت کا بار ڈالا ہے، لہذا اسی قیاس پر جب وہ کسی غلام کے حق میں خطا یا ایسا جرم کرے گا تو اس کا خاندان اس دیت کا ضامن ہوگا، اور آپ بھی اس مسئلہ میں ہمارے قول سے متفق ہیں، اور آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ غلام کی عاقلہ (گھرانے) پر یہ دیت عائد نہیں ہوتی تو اس قول میں یہ احتمال ہے کہ معنی یہ ہو، خاندان غلام کی دیت کا ذمہ دار نہ ہوگا، کیونکہ اس کی ادائیگی کا بار غلام ہی کی ذات پر ہے نہ کہ آقا کے مال پر، اس قول میں بھی آپ ہم سے متفق ہیں، اور آپ کا یہ خیال بھی قائم ہے کہ میں نے جس طریقہ سے اپنے قول پر حجت قائم کی ہے، یہ صحیح طریقہ ہے جو معنوی حیثیت سے سنت کے معنی میں داخل ہے،

۱۵۶۸۔ قائل نے کہا: ہاں (یہ صحیح ہے)

۱۵۶۹۔ شافعیؒ نے فرمایا: میں نے اُن سے کہا: آپ کے اور ہمارے ہمراہی کہتے ہیں کہ غلام کے جرم کی ضمانت اس کی قیمت سے ادا کی جائے گی جس طرح ایک آزاد شخص کے جرم کی دیت ہوتی ہے، لہذا غلام کی آنکھ ضائع کرنے کے موقع پر اس کی قیمت کا نصف دیا جائے گا، اور موضع میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ، اور آپ نے اس مسئلہ میں ہم سے اختلاف کیا ہے، کہا ہے کہ غلام کے زخم میں اتنا مال دیا جائے گا جو اس کی قیمت سے کم ہو،



۱۵۷۔ قائل نے کہا: اچھا ابتداء آپ سے میں ایک سوال کرتا ہوں، وہ یہ کہ غلام کا کسی کو زنجی کر دینے کے جرم میں اس کی قیمت دیت کی طرح ہے، آپ کے اس قول کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ آیا آپ نے کسی حدیث سے استدلال کیا ہے، یا قیاس سے کام لیا؟

۱۵۸۔ میں نے کہا: اس مسئلہ میں حضرت سعید بن مسیبؓ کی روایت موجود ہے،

۱۵۹۔ سائل نے کہا: وہ روایت نقل کیجئے،

۱۶۰۔ میں نے کہا: سفیان نے بروایت زہری حضرت سعید بن مسیبؓ کی روایت کیا، انھوں نے فرمایا: غلام کی دیت اس کی قیمت سے ادا کی جائے گی، زیادہ تر یہ روایت میں نے اُن سے اسی طرح سنی، لیکن بعض اوقات یہ الفاظ ہوتے کہ ”اس طرح ہوگی جس طرح آزاد کے زخم میں دیت دی جاتی ہے“ ابن شہاب نے کہا ہے کہ لوگوں کا قول ہو غلام کو سامان کی طرح فروخت کیا جائے گا،

۱۶۱۔ سائل نے کہا: میں نے تو آپ سے یہ خواہش کی تھی کہ آپ کوئی حدیث اپنے قول کی حجت میں بیان فرمادیں؟

۱۶۲۔ میں نے کہا: میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ سعید بن مسیبؓ کی خبر سے اعلیٰ کوئی دوسری حدیث مجھے معلوم نہیں ہے

۱۶۳۔ قائل نے کہا: اُن کے قول میں تو کوئی دلیل موجود نہیں،

۱۶۴۔ شافعیؒ نے فرمایا: کہ پھر آپ میرے دعوے کو رد کر دیجئے،

۱۶۵۔ قائل نے کہا: آپ بیان کیجئے کہ اس میں کس طرح آپ کے دعوے پر حجت پائی جاتی ہے؟

۱۶۶۔ میں نے کہا: حرر (آزاد) شخص پر قیاس کر کے،

۱۶۷۔ قائل نے کہا: یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ حرر کی دیت کے لئے ایک وقت

مقرر کیا گیا ہے، اور غلام کی دیت اس کی قیمت سے ہوگی، تو غلام کی مشابہت دیگر مالوں سے مثلاً اونٹ، گھوڑے وغیرہ سے زیادہ پائی جاتی ہے، کیونکہ ان تمام میں بھی اُن کی قیمت سے ادائیگی کی جاتی ہے،

۱۶۸۔ میں نے کہا: یہی تو دلیل ہے اُس شخص کے لئے جو یہ کہتا ہے کہ آپ کے حق میں خاندان غلام کی قیمت کا ذمہ دار نہ ہوگا،

۱۵۸۲۔ اس نے کہا: یہ کس طرح کہتا ہے!

۱۵۸۳۔ میں نے کہا: وہ اس طرح کہتا ہے کہ آپ یہ کیوں کہتے ہیں ”جب کوئی آزاد شخص

کسی غلام پر دست اندازی کرے تو عاقلہ غلام کی قیمت بطور دیت ادا کرے گی“ حالانکہ آپ کے خیال میں غلام قیمتی اشیاء کی مانند ہے، اگر کوئی شخص کسی کے اونٹ پر دست اندازی کرے تو اس کی ضمان خود مجرم کے مال پر عائد ہوتی ہے،

۱۵۸۴۔ اس نے کہا (غلام کا) نفس قابل احترام ہے،

۱۵۸۵۔ میں نے کہا: مجرم کے حق میں (کسی غیر شخص کا) اونٹ بھی نفس محترم ہے،

۱۵۸۶۔ قائل نے کہا: اس کی حرمت مومن کی طرح نہیں ہے،

۱۵۸۷۔ میں نے کہا: وہ شخص آپ سے کہدے گا کہ غلام کی ذات بھی تمام امور میں ایک

آزاد شخص کی جیسی حرمت نہیں رکھتی،

۱۵۸۸۔ میں نے کہا: غلام آپ کے نزدیک اس معنی میں آزاد مرد کے مشابہ ہے تو کیا خاندان

اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا؟

۱۵۸۹۔ اس نے کہا: ہاں! کیوں نہیں!

۱۵۹۰۔ میں نے کہا: مومن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قتل خطار میں ویت اور غلام آزاد

کرنے کا حکم فرمایا ہے،

۱۵۹۱۔ قائل نے کہا: جی ہاں (یہ بھی صحیح ہے)

۱۵۹۲۔ میں نے کہا: آپ کا یہ خیال بھی ہر کہ غلام کی صورت میں غلام آزاد کرنا، اور دیت

میں اس کی قیمت ادا کرنا لازم آتا ہے، کیونکہ غلام کی قیمت یہاں دیت کا درجہ رکھتی ہے

۱۵۹۳۔ اُس نے کہا: ہاں،

۱۵۹۴۔ میں نے کہا، یہ بھی آپ کا خیال ہے کہ غلام کے بدلے میں آزاد قاتل کو قتل

کیا جائے گا،

۱۵۹۵۔ اس نے کہا: ہاں (یہ بھی ہے)،

۱۵۹۶۔ میں نے کہا: ہمارا خیال ہے کہ ہم غلام کو غلام کے (قصاص) میں بھی قتل کریں گے

۱۵۹۷۔ اس نے کہا: میں بھی اسی کا قائل ہوں،

۱۵۹۸۔ میں نے کہا: اب تو یہ امر یقینی ہو گیا کہ میرے اور آپ کے نزدیک غلام مذکورہ

تمام امور میں آزاد مرد کے مشابہ ہے، یعنی یہ کہ ہر زخم کے سلسلہ میں ایک غلام اور ایک آزاد شخص سے ایک ہی طرح کا قصاص لیا جائے گا، لیکن اونٹ کے ساتھ غلام کی مشابہت صرف ایک ہی صفت میں ہے، وہ یہ کہ دیت میں غلام کی قیمت ادا کرنا پڑے گی، لہذا آپ غلام کسی شخص کے زخمی کر دینے کی صورت میں اونٹ کے زخمی کر دینے پر کیوں قیاس کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ زخم کے معاوضہ میں غلام کی قیمت سے کم مقدار ادا کی جائے گی، ایسا کیوں نہیں کہتے کہ آزاد شخص کے زخم کی مانند غلام کی پوری قیمت دیت کی طرح دی جائے گی، کیونکہ غلام آزاد شخص کے پانچ اوصاف میں مشابہ ہے، صرف ایک صفت میں اس سے مخالف ہے، کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اُس کو ایسی شے پر قیاس کریں جس کے ساتھ وہ پانچ معانی میں مشابہ ہے، اور اس پر قیاس نہ کریں جس کے ساتھ صرف ایک معنی میں مشابہت ہے، حالانکہ اگر غور کیا جائے تو مذکورہ معانی کے علاوہ دیگر معانی میں بھی آزاد شخص کے زیادہ مشابہ ہے، اس طرح کہ جو امور ایک آزاد مرد پر حرام ہیں وہی اُس پر بھی حرام ہیں، اسی طرح اُس پر حد و دار نماز و روزہ وغیرہ تمام فرائض کی ذمہ داری عائد ہے، لیکن چوپایوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے،

۱۵۹۹۔ قاتل نے کہا: میں نے تو (یہ پیش نظر رکھا ہے کہ) اس کی دیت میں اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے،

۱۶۰۰۔ میں نے کہا آپ کا یہ قول ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی، یہاں کون چیز آپ کے لئے اس سے مانع آئی ہے کہ آپ مرد اور عورت دونوں کی دست اندازی کے جرائم میں برابر دیت مقرر کر دیں،

۱۶۰۱۔ اور میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ اونٹوں سے دیت تین سال میں ادا کی جائیگی، اب آپ نے یہ نہیں خیال کیا کہ یہاں اونٹ قاتل کے خاندان پر دین کی شکل رکھتے ہیں، پھر آپ اُن کی بیع اور ایک مدت کے بعد ادائیگی کے جواز کا کیوں انکار کرتے ہیں اور ادائیگی دیت یا مال کتابت یا مہر پر قیاس کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ آپ ان مواقع پر اگر معاوضہ اونٹ ہوں تو آپ اُن کی ادائیگی مقرر میعاد پر جائز رکھتے ہیں لہذا اس موقع پر آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص حدیث اور قیاس دونوں کی

مخالفت اختیار کی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معین مدت تک کے لئے اونٹ قرض لیا تھا، اور اس کی بعد میں ادائیگی نہ فرمائی تھی،

۱۶۰۲۔ قائل نے کہا: اس عمل کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مکروہ سمجھا ہے،

۱۶۰۳۔ میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی دوسرے کا فعل کیسے حجت ہو سکتا ہے؟

۱۶۰۴۔ اس نے کہا: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی امر ثبوت کے درجہ کو پہنچ جائے تو (واقعی) پھر کسی دوسرے کا قول ناقابل قبول ہوگا،

۱۶۰۵۔ میں نے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ قرض لینا اور اس اونٹ سے بہتر اونٹ ایک وقت معین پر ادا کرنا ثابت ہے، نیز دیات میں ہمارے اور آپ دونوں کے نزدیک ثابت ہے، اور یہ بھی سنت کے معنی میں ہی ہے،

۱۶۰۶۔ قائل نے کہا: ایسی حدیث بھی بیان فرمائیں جن پر قیاس کیا گیا ہو،

۱۶۰۷۔ میں نے کہا: ہم سے مالک نے بواسطہ زید بن اسلم، عطار بن یسار، ابورافع سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے مقررہ مدت کے لئے ایک اونٹ قرض لیا، اس کے بعد حضور کے پاس اونٹ آئے، تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ اس شخص کا اونٹ ادا کر دوں، میں نے عرض کیا، موجودہ اونٹوں میں اُس کے اونٹ سے بہتر اونٹ کے علاوہ اس کے اونٹ جیسا موجود نہیں ہے، حضور نے نہ فرمایا وہی دیدو، کیونکہ انسانوں میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنا قرض بہتر طریق پر ادا کر دے

۱۶۰۸۔ اس نے کہا: وہ حدیث کونسی ہے جس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؟

۱۶۰۹۔ میں نے کہا: جس شے کے متعلق کتاب اللہ کا حکم منصوص ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بعض کے حق میں اس فرض کے متعلق تخفیف کر دی گئی ہو تو اس محل پر جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف فرمائی ہے صرف اس کے حق میں رخصت کا عمل کیا جائے گا، اور دوسرے امر کو اس پر قیاس نہیں کیا جائیگا یہی حکم اس وقت ہوگا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کسی شے کے متعلق عام حکم دیا گیا ہو، اور پھر کوئی ایسی سنت وارد ہوئی ہو جس نے اس عام سے مختلف حکم یا عمل کا صدور بیان کیا ہو،

۱۶۱۰۔ قائل نے کہا: اس کی کیا مثال ہے؟

۱۶۱۱۔ میں نے کہا: جو شخص سوکر سیدار ہو، اور نماز کا ارادہ کرے، اس پر اللہ تعالیٰ نے

وضو فرض فرمایا ہے، ارشاد فرمایا ہے:

وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا  
وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ  
وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ  
إِلَى الْكَعْبَيْنِ،

۱۶۱۲۔ چنانچہ جس طرح دیگر وضو کے اعضاء میں فرض معسر فرمایا، اسی طرح پاؤں میں فرض معسر کیا،

۱۶۱۳۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وضو کے اندر) موزوں پر مسح کیا، تو ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے، کہ اس مسح پر ہم عمامہ، نقاب و دستانے کو قیاس کریں، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر اعضاء وضو کے فرض کو اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے صرف موزوں پر مسح کرنے کی رخصت مرحمت فرمائی ہے نہ کہ کسی دیگر شے پر مسح کرنے کی،

۱۶۱۴۔ اس نے کہا: کیا آپ اس عمل کو قرآن کے خلاف نہیں تصور کریں گے؟

۱۶۱۵۔ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت کسی حال میں کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہوتی،

۱۶۱۶۔ قائل نے کہا: پھر تو آپ کے نزدیک اس کے کیا معنی ہوں گے؟

۱۶۱۷۔ میں نے کہا: اس (آیت) کا یہ مطلب ہو کہ جس شخص نے مکمل وضو کر کے موزے نہ پہنے ہوں (اُس پر پاؤں دھونا فرض ہے)

۱۶۱۸۔ قائل نے کہا: کیا لسانی محاذیے کے اعتبار سے یہ جائز ہے؟

۱۶۱۹۔ میں نے کہا: ہاں، جس طرح ایک شخص کا وضو موجود تھا، وہ نماز کے لئے (اسی وضو سے) کھڑا ہو گیا، (اس کی نماز صحیح ہوگی) اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا فرمائی ہیں (حالانکہ قرآن سے ہر نماز کے لئے وضو کرنا ظاہر ہوتا ہے)،



۱۶۲۰۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا  
أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً اِبِمَا كَسَبَا لِكُلٍّ  
مِّنَ اللَّهِ، وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ط  
”اور چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اللہ  
کی جانب سے اُن کے عمل کی سزا ہے، اللہ غالب  
حکمت والا ہے“

۱۶۲۱۔ اس آیت کے مضمون میں سنت نے یہ بتایا کہ ہر قسم کے چور کا ہاتھ کاٹ دینا  
مقصود نہیں ہے،

۱۶۲۲۔ بس اسی طرح سنت نے یہ بتلایا کہ وضو میں پاؤں کا دھونا اُس شخص کے لئے ہر  
جنس کامل وضو کے بعد موزے استعمال نہ کئے ہوں،

۱۶۲۳۔ قائل نے کہا: سنت میں اس کی مثال کیا ہے؟

۱۶۲۴۔ میں نے کہا: چھوڑ دوں کو چھوڑ دوں کے عوض میں فروخت کرنے سے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، مگر جب کہ دونوں برابر مقدار میں ہوں (تب اجازت  
دی ہے) پھر حضورؐ سے تازہ کجور اور چھوڑ دوں کے متعلق دریافت کیا گیا، آپؐ دریافت  
فرمایا: کیا تازہ کجور خشک ہونے کے بعد مقدار میں کم ہو جاتی ہے؟ کہا گیا: جی ہاں،  
آپؐ نے اس سے بھی منع فرما دیا، اور آپؐ نے بیع مزابنہ سے بھی منع فرمایا ہے،  
اور اس کی صورت یہ ہے کہ جو چیز اشیا برابر میں سے کیلی ہو اس کو اس کی جنس کے  
عوض انداز سے بغیر ناپ کے فروخت کیا جائے ناپ کا پتہ نہ چل سکے ان میں سے  
ہر مثال ایک دوسرے سے باعتبار معنی مجتمع ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
عرایا کی اجازت دی ہے، یہ کہ چھوڑے اندازہ کر کے لئے جائیں، اور ان کے عوض  
تازہ کجوریں جو درخت پر لگی ہوں، درخت کے مالک اپنے استعمال میں لائیں،

۱۶۲۵۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کی بنا پر ہم بیع عرایا کی رخصت  
دیتے ہیں، کہ اس طریقہ پر تازہ کجور کے عوض چھوڑے لئے اور دیئے جاسکتے ہیں، حالانکہ  
یہ صورت بھی بیع مزابنہ کی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کی رخصت موجود ہے، لہذا ہم نے خورد و نوش کی بجنس اشیا میں جبکہ  
اُن میں بعض کو ناپ سے اور بعض کو اندازہ لگا کر لیا دیا گیا، عام طریقہ پر حرمت کا حکم  
دیا، بیع مزابنہ ہونے کی بنا پر اور خصوصیت کے ساتھ آنحضرتؐ کی رخصت کو

پیش نظر رکھ کر بیع عرایا کی حلت کا حکم دیا، یہ نہیں کیا کہ دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک کو معطل کر دیتے، اور بیع عرایا پر کسی دوسری شے کو قیاس کر لیتے،  
۱۶۲۶۔ قائل نے کہا: اس قیاس نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

۱۶۲۷۔ میں نے کہا: اس مقام پر دو احتمال پیدا ہوتے ہیں، ان میں میرے نزدیک بہتر احتمال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے بیع عرایا کو مستثنیٰ کر کے حرمت کا حکم عام دیا ہو، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حرمت کا حکم بغیر مستثنائے کے دیا ہو، اور پھر بیع عرایا میں اس کے منجملہ رخصت مرحمت فرمادی ہو، بہر حال جو صورت بھی ہو ہم پر آپ کی اطاعت فرض ہے، جس کو آپ نے حلال فرمایا وہ حلال ہے، اور جس کو حرام فرمایا وہ حرام ہے،

۱۶۲۸۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے قتلِ خطار میں تلو و نٹوں کی دیت قاتل کے (گھرانے) پر واجب کی،

۱۶۲۹۔ اور قتلِ عمد قتلِ خطار سے دو امر میں مخالفت ہو (۱) قصاص (۲) زیادتی گناہ، اور ایک چیز میں موافق ہے، وہ یہ کہ کبھی اس میں بھی دیت کی شکل پیدا ہو جاتی ہے،

۱۶۳۰۔ اب چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہر فرد مجرم کے سلسلہ میں یہ تھا کہ اس کی سزا مجرم ہی کے مال پر ڈالی جائے نہ کہ کسی غیر کے مال پر، علاوہ اُس صورت کے کہ جہاں مسلم آزاد کا قتل خطا واقع ہوا ہو، لہذا ہم نے آزاد شخص کے قتلِ خطا میں قاتل کے گھرانے پر دیت کا فیصلہ کیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور جو آزاد مرد لیے قتلِ عمد کا مقتول ہو کہ اس میں دیت واجب ہوئی ہے، ہم اس میں بیت مجرم کے مال میں مجرم پر واجب کرتے ہیں، جیسا کہ قتلِ خطار کے علاوہ دوسرے جرائم میں مجرم ہی کے مال پر ضمان عائد ہوتی ہے، اور قتلِ خطار پر قیاس کر کے دوسرے کم درجہ کے جرائم میں ہم وہ حکم نہیں دیتے جو قتلِ خطار میں دیتے ہیں،

۱۶۳۱۔ اگر یہ دریافت کیا جائے کہ قتلِ خطار کو چھوڑ کر وہ جرم کونسا ہے جس کی سزا میں خود مجرم ضمان کا ذمہ دار ہوتا ہو؟

۱۶۳۲۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَأُولَئِكَ يَتْلَوْنَ الْقِسْطَ صَدَقَاتِهِمْ وَحُلَّتْ،

اور تم لوگ یہ بیویوں کو ان کے ہر خوش دلی سے دیدیا کرو

(سورۃ نسا: ۴)

۱۶۳۳۔ اور فرمایا ہے: **وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ**، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو،

(سورۃ بقرہ: ۴۳)

۱۶۳۴۔ اور فرمایا:

**فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ**، (سورۃ بقرہ: ۱۹۶)

”پس اگر کسی دشمن یا مرض کے سبب (روک دیئے جاؤ، تو قربانی کا جانور جو بھی میسر ہو“

۱۶۳۵۔ اور فرمایا:

**وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا،**  
(سورۃ المجادلہ: ۳)

”اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی چاہتے ہیں تو اُن کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ دونوں میاں بیوی باہم اختلاط کریں“

۱۶۳۶۔ اور فرمایا:

**وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِلًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ، يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِمَّنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ، أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا لَيْسَ بِوَقٍّ وَبَالَ أَمْرِهِ، عَفَا اللَّهُ عَنْمَا سَلَفَتْ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ، وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ** (سورۃ المائدہ: ۹۵)

”اور جو تم میں جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی، جو کہ مساوی ہو اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے، اور خواہ کفارۃ مساکین کو دیا جائے، اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے، اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کر دیا، اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں“

۱۶۳۷۔ اور فرمایا:

**فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ**

”تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا، اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو، یا اُن کو کپڑا دینا، یا ایک غلام اور لونڈی آزاد کرنا،

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں

(سورۃ المائدہ: ۸۹)

۱۶۳۸۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: صاحبان مال پر دن میں اپنے مال کی حفاظت واجب ہے، اور رات کے وقت چوپایہ کسی کا مال ضائع کرنے کا تو اس کی ضمان اُس چوپائے کے مالک پر ہوگی،

۱۶۳۹۔ چنانچہ کتاب و سنت (مذکورۃ الصدر) نے بتلایا کہ ان تمام صورتوں میں خود مجرم کے مال پر ضمان ہوگی، اُس حق کی ادائیگی کے لئے جو اُس پر اللہ کا ہے، یا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ طریقوں پر آدمیوں پر واجب کیا ہے، یہ نہیں کہ اس کا بار کسی دوسرے پر ڈالا ہو یا اور یہ تو جائز ہی نہیں کہ جرم ایک شخص کرے اور اس کی سزا دوسرا بھگتے، البتہ وہ مقام مستثنیٰ ہو گا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص طور پر ایسا حکم دیا ہو جیسا کہ قتل خطا یا دیگر اُن زخموں میں جو خطا سے سرزد ہوئے ہوں،

۱۶۴۱۔ اور قیاس (چاہتا ہے) کہ جب کوئی شخص کسی کے چوپائے یا سامان وغیرہ پر دست اندازی کرے تو اس کی ضمان اسی کے مال پر ڈالی جائے، کیونکہ اکثر و معروف یہی ہو کہ جو جرم کرے گا اس کی ضمان اسی کے مال پر ہوگی، لہذا یہ درست نہیں کہ اکثر و معروف کو چھوڑ کر اقل کو مقیس علیہ بنایا جائے (البتہ) اگر کوئی آزاد مرد کسی آزاد مرد کو خطا قتل کرنے تو مخصوص طور پر اس کی دیت قاتل کے گھرانے پر واجب ہوگی، اور جو جرم خطا کسی کی ذات پر واقع ہو، یا زخم لگایا گیا ہو، اور اس کی خصوصیت سنت و قیاس سے ثابت ہوتی ہے،

www.KitaboSunnat.com

۱۶۴۲۔ اور جب کسی عورت کے پیٹ سے مردہ بچہ ساقط کر دیا جائے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمان میں ایک غلام یا لونڈی کے دینے جانے کا فیصلہ فرمایا ہے، اور بعض اہل علم نے لفظ غرہ کی قیمت پانچ اونٹ بیان کئے ہیں،

۱۶۴۳۔ شافعیؒ نے فرمایا: چونکہ حدیث میں یہ تفصیل نہیں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ فیصلے کے وقت اُس مردہ بچے کے لڑکا یا لڑکی ہونے کے متعلق دریافت فرمایا تھا، اس لئے لڑکے اور لڑکی دونوں میں جب وہ مردہ حالت میں



ساقط ہوں ایک ہی حکم ہوگا، لیکن اگر بچہ زندہ پیدا ہو اور اس کے بعد مرجائے، اگر لڑکا ہے تو فقہاء نے سوا اونٹ مقرر کئے ہیں اور لڑکی ہو تو پچاس اونٹ مقرر کئے ہیں چنانچہ ان مردہ ساقط شدہ بچوں پر دیگر کسی شے کو قیاس نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مجرم کے جرائم ثابت ہونے پر ان کی سزائیں مقررہ و معروفہ ہیں، اور مرد و عورت کے درمیان اُن میں فرق رکھا گیا ہے، اور اس مسئلہ میں لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہو کر مرجائے تو اس میں پوری دیت ہوگی، لڑکا ہو تو سوا اونٹ اور لڑکی ہو تو پچاس اونٹ، پھر میں نے اس میں بھی لوگوں کا اختلاف نہیں پایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مُردے کا کوئی (عضو) کاٹ دے، نہ اس میں دیت ہے، نہ کوئی ضمان ہے، حالانکہ ساقط ہونے والا بچہ یا مردہ ہوگا یا زندہ،

۱۶۴۵- لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں حکم صادر فرمادیا ہے، اس لئے دوسرے زندہ یا مردہ انسانوں کے حکم سے تفریق کرنا لازم ہو گیا، اور چونکہ ساقط شدہ بچے کا معاملہ پوشیدہ امر ہے، لہذا لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں وہی فیصلہ واجب ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

۱۶۴۶- قائل نے کہا: کیا آپ کی سمجھ میں بھی اس کی کوئی وجہ آتی ہے؟

۱۶۴۷- میں نے کہا: صرف ایک وجہ سمجھ میں آئی ہے (باقی خدا زیادہ جانتا ہے،

۱۶۴۸- اس نے کہا: وہ کیا وجہ ہے؟

۱۶۴۹- میں نے کہا: یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب بچہ کی زندگی کا پتہ نہیں تھا، اور نہ اُس کی غماز ہوگی، نہ وہ وارث ہو سکے گا، تو درحقیقت (وہ جرم دست اندازی جس کی وجہ سے بچہ ساقط ہوا) اُس بچہ کی مال پر واقع ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مقرر فرمایا اس کی قیمت کا اندازہ مسلمانوں نے لگا دیا، جس طرح موضحہ زخم میں کیا گیا،

۱۶۵۰- قائل نے کہا: (واقعی) یہ وجہ (قابل قبول و تحمیل ہے)

۱۶۵۱- میں نے کہا: یہ وجہ تو ضرور ہو سکتی ہے، لیکن خود حدیث نے یہ تفصیل نہیں کی ہے، کہ اسی کی وجہ کی بنا پر حضورؐ نے یہ حکم دیا ہے، لہذا یہ قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ مسئلہ کی یہی وجہ ہو جس کی بنا پر آنحضرتؐ نے یہ حکم دیا ہے، اور جو شخص یہ کہے گا کہ اس علت کی بنا پر حکم دیا ہے، وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ عورت کے پیش نظر ہے کہ



مرد کے نہیں ہے، اور بچے کی ماں کا لحاظ کیا گیا ہے، باپ کا نہیں، کیونکہ جرم دست اندازی ماں پر واقع ہوا ہے، اور اس مردہ بچے کے لئے کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ مردوٹ بنایا جاسکے، اور یہ قاعدہ ہے کہ جو خوارث نہیں ہو سکتا وہ مردوٹ بھی نہیں ہو سکتا،

۱۶۵۲- قائل نے کہا: کیا یہ فرمانا صحیح ہے؟

۱۶۵۳- میں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے،

۱۶۵۴- اس نے کہا: اگر اس حکم میں یہ علت نہ ہو تو پھر اس حکم کے متعلق کیا کہا جاسکے گا؟

۱۶۵۵- ہم نے کہا: پھر تو یہی کہا جائے گا کہ یہ حکم سنت سے ثابت ہوا ہے جس کی ابتداء لوگوں پر فرض کی گئی ہے، کہ یہی حکم دیں،

۱۶۵۶- (قائل نے کہا) جہاں حدیث نے اپنے حکم کی علت و وجہ بیان کر دی ہو اس مقام پر کیا ہوگا؟

۱۶۵۷- کہا گیا کہ: یہ سنت کا حکم ایسی علت کی بناء پر ہوگا جس کی وجہ معلوم ہو گئی ہوگی، اس قسم کی سنت پر ہم تعبیری طور سے قیاس کر سکیں گے، اور جو معاملہ اس کے ہم معنی ہوگا بذریعہ قیاس اس میں یہ حکم دیا جائے گا،

۱۶۵۸- قائل نے کہا: اگر آپ کو مستحضر ہو تو کوئی دوسری صورت ایسی بیان فرمادیں جو مقیس علیہ ہونے اور نہ ہونے پر مشتمل ہو؟

۱۶۵۹- میں نے اس سے کہا: جو جانور خواہ اونٹنی ہو یا بکری، مَصْرَآۃ ہو (یعنی اُس کا دوڑھ تھنوں میں روک دیا گیا ہو) اس کو کوئی شخص خریدے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ مشتری کو یہ اختیار ہوگا کہ یا وہ اس کو اپنے پاس لے لے، یا یہ کہ واپس کر دے تو اس کے ہمراہ ایک صاع چھواروں کا بھی بائع کو دے، اور آمدنی کا حکم ضمان پر معتبر فرمایا ہے، (اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے)

۱۶۶۰- چنانچہ خراج بالضمان کے مسئلہ میں یہ امر معقولی ہے کہ جب میں کوئی غلام خرید کر دوں اور اس سے آمدنی حاصل کروں، اس کے بعد مجھے اس غلام میں کوئی عیب معلوم ہو، تو مجھے اس کی واپسی کا حق حاصل ہے، اب غلام کے اپنی ملکیت میں ہوتے ہوئے جو آمدنی اس سے مجھے حاصل ہوئی اس کی دونوعیت ہیں، ایک یہ کہ وہ غلام بائع کی ملکیت میں

نہ تھا، اور اس مال سے اس کا کوئی حق تعلق نہ تھا، دوسرے یہ کہ وہ غلام میری ملک میں تھا، اور جس وقت وہ بائع کی ملک سے بھل کر میری ملک میں آیا تھا اگر انتقال کر جاتا تو میرے مال کا ضائع ہونا تصور کیا جاتا،۔۔۔ لیکن اگر میں یہ چاہوں کہ باوجود اس کے معیوب ہونے کے اس کو اپنے پاس رکھوں تو یہ حق بھی مجھے حاصل ہے، چنانچہ آمدنی کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ میری ملکیت ہوگی)

۱۶۶۱۔ لہذا اس حدیث پر ہم قیاس کرتے ہیں، اور (کہتے ہیں) ”الخراج بالضمان“ کی بنا پر ہر وہ بھل جو درخت خرید کرنے کے بعد اس میں پیدا ہو، یا جو جانور یا لونڈی میں نے خرید کی، اس کے بچہ پیدا ہو، وہ غلام کی آمدنی کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ تمام اشیاء مشتری کی ملک میں حاصل ہوتی ہیں، بائع کی ملک میں نہیں،

۱۶۶۲۔ اور مضرات کے مسئلہ میں ہم صرف حضورؐ کے حکم کے اتباع کا قول اختیار کریں گے اور کسی دوسری شے کو اس پر قیاس نہ کریں گے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ ایک خاص بکری کی ذات کا سودا کیا گیا، جس کے تھنوں میں دودھ روک دیا گیا تھا، نہ اس دودھ کی کیفیت معلوم تھی، اور نہ قیمت معلوم تھی، بلکہ ایک پوشیدہ چیز تھی، اور ہم یہ خوب سمجھتے ہیں کہ بکری یا اونٹنی کا دودھ مختلف ہوا کرتا ہے، پھر خود ان کے دودھ میں بھی باہم اختلاف ہوتا ہے، لیکن جب ان سب کے دودھ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ (واپسی کی صورت میں) ایک صاع چھوڑے بھی دیئے جائیں تو اتباع امر رسولؐ کی بنا پر ہم کو بھی یہ کہنا ہوگا،

۱۶۶۳۔ شافعیؒ نے فرمایا: اگر کوئی شخص ایسا جانور خریدے جس کا دودھ تھنوں میں روک دیا گیا ہو، خریدنے کے بعد اس کا دودھ نکالے، اور باوجود عیب معلوم ہونے کے پھر بھی اس جانور کو اپنے پاس رکھنے پر راضی ہوا ہو، لیکن اس کے ایک ماہ کے بعد اس عیب کے علاوہ کوئی دوسرا عیب اس جانور میں معلوم ہو، جس کو بائع نے پوشیدہ رکھا ہو، اس صورت میں مشتری کو اس عیب کی بنا پر واپسی کا حق حاصل ہوگا، اور اس درمیان میں جتنا دودھ حاصل ہوا ہوگا وہ سب مشتری کا ہوگا، اُسی طرح جس طرح غلام کی آمدنی اس کی ملکیت ہوتی، کیونکہ اس دودھ کی پیداوار مشتری کی ملک میں ہوتی، بیع کے سودے کے وقت یہ موجود نہ تھا، اب مشتری کو واپس کرنے کے وقت

اُس دودھ کے عرض جو قصر یہ کا دودھ کہلاتا تھا ایک صاع چھواروں کا بائع کو دینا ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق،

۱۶۶۴۔ اب اس مسئلہ میں ہم نے روکے ہوئے دودھ میں حدیث پر عمل کیا، اور اس کے بعد والے دودھ میں (الخارج بالضان) پر قیاس کیا،

۱۶۶۵۔ پھر اُس دودھ میں جو بیح کے وقت کارکا ہوا تھا، اور اس دودھ میں جو اس کے بعد حاصل ہوتا رہا یہ فرق ہے کہ اول الذکر بیح کے وقت موجود تھا اور ثانی موجود نہ تھا، بلکہ مشتری کی ملک میں پیدا ہوا تھا، جس سے مبیع کے سودے کا کوئی تعلق نہ تھا،

۱۶۶۶۔ اگر کہا جائے کہ یہاں ایک ہی امر میں دو طرح کا حکم پایا گیا؟

۱۶۶۷۔ کہا جائے گا کہ ہاں، جب اس میں دو مختلف معنی یا زیادہ جمع ہوں تو پھر یہی صورت ہوگی،

۱۶۶۸۔ قائل نے کہا: مذکورہ مثال کے علاوہ اور کوئی مثال بھی دیجئے؟

۱۶۶۹۔ میں نے کہا: ایک عورت کو اس کے شوہر کی وفات کی اطلاع ملی، اس نے اپنی عدت پوری کی، اور اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کیا، شوہر نے اُس سے صحبت

کی (اس کے بعد اول شوہر زندہ ثابت ہوا) اب اس عورت کے لئے (ثانی شوہر پر) مہر واجب ہوگا، اور اس کی عدت پوری کرے گی، اور اولاد ثابت النسب ہوگی، ان دونوں میاں بیوی پر کسی قسم کی حد جاری نہ ہوگی، (صرف) دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، باہم دونوں وارث نہ ہوں گے، یہ تفریق فسخ نکاح متصور ہوگی، طلاق نہیں سمجھی جائے گی،

۱۶۷۰۔ لہذا (اس صورت میں) اس حیثیت سے کہ یہ (نکاح نانی حلال تھا) حلال کا

حکم دیا جائے گا، اور جہر و عدت و ثبوت نسب و دفع حذرنا کے احکام جاری ہوں گے، اور اس حیثیت سے کہ باطن میں یہ حرام تھا، حرام کا حکم لگا دیا جائے گا، اس طرح کہ اس نکاح پر باقی نہ چھوڑا جائے گا، اور علم ہونے کے بعد دوسرے شوہر کو اس عورت سے قربت ممنوع ہو جائے گی، اور باہم ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، اور یہ فسخ طلاق کا درجہ نہ پائے گا، کیونکہ (درحقیقت) یہ اُس کی زوجہ نہ تھی، نیز اس کے مشابہ دیگر صورتیں بھی ہیں، مثلاً: کوئی عورت عدت میں

۱۵ باب (القیاس) کے عنوان سے یہاں تک شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث کا خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ قیاس کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلعم و اجماع کے بعد شرعی مجتہدوں میں سے ایک حجت ہو، قیاس اس مقام پر کیا جائے گا چنانچہ کسی حادثہ کا حکم سابقہ مجتہدوں سے ثابت نہ ہو، قیاس کے عمل ہی کو اجتہاد کہتے ہیں، نیز قیاس کے مختلف طریقے ہیں، قیاس کنندگان کا باہم مختلف ہونا جائز بلکہ لا بدی ہے، ہر شخص قیاس کا اہل نہیں ہوتا، بلکہ متعدد اوصاف سے متصف ہونے کے بعد قیاس کرنا جائز ہوگا، قیاس اشیاء کے ظاہر حال پر مبنی ہوتا ہے، مجتہد کا اجتہاد خطا و صواب کے درمیان دائر ہوتا ہے، اور ہر حالت میں ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے، اس کے ساتھ ہی امامؒ نے ہر ایک امر کی مختلف مثالیں مختلف مشکلوں میں پیش کی ہیں، اور یہ ظاہر کیا ہو کہ قیاس کے وقت قیاس کنندہ کس طرح غلطیاں کرتا ہے، قیاس کے بعد تحسان کو شرعی حجت قرار دینا غلط ہو، شافعیؒ نے امتحان کے جو معنی سمجھے ہیں وہ یہ کہ انسان اپنے تعامل یا معاشرے کے بناء پر کسی شے کو مستحسن خیال کرے، اور اس کی بناء پر حکم لگائے،

چنانچہ تحلیل قبلہ کی مثال میں توجہ الی القبلہ، اور کسی شاہد کے عادل ہونے میں اس کے عدل کا تصور، اور کسی شخص کا اپنی ذات پر کسی حق کا انصرار یا اُس پر شاہدوں کی شہادت وغیرہ یہ تمام اس امر کی توضیح ہے کہ قیاس کا حکم ظاہر حال پر مبنی ہوتا ہے، اور (لا تغفلوا العید الخ) سے یہ ثابت کیا ہے کہ مجتہد کی خطا یا اجتہادی معاف کر دی گئی جس پر مواخذہ نہ ہوگا، بلکہ مستحق ثواب ہوگا، چنانچہ شکار کا مثل معتبر رکرنے میں صحابہ کا اختلاف پیش کیا ہے، اسی طرح ایک عادل کے عدل کا علم حاصل کرنے میں غلطی کا امکان اور اس کا معاف ہونا ثابت کیا ہے، پھر اجتہاد و قیاس کا احادیث کے ذریعہ ثبوت پیش کیا ہے، پھر یہ واضح کیا ہے کہ کسی ایک شے میں قیاس کے اسباب و علل مختلف ہونے کی بناء پر مختلف حکم لگائے جاسکتے ہیں، حتیٰ کہ یہ احکام ایک دوسرے کے مقابلے میں ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں، جن کی وضاحت امامؒ نے آئٹیم ۱۷۳۲ پر باندی کے ذریعہ پیش کی، نیز اس کے بعد کی تمام امثلہ اس کے پیش نظر دی گئی ہیں،

آخر بحث میں قیاس کی مختلف صورتیں اور ان کی مثالیں بحث و مباحثہ کی صورت میں پیش کر کے دو مجتہدوں کے مابین اختلاف واقع ہونے کی وضاحت مقصود ہے، اور یہ کہ جس حادثہ میں کوئی سنت موجود پائی جائے وہاں قیاس کو کوئی دخل نہ ہوگا، بلکہ اگر قیاس کی بناء پر کوئی حکم دیا گیا ہو اس کو ترک کر دینا لازم ہوگا، اور حدیث کا اتباع ضروری ہوگا،

—————

## باب فقہاء کے اختلاف کا بیان

۱۶۴۲۔ سائل نے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ قدیم و جدید ہر دو قسم کے اہل علم نے بعض امور میں اختلاف کیا ہے، تو کیا یہ اُن کا اختلاف اُن کے لئے جائز تھا؟

۱۶۴۳۔ شافعیؒ نے فرمایا، میں نے اس سے کہا: اختلاف کی دو قسمیں ہیں، ایک اختلاف حرام ہے، اور دوسرا حرام نہیں ہے،

۱۶۴۴۔ اس نے کہا: وہ اختلاف جو حرام ہے وہ کونسا ہے؟

۱۶۴۵۔ میں نے کہا: جس امر میں کتاب اللہ یا سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح منصوص

طور پر حجت قائم ہو گئی ہو ایسے موقع پر کسی عالم بالکتاب و السنۃ کے لئے اختلاف حلال نہیں ہے

۱۶۴۶۔ لیکن چہاں (اس کتاب و سنت میں) تاویل اور اجراء قیاس کا احتمال ہو، اور اس مقام

پر تاویل کرنے والا قیاس کرنے والا کسی ایسے معنی کو اختیار کر لے جس کا احتمال خبرو

قیاس میں ہو سکتا تھا، خواہ دوسرے علما نے اس کے خلاف قول اختیار کیا ہو، تو اس

اختلاف میں اس شخص پر اتنی سختی نہیں کروں گا جتنی کہ میں نے منصوص میں کی ہے،

(یعنی یہ جائز ہوگا)،

۱۶۴۷۔ اس نے کہا: ان دونوں اختلافوں کے درمیان فرق کرنے کے سلسلہ میں کیا آپ

کے پاس کوئی دلیل بھی ہے جس کو آپ بیان کر سکیں؟

۱۶۴۸۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی مذمت میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا تَفْقَهُ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَةُ،

”اور اہل کتاب نے اس وقت اختلاف اختیار کیا

جب اُن کے پاس حجت آگئی“

(سورۃ البینۃ: ۴)

۱۶۴۹۔ اور جہل و شمارہ نے فرمایا ہے:



وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَفَرُوا  
وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ  
الْبَيِّنَاتُ (سورة آل عمران: ۱۰۵)

”تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو واضح حجت آنے کے بعد باہم متفرق و مختلف ہوئے“

۱۶۸۰۔ چنانچہ ان آیات میں حجّت قائم ہو جانے کے بعد اختلاف کی مذمت کی گئی ہو، لیکن جس مقام پر اُن کو اجتہاد کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اس کی مثال (مسئلہ) قبلہ و شہادت وغیرہ کے ذریعہ میں پیش کر چکا ہوں،

۱۶۸۲۔ سائل نے کہا: میرے لئے کوئی ایسی مثال بیان فرما دیں جہاں اللہ تعالیٰ کی کسی نص میں جو کہ تاویل کا احتمال رکھتی تھی، علماء سلف نے اختلاف کیا ہو، پھر اُس میں طریقہ صواب تک پہنچنے پر دلالت بھی موجود ہو؟

۱۶۸۳۔ میں نے کہا: ایسی صورت کا وجود تو بہت کم ہے کہ جہاں سلف کا اختلاف ہوا ہو، اور اس کے متعلق کتاب اللہ یا سنتِ رسولؐ سے کوئی دلالت موجود نہ ہو، یا اُن دونوں یا اُن میں سے کسی ایک پر قیاس نہ کیا گیا ہو،

۱۶۸۴۔ سائل نے کہا: اس کو بیان فرما دیں؟

۱۶۸۵۔ میں نے اس سے کہا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَوْنَ بَأَنفُسِهِنَّ  
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ (سورة البقرة: ۲۲۸)

”عورتیں تین متروک تک انتظار کریں“

۱۶۸۶۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: (قرود سے طہر مراد ہے) اور اسی

کی مانند حضرت زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے،

۱۶۸۷۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت نے فرمایا ہے: (قرو حیض

ہی) لہذا جب تک مطلقہ عورت تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے اُس وقت تک

یہ حضرات (دوسرے کے لئے) اس کو حلال نہیں فرماتے،

۱۶۸۸۔ سائل نے کہا: آپ ان دونوں جماعتوں میں سے کس کی طرف مائل ہیں؟

۱۶۸۹۔ میں نے کہا: یہ امر مجمع علیہ ہے کہ افتراء اوقات ہیں، اور یہ اوقات مطلقہ

عورتوں کے لئے اُن کی عدّت کے علامات مقرر کئے گئے ہیں، تاکہ وہ اس عرصہ میں

(دوسرے) نکاح کا اقدام نہ کریں، جب تک عدّت مکمل نہ ہو جائے،

۱۶۹۰۔ اور جو لوگ (اقرار) سے حیض مراد لیتے ہیں، میرے خیال میں اُن کا مذہب یہ ہو کہ جن اشیاء کے لئے اوقات مقرر ہوتے ہیں تو یہ اوقات اُن اشیاء سے کم مقدار رکھتے ہیں، جس طرح کسی شے کے حدود کم درجہ میں ہوا کرتے ہیں، چنانچہ حیض طہر کے مقابلے میں کم مقدار رکھتا ہے، اور لغوی حیثیت سے عدت کا معیار ہونے کے لئے بھی زیادہ مناسب ہے، بالکل اس طرح جیسے چاند دو مہینوں کے درمیان حدِ فاصل ہو کر رہتا ہے،

۱۶۹۱۔ اور غالباً یہ لوگ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ اوطاس کے قیدی عورتوں کے متعلق فرمایا تھا کہ ان عورتوں سے صحبت کرنے سے قبل ایک حیض کے ذریعہ ان کا استبراء (رحم کا صاف ہونا) معلوم کر لیا جائے، لہذا ان حضرات نے خیال کیا کہ یہ استبراء عدت ہے، اور اسی کو حضور نے حیض کے ذریعہ مقرر فرمایا (اس سے معلوم ہوا کہ اقرار سے حیض مراد ہے) اب ان حضرات نے لونڈی اور آزاد عورت کے استبراء میں فرق کیا ہے، وہ یہ کہ آزاد عورت کا استبراء تین حیض سے ہوگا، جن کے بعد (عورت) طہر میں آکر (عدت سے) خارج ہو جائے گی، جس طرح لونڈی ایک حیض کے بعد طہر میں پاک و صاف سمجھی جائے گی،

۱۶۹۲۔ سائل نے کہا: یہ مذہب تو (قوی ہے) پھر آپ نے اس کو چھوڑ کر دوسرا مذہب کیوں اختیار کیا؟ حالانکہ آیت دونوں کی محمل ہے،

۱۶۹۳۔ میں نے کہا: چاند کا دیکھنا لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مہینوں کی علامت قرار دیا ہے، چاند بذاتِ خود رات اور دن کے خلاف ایک دوسری شے ہے، اور یہ کبھی ۳۰ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے، (جس پر ایک مہینہ کی انتہاء ہوتی ہے اور دوسرے کی ابتداء) جس طرح چاند (کے علاوہ) تیس اور بیس کے اعداد پر انتہاء ہونے کے بعد) پھر عدد از سر نو شروع کیا جاتا ہے، یہاں اس کے صرف یہی معنی پیدا ہوتے ہیں، لیکن (مستراً) اگر یہ وقت ہے، مگر اس کا شمار رات و دن کے ذریعہ ہوتا ہے، (ان دونوں سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے) اور حیض و طہرات دن میں عدت بنائے گئے ہیں، اور اسی طرح وقت (شئی) کی حدود سے بھی مشابہت رکھتا ہے، اب کبھی تو وہ جس شے کی حد مقرر کیا گیا ہے اس میں داخل ہوتا ہے، اور

کبھی فاجح ہوتا ہے لیکن بغیر مہانت کے، لہذا یہاں معنوی حیثیت سے وقت ہی سمجھا جائیگا  
۱۶۹۳۔ سائل نے کہا: یہ معنوی حیثیت کیا ہے؟

۱۶۹۵۔ میں نے کہا: حیض کے یہ معنی ہیں کہ (عورت کا) رحم خون کو بہا دے یہاں تک کہ خون ظاہر ہونے لگے، اور طہریہ ہے کہ رحم میں خون ٹھہر جائے ظاہر نہ ہو، اب طہریہ یعنی خون کا ٹھہر جانا جس کہلائے گا، ارسال نہیں کہا جائے گا، لہذا (مستراً) کا طہریہ کے معنی میں ہونا بلحاظ زبان (عربی) زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ وہ وقت ہوگا جس میں خون کا حبس ہوگا،

۱۶۹۶۔ اور جس وقت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بی بی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ ان سے کہو کہ وہ (طلاق) سے رجوع کر کے بی بی کو روکیں، حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے، پھر بائیکا کی حالت میں بغیر صحبت کے طلاق دیں، اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے،  
۱۶۹۷۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف (اشارہ فرمایا):  
إِذَا حَلَّتُمُ التَّسَاءَ فَطَلَّقُوهُنَّ  
يَحِلُّ لَكُنَّ،

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں طہریہ کو عدت فرمایا ہر نہ کہ حیض کو،  
۱۶۹۸۔ نیز اللہ تعالیٰ نے (ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) فرمایا ہے، تو اب مطلقہ پر تین قرو پورے کرنا واجب ہوا، لہذا اگر مستراً اپنے وقت میں تاخیر کر گیا (طویل ہو گیا) تو عورت (دوسرے شخص کے لئے) حلال نہ ہوگی، حتیٰ کہ اُس کا آئسہ ہونا (یعنی حیض سے ناامید ہونا) ثابت ہو جائے، یا اس کی امید ہو تو پھر اس کی عدت ہینوں سے شمار کی جائیگی، اور (عورت کے حلال ہونے میں غسل) کو کوئی دخل نہ ہوگا، کیونکہ غسل تین مستراً کے علاوہ دوسری چیز ہے، چنانچہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ عورت پر غسل واجب ہے (غسل کرنے کے بعد اس کی عدت ختم ہوگی) اس پر لازم آتا ہے کہ اگر عورت ایک سال تک بھی غسل نہ کرے تو (دوسرے نکاح کے لئے) حلال نہ ہو،

۱۶۹۹۔ لہذا جو حضرات قرآن سے طہریہ مراد لیتے ہیں اُن کا قول کتاب اللہ سے زیادہ قریب

ہی، پھر عربی زبان بھی ان معانی کے سلسلہ میں واضح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،  
 ۱۴۰۰۔ باقی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھاس کے واقعہ کی مفید عورتوں کے متعلق  
 یہ حکم دینا کہ ایک حیض گزار جانے دیں تو ظاہر یہ ہے کہ طہر جو حیض سے قبل موجود تھا، اس  
 کے بعد لونڈی کو صحیح معنی میں مکمل حیض آیا، تو اب وہ (اس کے بعد والے طہر) میں  
 حمل سے پاک سمجھی جائے گی، لیکن (اگر لونڈی) حیض میں مبتلا تھی تو یہ حیض صحیح نہ  
 کہلائے گا، بلکہ صحیح حیض وہ ہوگا جو کامل حیض ہو، لہذا جو طہر کامل حیض کا ہوگا، وہ  
 بظاہر لونڈی کے رحم کے پاک و صاف ہونے کی علامت ہوگا،

۱۴۰۱۔ اور معتدہ کی عدت اپنے اندر دو وصف رکھتی ہے، (اول، استبراء (دوم) غیر استبراء  
 (جو تعبیری طور پر ہوتا ہے) حالانکہ اس کے ہمراہ استبراء بھی پایا جاتا ہے، (ایک معتدہ پر)  
 یقیناً دو حیض دو طہر اور پھر تیسرا طہر آئے گا، لہذا اس صورت میں اگر استبراء کی طرف  
 لحاظ کیا جائے گا تو دو مرتبہ استبراء حاصل ہو چکا ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ہی تعبیر  
 اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل بھی موجود ہے،

۱۴۰۲۔ سائل نے کہا: اس مثال کے علاوہ آپ اور کوئی ایسی مثال بیان فرما سکتے ہیں  
 جن میں فقہاء نے اختلاف کیا ہو؟

۱۴۰۳۔ میں نے کہا: ہاں اس سے بھی زیادہ واضح مثال میرے خیال میں موجود ہے جس کا  
 کچھ بیان اختلاف روایت فی الحدیث میں آچکا ہے، اس میں آپ کے اس سوال  
 کا جواب موجود ہے، بلکہ جو اس کے مثل صورت ہو اس پر بھی انشاء اللہ دلالت موجود  
 ہوگی،

۱۴۰۴۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ  
 ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ، (سورۃ البقرہ: ۲۲۸)

”اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (بکراہ سے)  
 روکے رکھیں تین حیض تک“

۱۴۰۵۔ اور فرمایا ہے:

وَاللَّائِي يَكُونْنَ مِنَ الْمُحْضِرِ  
 مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ امْرَأَتُهُمْ  
 فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ

”تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں (بوجہ زیادہ  
 ہن کے) حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تم  
 کو ان کی عدت کے تعین میں شبہ ہو تو ان کی عدت“

وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ،  
اور اسی طرح جن عورتوں کو راب تک بوجہ کم عری کے،  
حیض نہیں آیا، اور حاملہ عورتوں کی عدت اس  
حمل کا پیدا ہو جانا ہے،

۱۶۰۔ اور فرمایا:

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ  
يَذَرُونَ أَرْوَاحًا تَرْبِضْنَ  
بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَ  
عَشْرًا، (سورۃ البقرہ: ۲۳۲)  
”اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں، اور  
بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیبیاں اپنے آپ کو زکاح  
وغیرہ سے) روک رکھیں چہار مہینے و عشر دن  
تک“

۱۶۱۔ چنانچہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے  
مطلقات کا ذکر کرتے ہوئے حاملہ عورتوں کی عدت وضع حل قرار دی ہے، اور جس  
عورت کا شوہر وفات پایا گیا ہو اس کی عدت چار ماہ دس یوم، لہذا جو عورت  
حاملہ ہو اور اس کا شوہر بھی وفات پا جائے، اس کی عدت وضع حل اور چار ماہ دس  
یوم پورے کر لینا ہوگی، تاکہ ہر دو عدتیں پوری ہو سکیں، کیونکہ صرف وضع حل سے عدت  
پوری ہو جانا مطلقہ کے حق میں منصوص ہے،

۱۶۲۔ گویا ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ وضع حل سے رحم کی برأت (پاکی) معلوم  
ہو جاتی ہے، اور چار ماہ دس یوم حکم خداوندی کی تعمیل کرنے کے لئے ہیں، لیکن اگر  
کسی غیر مدخولہ عورت کا شوہر وفات پا جائے تو اس پر صرف چار ماہ دس یوم کی  
عدت ہوگی، (بخلاف حاملہ متوفی) کے، کیونکہ اُس پر ایک شے دو وجہ سے واجب ہو  
یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک دوسری کی وجہ سے اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے، جیسے  
اُس پر دو شخصوں کے دو حق واجب ہوں تو ایک کے حق کی ادائیگی دوسرے کے  
حق کو ساقط نہ کرے گی، اور جس طرح وہ عدت کے اندر ہی نکاح کر لے اور یہ شوہر  
اس سے ہم صحبت ہو جائے تو یہاں اول کی عدت بھی پوری کرے گی اور دوسری  
کی بھی پوری کرے گی،

۱۶۳۔ اور دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یہ ہے کہ اگر شوہر کی میت  
چار پائی پر رکھی ہو اور وضع حل ہو گیا تو عدت ختم ہو گئی،



۱۷۱۰۔ شافعیؒ نے فرمایا: چنانچہ آیت دونوں معنی کا احتمال رکھتی ہے، اور ان دونوں معنی سے جو ظاہر و معقول معنی ہے وہ یہ ہے کہ وضع حمل کے ساتھ ہی عدت ختم تصور کی جائے،

۱۷۱۱۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے یہ بتلایا ہے کہ وضع حمل موت کی صورت میں بھی آخری عدت ہوگی، جس طرح طلاق کی صورت میں ہوتی ہے،

۱۷۱۲۔ سفیان، زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے: سبیعہ سلمیہ کے شوہر کی وفات کے چند راتیں گزرنے کے بعد اُن کے وضع حمل ہو گیا اُن کی طرف سے ابوالسنابل بن بعلک کا گذر ہوا، انھوں نے سبیعہؓ سے کہا کہ تم دوسرے شوہروں کے لئے تیار ہو رہی ہو، حالانکہ چار ماہ دس یوم پورے کرنا ہیں، اس کا ذکر سبیعہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ابوالسنابل نے غلط کہا ہے“ یا فرمایا: ”ابوالسنابل نے جو کچھ کہا ہے اُس طرح حکم نہیں ہے، تم عدت سے خارج ہو گئیں، (دوسرا) نکاح کر سکتی ہو“

۱۷۱۳۔ سائل نے فرمایا: جب کسی مقام پر سنت کی دلالت موجود ہو تو اس کے مخالف کسی کا قول قابل حجت نہیں ہوتا، لیکن آپ ایک ایسی مثال پیش کیجئے جہاں قرآن کی نص کے یا اس سے استنباط کے لئے سنت کی دلالت موجود نہ ہو، یا وہاں قیاس کی دلالت بھی نہ پائی جائے،

۱۷۱۴۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِن تَسَائِمِهِمْ  
قَرَّتْ بُصُ أَمْ بَعَثَ أَشْهُرُ فَيَا  
فَاؤُ فَيَا فَيَا فَيَا فَيَا فَيَا  
وَلَا عَزْمُ الطَّلَاقِ، فَيَا  
اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

جو لوگ اپنی بیبیوں سے نزدیک ہونے کی قسم کھالیتے ہیں چار ماہ انتظار کریں، اگر رجوع کر لیں تو اللہ بلاشبہ غفور و رحیم ہے، اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیا ہو تو اللہ مستنا جانتا ہے

۱۷۱۵۔ شافعیؒ نے فرمایا: اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایات ہم کو پہنچی ہیں اُن سب کا اقتضائے یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد ایلا کر کے دالے کا فعل موقوف ہوگا، یا تو وہ رجوع کر لے، یا یہ کہ عورت کو طلاق دیدے،

۱۷۱۔ ان حضرات کے علاوہ دیگر بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ چار ماہ گزرنے کے ساتھ ہی عورت کو قطعی طلاق ہو جائے گی،

۱۷۲۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ پر میرے ماں دباپ فدا ہوں، اس مسئلہ میں کوئی حکم محفوظ نہیں ہے،

۱۷۳۔ سائل نے کہا: پھر آپ نے کس کا قول اختیار کیا؟

۱۷۴۔ میں نے کہا: میرا مذہب یہ ہے کہ ایلاہ کرنے والے پر طلاق لازم نہ ہوگی، اور اگر درمیان میں اس کی زوجہ اس سے اپنے حق کا مطالبہ کرے گی تو چار ماہ گزرنے سے قبل اس کی طرف کوئی توجہ نہ کرے گا، ہاں جب چار ماہ گزر جائیں گے تب میں اس کے شوہر سے کہوں گا کہ یا تم رجوع کر لو، یا اس کو طلاق دیدو، اور زوجہ کی طرف واپسی ہم صحت ہونے سے ہو سکے گی،

۱۷۵۔ اس نے کہا: اس قول کو آپ نے اس کے مخالف قول پر کیوں پسند کیا؟

۱۷۶۔ میں نے اس سے کہا: اس لئے کہ اس قول کو میں نے کتاب اللہ سے زیادہ مشاہد اور معقول پایا،

۱۷۷۔ سائل نے کہا: کتاب اللہ سے اس پر کس طرح دلالت ہوتی ہے؟

۱۷۸۔ میں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمادیا:

لَّذَيْنِ يَؤْتُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصًا أَمَّتَهُ آَشَهُنَّ، تو اس آیت کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک شے میں چار ماہ کی ہملت دی ہے تو اس کے لئے چار ماہ گزرنے سے قبل عورت کی طرف واپسی وغیرہ کا کوئی راستہ نہیں ہے، اس نے کہا: اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ایلاہ کرنے والے کو چار ماہ کے اندر رجوع کرنے کا حق دیا ہو، جیسا کہ آپ (کسی سے کہیں) کہ اس مکان کی تعمیر مکمل کرنے کے لئے میں تم کو چار ماہ کی ہملت دیتا ہوں ان کے اندر یہ مکمل ہو جانا چاہیے،

۱۷۹۔ شافعیؒ نے فرمایا: میں نے سائل سے کہا: جو شخص اس کلام (آیت) سے مخاطب

کیا جائے گا وہ اس سے وہ معنی نہیں سمجھے گا (جو آپ نے بیان کیا ہے) جب تک کلام کی ردش میں کوئی تشریح موجود نہ ہو، اگر کوئی شخص اس طرح (دوسرے سے)

کہے کہ میں نے اس (فعل) کے لئے چار ماہ مقرر کئے ہیں، تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ اس کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر کی گئی ہے، اگر یہ گزر گئے اور وہ اس سے فارغ نہ ہوا تو پھر اس کو مزید راستہ نہ دیا جائے گا، لہذا اگر چار ماہ کا کچھ حصہ بھی باقی ہے اور ابھی وہ شخص ممکن کی تعمیر فارغ نہیں ہوا تو اس کو غلا وعدہ کرنیکا الزام نہ دیا جائیگا، البتہ جب پورے چار ماہ گزر جائیں تب اس پر یہ الزام عائد ہو گا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مکان کی تعمیر کے کلام میں اس مطلب پر دلالت موجود ہوتی ہے کہ چار ماہ کے عرصہ میں اس کی تعمیر ختم ہو جانا چاہئے، حالانکہ یہ علم یقینی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مکان کی کچھ تعمیر ایسی رہ جاتی ہے جو چار ماہ میں پوری نہیں ہوتی،

۱۷۲۶۔ اور ایلا سے رجوع کرنے کی صورت میں کوئی ایسی دلالت موجود نہیں ہے کہ چار ماہ سے کم میں رجوع کا عمل نہیں ہو سکتا، کیونکہ زوجہ سے ہم صحبت ہونا پلک مارنے میں انجام دیا جاسکتا ہے، چنانچہ آپ کے بیان کے مطابق ایلا کرنے والے کے حالات چار ماہ کے اندر متغیر ہوتے رہیں گے، حتیٰ کہ یہ مدت گزر جائے گی تو اس کی ابتدائی حالت بالکل متغیر ہو چکی ہوگی، اور اب یہ ثابت ہو گا کہ ایلا کرنیوالے پر اللہ تعالیٰ کا ایک حق ہے، لہذا یا تو رجوع کرے یا طلاق دے،

۱۷۲۷۔ اب جب کہ آپ کے مذہب پر آیت کے آخر میں کوئی دلالت (متعین) طور پر موجود نہیں ہے تو اب ہمارے بیان کردہ معنی آپ کے معنی مراد سے اولیٰ قرار پائیں گے اس لئے کہ وہ معنی آیت سے ظاہراً سمجھ میں آجاتا ہے، (اور ذہن اس کی طرف ہی سبقت کرتا ہے)

۱۷۲۸۔ جب تک کہ خود قرآن سے یا سنت سے یا اجماع سے یہ ثابت نہ ہو کہ یہاں اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں بلکہ باطنی معنی مطلوب ہیں اس وقت تک قرآن سے اُس کے ظاہری معنی ہی مراد لئے جائیں گے،

۱۷۲۹۔ سائل نے کہا: آپ کے بیان کردہ معنی پر آیت کے سیاق میں کس طرح دلالت موجود ہے؟

۱۷۳۰۔ میں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے (پہلے) یہ فرمایا کہ ایلا کرنے والے کو چار ماہ دیئے جاتے ہیں، اور اس کے بعد فرمایا: (فَإِنْ قَامُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ، تو اس طرح بلا فاصلہ دو حکم

بیان فرمادیئے، یعنی رجوع کرنا یا طلاق دینا، اب یہ دونوں حکم چار ماہ گزرنے کے بعد (ایک ساتھ واقع ہوں گے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رجوع کرنے یا طلاق دینے کا اختیار ایک ہی وقت میں دیا ہے، اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک حکم کو دوسرے پر مقدم کیا جائے جب کہ دونوں کا ایک ہی وقت ذکر فرمایا گیا ہے، جیسا کہ اگر کسی شخص کے پاس کوئی چیز رہن ہو (اور رہن رکھنے والے سے کہا جائے، یا تو اس کے عوض کا مال دید دیا، ہم اس کو آپ کی طرف سے فروخت کر کے (اپنا حق وصول کر لیں گے) اور اس کلام میں وقت کے بیان میں فاصلہ نہ کیا جائے، (تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ وقت واحد میں دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو) یہی حکم ہر اُس معاملہ کا ہے جس میں دو شے کے درمیان بلا فصل ایک وقت میں اختیار دیا گیا ہو،

۱۷۳۱۔ اور یہ جائز نہیں ہو کہ دو حکم بلا فصل ذکر کئے جائیں، اور (ان میں سے) رجوع کے حکم کو مقدم کر کے چار ماہ کے اندر جاری کیا جائے، اور طلاق کے حکم کو چار ماہ گزرنے کے بعد پر موقوف رکھا جائے، کیونکہ اس طرح ایک حکم میں وسعت دینا اور دوسرے میں تنگی پیدا کر دینا لازم آئے گا،

۱۷۳۲۔ اس نے کہا: لیکن آپ کا تو یہ قول بھی ہے کہ اگر ایلا کرنے والے نے چار ماہ کے درمیان واپسی کر لی تو یہ درست تسلیم کی جائے گی؟

۱۷۳۳۔ میں نے کہا: جی ہاں! وہی بات ہے جو میں نے کہی ہے، (خور کیجئے) اگر آپ پر کسی کا کوئی حق ہو جس کا وقت مقرر ہو اور آپ اُس حق کو میعاد سے پہلے ادا کر دیں تو آپ بری الذمہ ہو جائیں گے، اور آپ کا یہ عمل آپ کے محسن ہونے کا سبب ہوگا کیونکہ آپ نے عجلت کے ساتھ ادائیگی کا وقت آنے سے قبل حقدار کے حق کو ادا کر دیا،

۱۷۳۴۔ پھر میں نے سائل سے کہا: اگر ایلا کرنے والا چار ماہ کے اندر ہر روز زوجہ کو واپس کرنے کا پختہ ارادہ کرتا ہے، لیکن واپس نہ لے، حتیٰ کہ چار ماہ گزر جائیں تو آپ بتلائیں کیا وہ شخص (اپنے اس عمل) سے گنہگار ہوگا؟

۱۷۳۵۔ اس نے کہا: رجوع کرنے کا پختہ ارادہ تو اُس وقت تک کوئی حقیقت نہیں

رکھے گا جب تک وہ رجوع نہ کر لے، بشرطیکہ رجوع کی قدرت رکھتا ہو،  
۱۷۳۶ میں نے کہا: اگر اس نے بغیر نیت (وعزم) کے بی بی سے صحبت کر لی تو ایلاہ کی  
طلاق کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا، کیونکہ صحبت کرنا ہی مقصود تھا؟

۱۷۳۷ سائل نے کہا: ہاں!

۱۷۳۸ میں نے کہا: یہی حکم اُس صورت میں بھی ہوگا، جب شوہر (مولیٰ) نے یہ عزم کر لیا  
ہو کہ وہ رجوع نہیں کرے گا بلکہ ہر روز قسم کھا کر کہتا ہے کہ رجوع نہیں کرے گا، لیکن  
پھر چار ماہ کے اندر وہ زوجہ سے ہم صحبت ہو جاتا ہے تو وہ ایلاہ کی طلاق سے بری ہو جائے گا  
اور اس وقت بھی جبکہ ہم صحبت ہونے کے وقت اس نے رجوع کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو  
یہی ہوگا کہ ایلاہ کی طلاق کی ذمہ داری اُس پر نہ پڑے گی؟

۱۷۳۹ اس نے کہا: ہاں (یہ بھی درست ہے)،

۱۷۴۰ میں نے کہا: (خلاصہ یہ ہے) ایلاہ کرنے والے کا یہ عزم کہ وہ رجوع نہیں کرے گا  
یا بغیر ارادہ رجوع صرف لذت حاصل کرنے کے لئے اس کا ہم صحبت ہونا، اس کی  
ایلاہ کی طلاق سے بری الذمہ ہو جانے پر کوئی اثر نہیں ڈالتے، بلکہ ہمارے اور آپ کے  
نزدیک (ہر حالت میں بری ہو جائے گا) بس اس کا جمار کر لینا ہی (کافی ہوگا)؟

۱۷۴۱ سائل نے کہا: یہ حکم اسی طرح ہو جیسا کہ آپ نے فرمایا صرف ہم صحبت  
ہو جائے خواہ کسی طریقہ پر بھی ہو،

۱۷۴۲ میں نے کہا: ایک شخص ہر دن یہ ارادہ کرتا رہا کہ وہ جمار کے ذریعہ ایلاہ سے  
رجوع کرے گا اسی طرح چار ماہ گزر گئے، اس پر طلاق کس طرح لازم ہو جائے گی،  
حالانکہ اس نے نہ تو طلاق کا عزم کیا تھا، اور نہ طلاق اس کی زبان سے ادا ہوئی تھی  
(کیا جو شخص اس طلاق کے لازم ہونے کا قائل ہو) اس کا یہ قول کسی کے نزدیک  
بھی عقلاً صحیح ہو سکتا ہے؟

۱۷۴۳ سائل نے کہا: اس قول میں عقلاً کیا فساد ہے؟

۱۷۴۴ میں نے کہا: آپ یہ تو فرمائیں ایک شخص اپنی زوجہ سے یہ کہتا ہے کہ ”خدا کی  
قسم میں تجھ سے کبھی قربت نہ کروں گا“ اور یہ کہتا ہے ”تجھے چار ماہ تک طلاق ہو“  
کیا یہ اس کے دونوں قول حکم میں برابر ہوں گے؟



۱۷۴۵۔ کہا: اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں،  
 ۱۷۴۶۔ میں نے کہا، اگر اس شخص نے چار ماہ سے قبل صحبت کر لی (تو کیا حکم ہوگا)؟  
 ۱۷۴۷۔ سائل نے کہا: پھر وہ حکم نہیں ہوگا جو اس قول کا ہے کہ ”تجھے چار ماہ تک طلاق  
 ہو“ (اس قول میں چار ماہ کے بعد قطعاً طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ اس نے جماع کر لیا  
 ہو تب بھی)

۱۷۴۸۔ فرمایا: تو پھر ایلا کرنے والے کا کلام طلاق جیسا نہیں قرار پاسکتا، بلکہ اس کی  
 صورت قسمیہ جیسے کلام کی ہوگی، پھر جب اس کے بعد وہ مدت آئے گی جو اس نے  
 طلاق کے لئے مفسر رکھی تھی (تب اس سے کہا جائے گا کہ طلاق نے یا رجوع کر)  
 اب کیا کسی صاحب عقل کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایسا حکم لگائے (جو لگایا گیا ہے)  
 جب تک کہ کوئی حدیث اس کے متعلق نہ وارد ہوئی ہو؟  
 ۱۷۴۹۔ اس نے کہا: اس مذہب کا قائل آپ کے قول پر بھی ایسی ہی حجت  
 قائم کرے گا،

۱۷۵۰۔ میں نے کہا: وہ کس طرح؟

۱۷۵۱۔ اس نے کہا: آپ کا یہ قول ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد توقف کیا  
 جائے گا، اور ایلا کرنے والے سے کہا جائے گا کہ یا وہ اپنی زوجہ سے رجوع  
 کر لے، یا اس پر طلاق دینے کے لئے جبر کیا جائے گا کہ طلاق دے،

۱۷۵۲۔ میں نے کہا: یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس کے ایلا (کا کلام طلاق) قرار  
 دیا گیا ہو، بلکہ یہ قسم کی طرح کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لئے ایک  
 وقت مقرر کر دیا ہے کہ وہ اس وقت میں عورت کو نقصان نہ پہنچائے، اور  
 یہ حکم دیا ہے کہ کچھ کرنا چاہے تو یا رجوع کرے یا طلاق دے، اور یہ حکم ایلا کی  
 مدت ختم ہونے کے بعد دیا جائے گا، اس لئے کہ اس حکم کے وجود کی ابتداء  
 کا محل یہی ختم مدت ہوتا ہے، چنانچہ اس پر جبر کر کے کہا جائے گا کہ یا  
 تو رجوع کرے یا طلاق دے، اب اگر وہ اس عمل سے انکار کرے گا تو اس  
 سے وہ شخص مواخذہ کرے گا جس میں اس سے مواخذہ کرنے کی طاقت  
 ہے، (یعنی حاکم) اس کو طلاق دے گا، کیونکہ اب جمع کیا جانا ممکن نہیں رہا،

۱۷۵۳۔ نیز صحابہ کا موراثہ کے سلسلہ میں بھی اختلاف ہوا ہے، حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے ہم مذہب حضراتؓ کہا ہے: ہر وارث کو وہ حصہ دیا جائے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے، اس کے بعد اگر کچھ باقی رہے اور میت کا کوئی حصہ یا دلا کا سلسلہ نہ ہو تو ما بقی مال مسلمانوں کے (بیت المال) کا ہوگا،

۱۷۵۴۔ اور دیگر بعض (صحابہ) سے مروی ہے کہ جو مال باقی رہا ہے وہ ذوی الارحام کو دیا جائے گا، لہذا اگر کسی میت نے صرف ایک ہمیشہ چھوڑی تو نصف مال اس کے مقررہ حصہ کے لحاظ سے اس کو ملے گا، اور باقی نصف بھی اسی کی طرف رد کر دیا جائے گا،

۱۷۵۵۔ بعض لوگوں نے کہا: پھر آپ اس فاضل مال کو اُس طرف واپس کر دینے کا قول کیوں اختیار نہیں کرتے؟

۱۷۵۶۔ میں نے کہا: میں اس پر کتاب اللہ سے استدلال کرتا ہوں،

۱۷۵۷۔ سائل نے کہا: آپ کے قول پر کتاب اللہ سے کیا دلیل ہے؟

۱۷۵۸۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”اِنْ اَمْرٌ وَّ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ اُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ، وَهُوَ يَرِثُهَا اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ“  
”اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو، صرف ایک ہمیشہ چھوڑے تو اس کو مرد کو نہ ملے گا، اور اس کا بھائی اس بہن کا (اسی طرح) وارث ہوگا، اگر اس ہمیشہ کی اولاد نہ ہو“

۱۷۵۹۔ اور فرمایا ہے:

”وَ اِنْ كَانُوا اِخْوَةً رِّجَالًا وَ نِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْمُنْثٰیٰ“  
”اور اگر زیادہ بہن بھائی ہوں تو مرد کو عورت کا دُہرا حصہ ملے گا“

۱۷۶۰۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تنہا ہمیشہ کا ذکر فرماتے ہوئے اس کا نصف حصہ مقرر فرمایا ہے اور اتنے ہی پر کلام کو ختم فرمادیا، اور تنہا بھائی کو ذکر منکر ماکر کلام کو ختم فرمادیا، اس کے بعد چند بھائی اور بہنوں کا ذکر فرمایا، اور بہن کو بھائی کے حصہ کا نصف دینا مقرر فرمایا،

۱۷۶۱۔ اور میت کی ہمشیر کے تنہا ہونے کی صورت میں اور بھائی کے موجود ہونے کی صورت میں احکام برابر کے رکھے، اس طرح کہ تنہا ہوگی تو نصف متروکہ اس کا ہوگا، اور بھائی کے ساتھ اس کے حصہ کے برابر نہ پائے گی،

۱۷۶۲۔ اب اگر ایک شخص کا انتقال ہو، اور اپنے وارثوں میں صرف ہمشیرہ چھوڑے، اُس وقت آپ یہ کہیں کہ نصف اس کو فرض مقرر کے اعتبار سے دیا جائے گا، اور باقی اسی کو نصف بطور رد کے دیا جائے گا، تو گویا آپ نے تمام مال تنہا اسی ہمشیرہ کو دیدیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے انفراد اور اجتماع دونوں حالتوں میں نصف ہی معسر فرمایا تھا (ایک حالت میں کل مال کا نصف اور دوسری حالت میں بھائی کے حصہ کی مقدار کا نصف)۔

۱۷۶۳۔ سائل نے کہا: باقی رہا ہوا نصف، میں اس کو میراث ہونے کی حیثیت سے نہیں دیتا، بلکہ میں اس کو رد کر کے اس طرف لے آتا ہوں،

۱۷۶۴۔ میں نے اس سے کہا: (رد کرنے کے کیا معنی ہیں؟) کیا یہ ایسا امر ہے کہ جس کو آپ نے بہتر سمجھا ہے اور یہ خیال کیا ہے کہ آپ کو یہ حق ہے کہ (اس فاضل متروکہ کو) جہاں چاہیں رکھ دیں؟ اگر چاہیں تو ہمسایوں کو دیدیں اور چاہیں تو کسی بعید النسب کو دیدیں (اگر ایسا ہے) تو کیا آپ کو یہ حق پہنچتا ہے؟

۱۷۶۵۔ اس نے کہا: حاکم کو یہ حق تو نہیں ہے، لیکن میں نے صاحبِ رحم ہونے کی بناء پر اسی کی طرف (یہ مال) واپس کر دیا،

۱۷۶۶۔ (میں نے کہا) تو کیا میراث سمجھا جائے (یا کیا خیال کیا جائے)؟

۱۷۶۷۔ کہا: اگر میں میراث ہی کہہ دوں؟

۱۷۶۸۔ میں نے کہا: بس تو آپ نے اُس بہن کو اللہ تعالیٰ کی وراثت کے خلاف وارث بنایا،

۱۷۶۹۔ سائل نے کہا: یہ میں آپ سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَأُولَٰئِكَ الْأَسْرَحَامُ بَعْضُهُمْ

”اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں

أَذْنِي يَبْعُضُ فِي كِتَابِ اللَّهِ، ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حق دار ہیں“  
(سورة الانفال: ۵)

۱۷۷۰۔ میں نے اُن سے کہا: (أُولَئِكَ حَامِ أَذْنِي يَبْعُضُ) اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہے کہ لوگ باہم حلیف ہونے سے ایک دوسرے کو وارث بنالیا کرتے تھے، اس کے بعد اسلام اور ہجرت کے تعلق سے بنائے گئے، چنانچہ ایک مہاجر دوسرے مہاجر کا وارث ہوتا، اور اس مہاجر کے وارثوں میں سے جو شخص مہاجر نہ ہوتا وہ وارث نہ بنایا جاتا، حالانکہ (رشتہ میں) یہ غیر مہاجر میت سے زیادہ قریب ہوتا، لہذا اس آیت نے نازل ہو کر فرائض معسر کر دیئے،

۱۷۷۱۔ سائل نے کہا: آپ اپنے اس قول پر دلیل پیش کریں،

۱۷۷۲۔ میں نے کہا: مذکورہ آیت فرائض مقرر کرنے کے متعلق ہی نازل ہوئی ہو، کیا آپ یہ غور نہیں کرتے کہ رحمی رشتہ دار کچھ ایسے بھی ہیں جو وارث ہوتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو وارث نہیں ہوتے، اور ذوی الارحام میں سے شوہر ایسا فرد ہے جو تمام رحمی رشتہ داروں سے زیادہ حصہ پاتا ہے، اور اگر رحمی رشتہ کی بنا پر آپ میراث دلاتے ہیں، تو اس صورت میں بیٹی کا رشتہ باپ سے اُسی درجہ کا ہے جو بیٹے کا باپ سے ہے، اور (اس طرح) تمام رحمی رشتہ دار ایک ساتھ وارث ہوں گے، نیز شوہر جو کہ ذی رحم نہیں ہے اسکی نسبت سے وراثت کے زیادہ حصہ دار ہوں گے،

۱۷۷۳۔ اور اگر آیت کے وہی معنی ہوں جو آپ نے بیان کئے تو آپ ہمارے قول کے ایک اور مسئلہ میں بھی مخالفت کرنے والے ہوتے، وہ یہ کہ آپ ترکہ بہن کو اور میت کے موالی دونوں کو دیتے ہیں، نصف بہن کو اور باقی نصف موالی کو، حالانکہ موالی میت کے رحمی رشتہ دار نہیں ہیں، اور نہ اُن کے لئے کتاب اللہ میں کوئی حصہ مقرر و منصوص ہے،

۱۷۷۴۔ نیز جَد کی میراث میں بھی ان حضرات کا اختلاف ہے، حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا ہے، اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے

بھی یہی مردی ہے، کہ میت کے بھائیوں کے ساتھ جد کو وارث بنایا جائے،  
۱۷۷۵۔ اور حضرت ابوبکر صدیق و ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جد

باپ کے درجہ میں ہے، بھائی اس کے ساتھ محروم ہوں گے، ایسا ہی حضرت عائشہؓ اور ابن زبیرؓ و عبد اللہ بن عتبہؓ سے مردی ہے،

۱۷۷۶۔ قاتل نے کہا: پھر آپ نے جد کے ساتھ بھائیوں کے وارث ہونے کو اپنا مذہب کیوں قرار دیا؟ کیا کتاب اللہ سے اُس پر کوئی دلالت موجود ہے یا سنت سے موجود ہے؟

۱۷۷۷۔ میں نے کہا: کتاب اللہ یا سنت رسولؐ سے تو کسی شے کا ثابت ہونا مجھے معلوم نہیں،

۱۷۷۸۔ اس نے کہا: پھر تو ان صحابہؓ کے، جو جد کے مقابلے میں بھائیوں کو محروم کرتے ہیں، اخبار اور دلائل قیاسیہ ان کے حق میں کافی ہیں،

۱۷۷۹۔ میں نے کہا: وہ کیا دلائل ہیں؟

۱۷۸۰۔ اس نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ باپ کا لفظ (جد) پر صادق آتا ہے، اور میں آپ لوگوں کو اس امر پر مجتمع پاتا ہوں کہ ماں کی اولاد کو آپ جد کے مقابلے میں محروم قرار دیتے ہیں، اور میراث کے چھٹے حصہ سے کم مقدار کا حصہ نہیں دیتے، چنانچہ یہ تمام احکام باپ کے احکام ہیں،

۱۷۸۱۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم ”باپ“ کا لفظ اُس پر صادق آنے کی وجہ سے اُس کو وارث نہیں بناتے،

۱۷۸۲۔ کہا: یہ کس طرح؟

۱۷۸۳۔ میں نے کہا: آج (باپ) کا لفظ صادق آنے کے باوجود وارث نہیں بھی ہوتا ہے،

۱۷۸۴۔ کہا: یہ کس مقام پر

۱۷۸۵۔ میں نے کہا: کبھی جد کے ساتھ باپ بھی موجود ہوتا ہے، اور اس وقت بھی اس پر باپ کا لفظ صادق آتا ہے، حتیٰ کہ حضرت آدمؑ تک یہ لفظ بولا جاسکتا ہے، لیکن جب باپ کے ساتھ جد بھی موجود ہو تو محروم



ہوتا ہے وارث نہیں ہوتا، (یہ بھی ہوتا ہے) کہ کافر یا ملوک یا قاتل ہوتا ہے، اور ان صورتوں میں وارث نہیں ہوتا، حالانکہ باپ کا اسم اُس پر صادق آتا ہے، لہذا اگر صرف باپ کا اسم بولے جانے کی بناء پر وارث ہوتا تو ان تمام حالات میں بھی وارث ہوتا،

۱۷۸۶۔ باقی رہا جد کی وجہ سے مادری اولاد کو محروم کر دینا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے متعلق حدیث وارد ہو چکی ہے، یہ نہیں ہے کہ اس کو باپ کہا جاتا ہو اور یہاں تو ہم ماں کی اولاد کو پڑپوتی بلکہ اس سے نیچے کی اولاد کے سبب سے بھی جد کو محروم کر دیتے ہیں،

۱۷۸۷۔ رہا چھٹے حصہ سے کم نہ دینا تو یہ دادی کے حق میں بھی موجود ہے، کہ ہم دادی کو چھٹے حصہ سے کم (کسی وقت) میں نہیں دیتے،

۱۷۸۸۔ بلکہ ہم نے یہ جو کچھ بھی کہا ہے اتباع کے لئے کہا ہے، اس وجہ سے نہیں کہا ہے کہ جد، باپ کے ساتھ باپ کے لفظ میں بعض مواقع پر شامل ہے تو ہر مقام پر شامل رہے گا، اگر ایسا ہوتا کہ بعض معانی میں باپ کی مثل ہونے کی وجہ سے تمام معانی میں باپ کی طرح تصور کیا جاتا، تو پوتی خواہ کسی نیچے کے درجے کی ہو جد کے موافق ہوتی، کیونکہ پوتی کے موجود ہونے پر ہم ماں کی اولاد کو محروم کر دیتے ہیں، اور جد کا بھی حکم اُس کے موافق ہے، کیونکہ جد کا حصہ ۱/۴ سے کم نہیں ہوتا،

۱۷۸۹۔ قائل نے کہا: ہمارے اس قول کے کہ (جد کے مقابلے میں بھائی محروم ہوں گے) ترک کرنے کے لئے آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟

۱۷۹۰۔ میں نے کہا: آپ کے قول کا قیاس سے بعید ہونا ہی (میرے قول کی حجت ہے)

۱۷۹۱۔ سائل نے کہا: ہم تو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا قول بالکل قیاس ہی ہے،

۱۷۹۲۔ میں نے کہا: آپ یہ فرمائیں، کیا جد اور میت کا بھائی (میت) کی طرف رشتہ میں بذاتہ ہی اُس سے تعلق رکھتے ہیں، یا کسی دوسرے کے واسطے سے میت سے ان کا رشتہ ہے؟

- ۱۷۹۳- کہا: آپ کا کیا مقصد ہے؟ (میں سوال کا مطلب سمجھ نہ سکا)؟
- ۱۷۹۴- میں نے کہا: (میرا یہ مقصد ہے) کہ جد کہتا ہے میں میت کے باپ کا باپ ہوں، اور بھائی کہتا ہے میں میت کے باپ کا بیٹا ہوں،
- ۱۷۹۵- اُس نے کہا: ہاں!
- ۱۷۹۶- میں نے کہا: (مطلب یہ نکلا) کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میت کے باپ سے اپنے درجے میں اپنا رشتہ ظاہر کرتا ہے؟
- ۱۷۹۷- سائل نے کہا: جی ہاں، (اس میں کیا شک ہے)!
- ۱۷۹۸- میں نے کہا: آپ فرض کیجئے کہ ایک میت کا باپ مر گیا، اُس نے اپنے بعد اپنا وارث ایک بیٹا اور باپ چھوڑا، اس کے ترکے کی تقسیم کس طرح ہوگی؟
- ۱۷۹۹- سائل نے کہا: مترکہ کے پانچ حصے بیٹے کو اور ایک حصہ یعنی سدس باپ کو دیا جائے گا،

۱۸۰۰- میں نے کہا: جب بیٹا میراث کے حق میں باپ سے زیادہ حصہ پارہا ہو اور بھائی جو کہ میت کے باپ سے رشتہ رکھنے کی بناء پر میت کی طرف منسوب ہے، اور دادا باپ کا باپ ہونے کی بناء پر میت سے نسبت رکھتا ہے (اس لئے دونوں میت کے باپ کی وساطت سے اس سے رشتہ رکھتے ہیں) پھر کونسی وجہ ہے کہ آپ جد کے سبب سے بھائی کو محروم کر دیتے ہیں؟ اور اگر ان دونوں میں سے کسی کو کسی کے سبب سے محبوب قرار دیا جائے تو جب (دادا) بھائی کے سبب سے محبوب قرار دیئے جانے کا زیادہ مستحق ہے، کیونکہ باوجود میت سے برابر کے رشتہ کے، بھائی میراث کے حصہ کا زیادہ مستحق ہوگا، کیا آپ ہمیشہ کے لئے بھائی کو پانچ سدس اور باپ کو ایک سدس دیئے جانے کا فیصلہ کر دیں گے؟

- ۱۸۰۱- اس نے کہا: اس فیصلے سے کون چیز آپ کے لئے مانع آسکتی ہے؟
- ۱۸۰۲- میں نے کہا: تمام مخالفوں کا اس پر اجماع ہے کہ جد بھائی کے ساتھ اس کی برابر یا اس سے کچھ زیادہ حصہ پائے گا، چنانچہ اب میرے لئے یہ مناسب

نہ رہا کہ میں ان سب کے خلاف کہوں، اور نہ یہ کہ قیاس پر عمل کروں، کیونکہ قیاس ان حضرات ہی کے اقوال سے مستخرج ہوتا ہے،

۱۸۰۳۔ اور میں نے اپنا مذہب یہ قرار دیا کہ جد کے ساتھ بھائیوں کو میراث میں شامل رکھا جانا اولیٰ ہے، جس کے دلائل قیاسیہ میں بیان کر لیا ہوں،  
۱۸۰۴۔ پھر مختلف مقامات کے جدید و قدیم فقہاء میں سے اکثر کا قول بھی میرے مذہب کے مطابق ہے،

۱۸۰۵۔ اور ساتھ ہی بھائیوں کی میراث کا ذکر کتاب اللہ میں بھی موجود ہے، لیکن جد کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور سنت میں بھی بھائیوں کی میراث کا جد کی نسبت سے زیادہ ثبوت موجود ہے،

————— بن بن بن بن بن بن بن بن بن بن —————

## صحابہ کے اقوال

۱۸۰۶۔ سائل نے کہا: کتاب اللہ و سنت رسولؐ کے بعد آپ کا قول احجام و قیاس کے سلسلہ میں، میں نے سُن لیا، کیا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے اختلافی اقوال کے متعلق اپنا خیال بھی بیان فرما سکتے ہیں؟

۱۸۰۷۔ تو میں نے کہا: ان اقوال میں سے ہم اس قول کو قبول کریں گے، جو کتاب اللہ یا سنت یا اجماع سے زیادہ موافق ہوگا، یا قیاس میں زیادہ صحیح قرار پاتا ہوگا،

۱۸۰۸۔ قائل نے کہا: یہ تو بتلائیں کہ اگر کسی ایک صحابی کا قول ایسا ہو کہ دیگر صحابہ میں سے کسی صحابی نے نہ اس کی مخالفت کی ہو اور نہ مخالفت، تو اس کے قول کی اتباع میں آپ کے پاس کتاب اللہ یا سنت یا اجماع سے کوئی دلیل موجود ہے، تاکہ یہ اُن اسباب میں شامل ہو سکے جن کو آپ خبر کے ذریعہ ثابت کر کے قائل ہوتے ہیں؟

۱۸۰۹۔ میں نے کہا: کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی، البتہ اہل علم کو ہم نے دیکھا ہے کہ کسی ایسے قول کو کبھی قبول کر لیتے ہیں اور کبھی ترک کر دیتے ہیں، اور بعض اہل علم نے ایسے قول میں اختلاف بھی کیا ہے،

- ۱۸۱۰- اس نے کہا: پھر آپ نے اس مسئلہ میں کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟
- ۱۸۱۱- میں نے کہا: جب کتاب و سنت و اجماع یا اُن کے ہم معنی کوئی دلیل اس شے کے لئے موجود نہ ہو تو اس صحابی کے تنہا قول کی اتباع (ہی ہمارے نزدیک مناسب ہے) یعنی وہی حکم دیا جائے جو انھوں نے دیا ہو، خصوصاً جب کہ اُس قول کی قیاس بھی تائید کرتا ہو،
- ۱۸۱۲- لیکن کسی ایسے قول کا کہ کسی ایک صحابی نے کہا ہو، اور دوسروں نے اس کی مخالفت نہ کی ہو، دھردنا در ہے،

————— بن بن بن بن بن بن بن بن بن بن —————



## قیاس و اجماع کا درجہ

۱۸۱۳۔ قائل نے کہا: آپ نے کتاب و سنت کو فیصلہ کنندہ و مسترار دیا رجو کہ حقیقت ہی، لیکن اس سے بعد اجماع پھر قیاس کو حکم بنا کر کتاب و سنت کا درجہ آپ نے کس طرح دیدیا؟

۱۸۱۴۔ میں نے کہا: اگرچہ ان دونوں کے ذریعہ میں اسی طرح حکم لگاتا ہوں جس طرح کتاب و سنت کے ذریعہ، لیکن ان دونوں کے اصول میں فرق ہے،

۱۸۱۵۔ اس نے کہا: کیا یہ جائز ہے کہ اصول مختلف الاسباب ہوں، اور حکم ان کے ذریعہ ایک ہی طرح کا دیا جائے؟

۱۸۱۶۔ میں نے کہا: ہاں کتاب و سنت کا وہ حصہ جس میں کسی اختلاف کو دخل نہ ہو، بلکہ سب کا اُس معنی پر اجماع ہو اس کے ہم قائل ہو کر یہ حکم دیں گے کہ ظاہر اُو باطناً ہم نے حق کا حکم دیا،

۱۸۱۷۔ اور جہاں ہم ایسی حدیث کے ذریعہ حکم دیں گے جس کی روایت انفرادی طور پر ہو، اور علماء کا اُس پر اجماع نہ ہو، وہاں ہم یہ کہیں گے کہ صرف ظاہر کے لحاظ سے ہم نے حق کا حکم دیا ہے، کیونکہ اس حدیث کو جس شخص نے روایت کیا ہے اس کی غلطی کا امکان ہے،

۱۸۱۸۔ پھر اجماع، پھر قیاس کے ذریعہ جو حکم دیں گے وہ ان دونوں سے ضعیف درجہ کا ہوگا، لیکن یہ ضرورت کے پیش نظر کیا گیا ہوگا، کیونکہ جب حدیث موجود ہو تو قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا، جس طرح سفر میں جب پانی ملنا ناممکن ہو تو تیمم طہارت ہو کر تہی ہے، لیکن اگر پانی موجود ہو تو پھر تیمم طہارت نہیں رہتا، طہارت صرف اُسی صورت میں ہے جب کہ پانی ممکن نہ ہو، یا اس کا ملنا یا استعمال کرنا دشوار ہو چنانچہ اسی طرح سنت کے مابعد حجوتوں سے اُس وقت کام لیا جائے گا جب

سنت موجود نہ ہو،

۱۸۳۔ اور اس مقام سے قبل قیاس وغیرہ کے حجت قرار دینے کی تفصیل میں بیان کر چکا ہوں

۱۸۲۱۔ قائل نے کہا: آپ اس کی کوئی مثال بیان فرما سکتے ہیں؟

۱۸۲۲- میں نے کہا: ہاں ایک شخص یرحق کا مجھے علم ہی، یا اس نے خود اقرار کیا ہے اس کیلئے

میں فیصلہ کر دوں گا کہ جو دعویٰ اس پر کیا گیا ہے، وہ دعویٰ صحیح ہے، لیکن اگر مجھے بذاتِ خود علم نہیں اور نہ اُس نے اقرار کیا ہے تو پھر دو شاہدوں کے ذریعہ حکم دوں گا، حالانکہ اُن شاہدوں کی طرف غلطی اور وہم دونوں کا احتمال ہوگا، اور اس کے مقابلے میں میرا اپنا علم اور اس کا اقرار دونوں قوی تر ہوں گے، پھر میں ایک شاہد اور دوسرے قسم کے ذریعہ فیصلہ کروں گا، لیکن دو شاہدوں کی نسبت سے ضعیف حجت ہوگی، پھر مدعی اور مدعا علیہ کی قسم سے انکار پر فیصلہ ہوگا، اور یہ درجہ ایک شاہد اور قسم کے درجہ سے بھی ضعیف ہوگا، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی شہرت کے خوف سے قسم کھانے سے انکار کرتا ہے، کبھی اس حق کو (جس پر قسم دلائی جا رہی ہو) حقیقہ تصور کرتا ہے، اس لئے انکار کر دیتا ہے، کبھی قسم کھانے والا بذاتہ غییر ثقہ و حریص و فاحش ہو جاتا ہے،

كِتَابُ الرِّسَالَةِ خَتَمَ هُوْنِي، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ

ربیع بن سلیمان صاحب توافقی نے ذی القعدہ ۱۲۶۵ھ میں کتاب الرسالہ نسخہ کی تحریر کی اجازت دی، جس کے تین حُبُز ہیں، اور یہ اجازت انھوں نے اپنے خط سے تحریر فرمائی،

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

الحمد لله  
عنہ تجریداً و تحقیقاً اسلامی  
۲۳ جون ۱۹۶۵ء ، راولپنڈی

www.kitaboSunnat.com

۱۲ جون ۱۹۶۵ء ، راولپنڈی

~~~~~

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

سید اشرف حسین گھریلو، برنڈی، جمہوریہ ۴۴

# قابل مطالعہ ایمان افروز مذہبی کتابیں

|       |                                  |
|-------|----------------------------------|
| ۲/۲۵  | کتاب معاشرت اردو                 |
| ۱۰/۵۰ | مسند امام اعظم مترجم عربی اردو   |
| ۳۳/۴۵ | مشکوٰۃ شریف مترجم عربی اردو کامل |
| ۸/۰   | موطار امام مالک اردو             |
| ۱۰/۵۰ | موطار امام محمد مترجم عربی اردو  |
| ۸/۰   | موضوعات کبیر مترجم عربی اردو     |

## سیرت مبارک صلی اللہ علیہ وسلم

|      |                                  |
|------|----------------------------------|
| ۳/۰  | تایخ حبیب اللہ ، مفتی غایت احمدؒ |
| ۶/۰  | تایخ مصطفیٰؐ ، مولانا قاری احمد  |
| ۲/۲۵ | رحمت دو عالمؐ ، مولانا قاری احمد |

## تایخ و تذکرہ

|      |                                         |
|------|-----------------------------------------|
| ۲۴/۰ | ازالہ الخلفاء اردو کامل ، شاہ ولی اللہؒ |
| ۴/۵۰ | اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاءؓ اردو      |
| ۶/۰  | بستان المحدثین ، شاہ عبدالعزیزؒ         |
| ۱۰/۰ | تایخ اسلام ، عبدالرحمن شوقی             |
| ۳/۵۰ | تایخ اسلام ، مولوی محمد میاں            |
| ۶/۰  | تایخ انبیاءؑ ، مولانا قاری احمد         |
| ۶/۰  | تایخ خلفائے راشدینؓ ، مولانا قاری احمد  |
| ۶/۰  | تایخ بنی امیہ ، مولانا قاری احمد        |
| ۲/۲۵ | تذکرہ اولیاء ہندوستان ، مفتی ولی حسن    |
| ۳/۵۰ | تذکرہ اولیاء سلطان ، شیخ عطارؒ          |
| ۲/۲۵ | تذکرہ مشائخ دیوبند ، مفتی عزیز الرحمن   |
| ۲/۶۲ | حکایات صحابہؓ ، مولانا محمد زکریا       |
| ۱/۰  | ذکر الشہادتین                           |
| ۲/۵۰ | سیرۃ الخلفاء اردو ، شیخ محمد خضریٰ بک   |

## تفسیر و علوم قرآن مجید

|      |                                             |
|------|---------------------------------------------|
| ۴/۵۰ | اصول تفسیر ، مولانا محمد مالک               |
| ۰/۴۵ | اعجاز القرآن ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ      |
| ۴/۵۰ | انفزالکبیر ، مترجم فارسی ، عربی ، اردو کامل |
| ۴/۵۰ | مع فتح الجبیر ، مترجم ، شاہ ولی اللہؒ       |
| ۲/۲۵ | تاریخ قرآن ، مولانا عبد القیوم ندوی         |
| ۱۰/۰ | تفسیر موضح القرآن                           |
| ۲/۳۵ | جمال القرآن (فن قرأت)                       |
| ۲/۳۵ | فوائد کتبہ                                  |
| ۴/۵۰ | لغات الفرقان (قرآنی لغت) ، قاری احمد        |
| ۲/۲۵ | نزهت القاری (فن قرأت)                       |

## حدیث و علوم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

|       |                                         |
|-------|-----------------------------------------|
| ۴/۵۰  | اصول حدیث ، مفتی محمد اعلیٰ             |
| ۲۵/۰  | ابوداؤد شریف مترجم عربی اردو کامل       |
| ۶/۴۵  | انتخاب صحاح ستہ مترجم عربی اردو کامل    |
| ۱۲/۰  | تجرید بخاری مترجم عربی اردو             |
| ۱۰/۵۰ | تجرید بخاری اردو                        |
| ۳۶/۰  | ترمذی شریف مترجم عربی اردو کامل         |
| ۱۲/۰  | دارمی شریف مترجم اردو                   |
| ۲۳/۰  | ریاض الصالحین مترجم عربی اردو کامل      |
| ۴/۵۰  | سنن نسائی شریف مترجم تین جلدوں میں کامل |
| ۵۶/۲۵ | صحیح بخاری شریف مترجم عربی اردو کامل    |
| ۵۶/۲۵ | صحیح مسلم شریف مترجم عربی اردو کامل     |
| ۱۰/۵۰ | کتاب الآثار مترجم عربی اردو             |
| ۲/۶۲  | کتاب الاخلاق مترجم عربی اردو            |

|      |                                     |      |                                             |
|------|-------------------------------------|------|---------------------------------------------|
| ۱/۵۰ | شہادتِ حسینؑ، مفتی انتظام اللہ شاہی | ۱/۵۰ | کتاب الایمان، مولانا قاری احمد              |
| ۲/۲۵ | شہادتِ سلام، مولانا احلاق صبر الیث  | ۲/۲۵ | کتاب الجہاد                                 |
| ۵/۲۵ | قصص الانبیاء رکلاں                  | ۳/۲۵ | کتاب الزکوٰۃ                                |
| ۲/۵۰ | جالس المؤمنین، محمد عطاء اللہ خاں   | ۴/۲۵ | کتاب الطہارۃ                                |
| ۲/۵۰ | مرج البحرین فی ذکر الشہادتین        | ۵/۲۵ | کتاب الزکوٰۃ                                |
| ۱/۸۰ | مؤمنات، مولانا عبد القیوم ندوی      | ۱/۵۰ | مفتاح الحجۃ                                 |
| ۲/۴۵ | نیک بیبیاں، مولانا اصغر حسینؑ       | ۲/۴۵ | مشاہداتِ حرمین (مسائل حج)، مولانا قاری احمد |
| ۲/۴۲ | ہماری شہنشاہی، محمد عطاء اللہ خاں   |      |                                             |

### تصوُّف و اخلاق

|      |                                          |
|------|------------------------------------------|
| ۲/۵۰ | البلاغ المبین مترجم، شاہ ولی اللہؒ       |
| ۳/۳۷ | تبلیغِ دین اردو، امام غزالیؒ             |
| ۶/۵۰ | خیر کثیر مترجم عربی اردو، شاہ ولی اللہؒ  |
| ۲/۴۲ | عقد الجید مترجم عربی اردو، شاہ ولی اللہؒ |
| ۲/۵۰ | فیوض الحرمین مترجم عربی اردو             |
| ۱/۵۰ | محبتِ اہلبیت، شاہ عبدالغنیؒ              |
| ۹/۵۰ | معرفتِ اہلبیت                            |
| ۴/۵۰ | مہناج العابدین اردو، امام غزالیؒ         |

### عقائد و سیاسیات

|      |                                       |
|------|---------------------------------------|
| ۶/۵۰ | احکام سلطانیہ اردو، علامہ مادی        |
| ۳/۵۰ | امامتِ عظمیٰ اردو، علامہ رشید رضاؒ    |
| ۲/۹۴ | تقویۃ الایمان خورد، شاہ اسماعیل شہیدؒ |
| ۸/۵۰ | کنز الدقائق اردو                      |
| ۲/۵۰ | مسئلہ تقدیر، علامہ بشیر احمد عثمانیؒ  |

### خطباتِ جمعہ و وظائف

|      |                               |
|------|-------------------------------|
| ۱/۵۰ | پنجسورہ شریف مترجم خورد مجلد  |
| ۴/۵۰ | خطبات الاحکام، مولانا تھانویؒ |
| ۳/۵۰ | خطبہ الوعظ الاعظم، ابن نہایت  |

### فقہ و مسائل

|       |                                                      |
|-------|------------------------------------------------------|
| ۸/۵۰  | حسن المسائل ترجمہ اردو کنز الدقائق                   |
| ۲/۵۰  | آداب المساجد، مفتی محمد شفیعؒ                        |
| ۱۳/۵۰ | حسن الفتاویٰ کامل مبہوت، مولانا رشید احمدؒ           |
| ۴/۵۰  | اصول فقہ اردو، مولانا حبیب الرحمنؒ                   |
| ۲/۵۰  | الحلیۃ الناجزہ (مسائل بحاح و طلاق)                   |
| ۳/۵۰  | علامہ تھانویؒ، قسم اول                               |
| ۳/۵۰  | المیراث، توقیر مرزا رزقی                             |
| ۱۸/۵۰ | بہشتی زیور محلِ مسلم (سعیدی)، علامہ تھانویؒ، قہر اول |
| ۱۲/۵۰ | قسم دوم                                              |
| ۲/۳۰  | حقوق الاسلام، علامہ تھانویؒ                          |
| ۶/۵۰  | حقوق و فرائض اسلام، مولوی فیروز الدین                |
| ۲/۳۰  | راہِ نجات                                            |
| ۲/۵۰  | رکن الدین اردو                                       |
| ۲/۹۴  | عقائد علمائے دیوبند                                  |
| ۱/۵۰  | فاتحہ کا صحیح طریقہ، قاضی سید اسماعیل                |
| ۱۰/۵۰ | فتاویٰ رشیدیہ کامل مبہوت، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ   |
| ۱۵/۵۰ | فتاویٰ عبدالحیؒ و کامل مبہوت، مولانا عبدالحیؒ        |
| ۳/۵۰  | قانونِ وراثت، مولانا سید اصغر حسینؒ                  |

# مدارس عربیہ میں داخل نصاب کتب کا قابل قدر ذخیرہ

| ل                                | ت    | روضۃ الادب                 | ۱/۲۵ |
|----------------------------------|------|----------------------------|------|
| بواب الصرف عربی جدید             | ۱/۵۰ | تاسیس نظر                  | ۱/۴۸ |
| اصول الشاشی عربی                 | ۲/۳۴ | تحفۃ نصائح                 | ۱/۱۲ |
| اصول الشاشی مع شرح اردو          | ۲/۵۰ | ترجمہ عربی مع شامل و تقریر | ۲۵/۰ |
| مصباح المخواشی                   | ۲/۵۰ | تفسیر بیضاوی عربی درسی     | ۴/۵۰ |
| اسج المعلقات مترجم اردو          | ۱/۱۲ | تقریر ترجمہ عربی           | ۲/۰  |
| المختصر القدری محشی              | ۵/۰  | تلخیص المقاح               | ۱/۵۰ |
| المراقات مع شرح مرآت             | ۱/۰  | تیسیر المستندی             | ۰/۵۰ |
| المنطق                           | ۰/۳۴ | تیسیر المنطق               | ۰/۳۵ |
| المیبدی محشی                     | ۴/۵۰ | ج، ج، ج                    | ۰/۳۵ |
| المیبدی عین القضاة               | ۲۰/۰ | جال الاعتراں               | ۰/۳۵ |
| انوار العلوم شرح اردو علم العلوم | ۲/۰  | جلد صرف یعنی جگہ صرف       | ۲/۵۰ |
| ایساغوجی                         | ۰/۳۰ | چہل سبق                    | ۰/۴۰ |
| ایضاح العوامل شرح اردو           | ۲/۲۵ | ح، خ                       | ۰/۴۰ |
| شرح مآت عامل                     | ۲/۲۵ | حسامی مع شرح نامی          | ۱/۰  |
| ایضاح المطالب شیخ اردو کافہ      | ۳/۰  | حسامی مع شرح نظامی         | ۱/۰  |
| ایضاح المعانی شرح اردو           | ۳/۰  | حمد اللہ ٹونکی             | ۱/۰  |
| دروس السبلاغہ                    | ۳/۰  | خلاصہ کیدانی               | ۰/۲۵ |
| برایۃ الہدایہ                    | ۰/۴۵ | دروس البلاغہ مع شرح        | ۳/۰  |
| بدیع المیزان                     | ۱/۸۴ | ایضاح المعانی              | ۱/۰  |
| بوستان معشری                     | ۳/۳۴ | دستور المستندی             | ۱/۰  |
| پ                                | و    | دیوان حافظ                 | ۲/۰  |
| پنج کتاب فارسی                   | ۱/۰  | دیوان علی                  | ۲/۴۲ |
| پنج گنج معہ زبدہ                 | ۱/۰  | دیوان متنبی                | ۲/۵۰ |
| پندنامہ شیخ عطار                 | ۰/۴۰ | رسالہ حمید                 | ۲/۵۰ |
| رسالہ حمید                       | ۰/۳۰ | صرف بہائی                  | ۲/۵۰ |
| رسالہ حمید                       | ۰/۵۰ | صرف میر                    | ۲/۵۰ |
| رسالہ حمید                       | ۰/۳۰ | صغریٰ مترجم                | ۲/۵۰ |



آپ ہم سے ہر علم و فن کی معیاری اور مستند کتابیں چند سطری خط لکھ کر طلب فرما سکتے ہیں، آپ کا گرانقدر حکم ملتے ہی ہماری خدمات آپ کے لئے وقف ہو جاتی ہیں، اور ہم نہایت مستعدی سے آپ کی ضرورت کتابوں کے سلسلے میں پوری کرتے ہیں، ہمارا نصب العین: آپ کی صحیح اور دل پسند خدمت ہے، آرڈر کے ہمراہ کتابوں کی تہائی قیمت ذریعہ منی آرڈر ضرور ارسال فرمائیں، تاکہ ہم فوراً تعمیل حکم کر سکیں، اور آپ انتظار کی زحمت سے بچ سکیں،، محصول ڈاک ذمہ خریدار ہوتا ہے،

